www.Paksociety.com

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

JULY
2012

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ماڈل: مریم

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

www.Paksociety.com

گوشہ آگہی — صالحہ محمود ۲۶

سلسلے وار ناول

رگ جاں سے جو قریب تھے — صالحہ محمود ۳۰
کبھی عشق ہو تو پتہ چلے — شازیہ مصطفیٰ عمران ۹۸
اعتبارِ عشق — سباس گل ۱۷۴
سانس، سڑک اور سکوت — نائلہ طارق ۱۵۴

مکمل ناول

اس دل میں بسے ہو تم — انعم خان ۱۹۲
تیری خوشبو نہیں ملتی — عابدہ سبین ۵۰
پیار کی گلابی وادیوں — ثناء خان صنعاء ۱۰۸

ناولٹ

مات — روشنی فاطمہ ۷۸
میری تمنا میرا مقدر — عائشہ ذوالفقار ۱۳۲

افسانے

وقت گزاری — سعدیہ عابد ۹۴
اعتبار محبت ہے وفا کا — کشش خان ۱۴۶
محبت کے رنگ — فوزیہ خان ۱۶۶
دل کی اک اک دھڑکن — نظیر فاطمہ ۱۸۲
کٹھن ہیں راستے — عبیرہ عزیز ۲۰۱
سوچا نہ تھا — عائشہ الیاس ۲۱۰

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود ۲۷
ردا کی ڈائری — صدف سعد ۲۱۸
ذرا پھر سے کہنا — شہلا مشائق ۲۲۹
خوشبو — نورین ملک ۲۲۵
اس ماہ میں — نورین ملک ۲۲۲

سندیسے — صالحہ محمود ۲۳۵
کچن — ثریا اقبال ۲۳۸
سنگھار — شہلا مشائق ۲۴۱
اشعار — ادارہ ۲۲۰

جولائی 2012ء
جلد نمبر 17 شمارہ نمبر 7
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہنامہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرادے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''ردا پبلیکیشن''۔

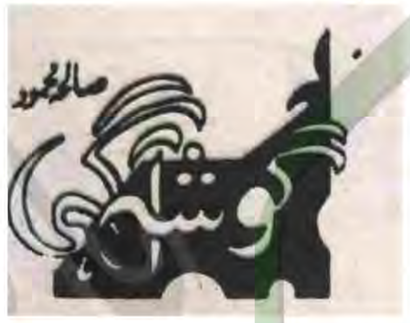

چلو کوئی اور بات کرتے ہیں' ہم اپنا احوال تم سب کو سناتے ہیں زندگی کی وہی ساعتیں قرب و جوار میں پھیل رہی ہیں وہی شامیں وہی پرانی بات کہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ہوا کے دوش پر رکھے ہوئے چراغ دل کی منڈیروں پر رکھے ہوئے دیے آس اور امید سے پُر ہر لمحہ دید میں اترنے میں بے قرار ہو جیسے لیکن قلب کا سکون میسر نہ ہو جسے وہ روح کے خدوخال کیا جانے' محبتوں کے رنگوں میں جب انسان پور پور ڈوب جائے تو فنا زیست ہوتی ہے دبے قدموں چلتی ہوئی راہوں کی چاپیں جب آواز دیتی ہیں تو تھر کے بنجر صحرا مہکنے لگتے ہیں زندگی کی صبح نوید پھر دبے پاؤں اتر آتی ہے ہمارے روز و شب میں وہی آباد گھروندے بنتے اور مٹتے ہیں بس یوں جان لیجیے کہ یہی زندگی ہے ایک لمحہ ٹھہر جانے کا نام بے قرار مچلتی ہوئی لہروں کا تصادم آنکھوں کے جزیرے ہیں جن میں آباد سبھی لوگ آباد ہوئے ہیں آہستہ آہستہ اترنے والی شام صبح کی دستک دے رہی ہے جولائی کا پرچہ' جون میں آپ کے ہاتھوں میں آئے گا لیکن یہ جولائی تک آپ کے ساتھ ساتھ ہوگا میں نے کہاں ناں دبے قدموں کی آہٹیں سنائی دے رہی ہیں کہ چلو آؤ پھر کسی کی آمد منتظر ہے بات سمجھ میں تو آ گئی ہوگی کہ ماہ رمضان آنے والا ہے خوشبو ں بھرا یہ پیغام امت مسلمہ کے لیے ایک تحفہ خداوندی ہے جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کو بخش دیا ہے تو یہ رم جھم کرتی ہوئی پھوار جولائی کے آخر میں اترے گی وہیں کہیں آپ کے ہاتھوں میں آپ کا ردا بھی آپ کے ساتھ ساتھ ہوگا۔

اگست کا شمارہ بہت خاص عید نمبر ہوگا آپ کی محبتوں' چاہتوں کے سارے رنگ عید نمبر میں شامل ہوں گے اور اس بار بھی بالکل منفرد ''ردا ڈائجسٹ'' آپ کو ملے گا۔ لہٰذا قارئین سندیسہ لکھنا مت بھولئے گا ہمیں شدت سے آپ کا انتظار ہے نئے لکھنے والے رابطہ رکھیں ردا آپ سب کا ہے۔

(آپی)

نماز کا اہتمام

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں' جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ٹھیک وقت پر ادا کرے اور رکوع و خشوع پورا کرے' اس کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے اللہ کا وعدہ نہیں' اگر وہ چاہے بخش دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ (مسند احمد' ابوداؤد)

قرآن کی پیروی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا' جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی' پھر اس کی اتباع کی' اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا' ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن کی پیروی کرے گا' وہ دنیا میں گم راہ اور آخرت میں بد بخت نہ ہوگا' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جو میری ہدایت کی اتباع کرے' وہ نہ گم راہ ہوا اور نہ بدنصیب۔

اللہ کی شکر گزاری

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور اکرم ﷺ نے مجھ سے عبادت کی اجازت طلب کی اور نماز میں مشغول ہو گئے' آپ قیام کی حالت میں اتنا روئے کہ آنسو سینہ مبارک تک جا پہنچے' پھر رکوع میں گریہ زاری کی اور سجدے میں دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ نے نماز فجر کی اطلاع دی۔ میں نے پوچھا' جب اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے تو پھر اس اشک باری کا کیا معنیٰ؟ آپ نے فرمایا' کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

دین میں آسانی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' دین آسان ہے اور کوئی دین کو سخت نہ بنائے گا مگر دین اس پر غالب آ جائے گا' لہٰذا ٹھیک رہو خوش خبریاں دو اور صبح و شام اندھیری رات کی نمازوں سے مدد لو۔ (صحیح بخاری)

نیکی کی دعوت دینے والا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا' جو ہدایت کی طرف بلائے' اسے تمام عمل کرنے والوں کی طرح ثواب ملے گا اور اس کے اپنے ثواب سے کم نہ ہوگا اور جو گم راہی کی طرف بلائے گا تو اس پر تمام پیروی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا''۔ (صحیح مسلم)

موت کے بعد

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے' گھر والے' مال اور عمل ساتھ جاتے ہیں' پھر گھر والے اور مال واپس آ جاتے ہیں اور عمل ساتھ رہ جاتا ہے''۔ (صحیح مسلم)

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

قابل رشک لوگ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے' ان پر اگلے پچھلے سب لوگ رشک کریں گے۔ ایک وہ شخص جو دن رات کی پانچ نمازوں کے لئے اذان دیا کرتا تھا۔ دوسرا وہ شخص جس نے لوگوں کی امامت کی اور وہ اس سے راضی رہے۔ تیسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے''۔ (جامع ترمذی)

حلال کمائی

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جب کوئی شخص بالکل اس امر کا خیال نہیں کرے گا کہ یہ چیز اس کو حلال طریقہ پر ملی ہے یا حرام پر''۔ (بخاری)

پڑوسی کا حق

حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''اللہ کی قسم وہ شخص ایمان والا نہیں ہے خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے' آپؐ سے سوال کیا گیا کہ یا رسولؐ اللہ کون؟ آپ نے فرمایا۔ وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی امن میں نہ ہوں۔

(بخاری)

رشتے داروں سے برتاؤ

''جو شخص چاہے کہ اس کی روزی میں کشادگی اور عمر میں زیادتی ہو تو وہ رشتے داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرے۔ (بخاری)

ناپ تول میں کمی کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''بڑی تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لے لیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔ کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے (یعنی اس دن سے ڈرنا چاہیئے اور ناپ تول میں کمی سے توبہ کرنی چاہیئے)۔ (مطففین)

عیب تلاش کرنا

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''اگر تم لوگوں کے عیوب تلاش کرو گے تو ان کو بگاڑ دو گے''۔

(ابوداؤد)

ف: مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب کو تلاش کرنے سے ان میں نفرت' بغض اور بہت سی برائیاں پیدا ہوں گی اور ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر جرات کرنے لگیں۔ یہ ساری باتیں ان میں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی''۔ (بذل المجہود)

مسلمانوں کو ستانا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''مسلمانوں کو ستایا نہ کرو' ان کو عار نہ دلایا کرو اور ان کی لغزشوں کو نہ تلاش کیا کرو۔ (ابن حبان)

☆☆☆☆☆

www.Paksociety.com

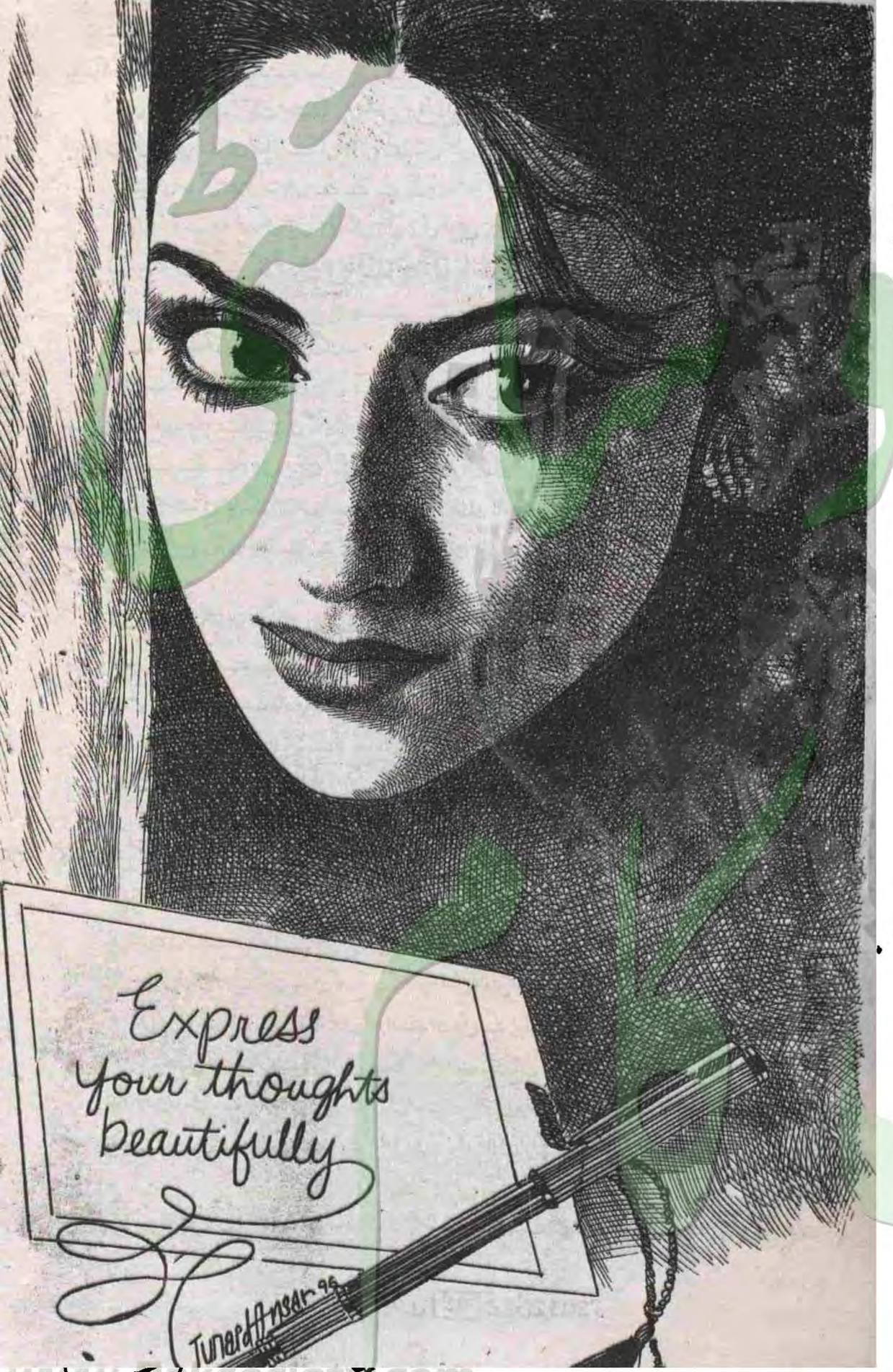

صالحہ محمود

قسط نمبر 7

سلسلے وار ناول

رگِ جاں سے جو قریب تر

گھر میں گہرا سناٹا تھا۔ شکیل بھی گھر سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ ارسلان نے شادی کی تقریب کے لئے چھٹی لے رکھی تھی۔ وہ بہت اداس اداس سا گھر میں پھر رہا تھا۔ بڑی گہری خاموشی تھی۔ ناجانے کیوں گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ایشل جاب پر گئی ہوئی تھی۔ کلثوم واش روم سے منہ پونچھتی ہوئیں ٹی وی لاؤنج میں اماں کے سامنے چائے کا کپ لے کر بیٹھ گئی تھیں۔

''سچ اماں! ہم نے شکرانے کے نفل پڑھے خیر سے رومی اپنے گھر کی ہوئی' اللہ نے ہمیں بچالیا۔ ارسلان کی دیوانگی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اماں رخصتی کے وقت میں نے نظر ڈالی ارسلان کہیں دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوئی اونچ نیچ ہو جاتی تو میں عادل بھائی کو کیا منہ دکھاتی۔ اب میں سکون سے سوسکوں گی۔ میرے بھی کچھ ارمان اور کچھ خواب ہیں۔ زندگی ایک چھوٹے سے ٹوٹے ہوئے مکان میں گزر گئی۔ بارش آتی تو چھت سے پانی ٹپکنے لگتا۔ یہ کوئی زندگی ہے اماں۔ سامنے والی بتا رہی تھیں کہ زویا کے والد بڑے بڑے کنسٹرکشن کے ٹھیکے لے رہے ہیں آج کل ان کا ٹھیکہ پورٹ قاسم کی طرف چل رہا ہے۔ کہہ رہی تھیں ارسلان کے لئے زویا کو لے آؤ' ایک ہی جھٹکے میں بلڈنگ بن جائے گی۔ میں نے تو صاف کہہ دیا کہ فیصلے تو ہمارے گھر میں بزرگ کرتے ہیں' کیا خیال ہے اماں؟''

''دیکھو دلہن! تمہاری مرضی ہے تمہارا بیٹا ہے جہاں دل چاہے کرو۔ اگر میری مرضی تم معلوم کرنا چاہتی ہو تو میں خاندان کو ہی ترجیح دیتی ہوں۔ اگر ہم خاندان کی بچیوں کو نہیں پوچھیں گے تو کون پوچھنے آئے گا''۔

''رہنے دیں اماں! کبھی آپ نے بنا سنوار کر ولید ہاؤس ایشل کو تو نہیں بھیجا' رومی ہی نظر آئی تھی حالانکہ رومی' ایشل سے چھوٹی ہے اماں''۔ انہوں نے لہجے کو کھینچ کر بولا تھا۔

''جب آئے گی نا بڑے گھر کی بیٹی تو تمہاری ہی قدر نہیں کرے گی' غریب گھر کی بیٹیاں قدر کرتی ہیں عزت کرتی ہیں' بڑوں کا ادب جانتی ہیں''۔

''چھوڑیں اماں! آپ کی سوچ بڑی دقیانوسی ہے''۔

''تو پھر مشورہ مجھ سے کیوں کرتی ہو' جو تمہارا دل چاہے وہ کرو''۔ اماں کو بھی غصہ آ گیا۔

''میں نے بھی دنیا دیکھی ہے''۔ وہ خفا خفا سے لہجے میں بول رہی تھیں۔

''اماں! ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے' سب اپنا بھلا چاہتے ہیں' آج کل تو طریقہ ہی ایسا بدل گیا ہے' اب ایشل کو ہی دیکھ لیں کون آ گیا بیاہنے کے لئے''۔

''ہاں تو تم اپنے سے اونچے خواب دیکھ رہی ہو' غریبوں میں تو تمہیں رشتے نظر نہیں آتے۔ کسی کا اسٹیٹس نہیں ہے تو

www.Paksociety.com
www.Paksociety.com

کسی کے خاندان میں نقص ہے' شادی کرتے وقت پہلے صرف دین دیکھتے ہیں اور تم سب سے پہلے دولت دیکھ رہی ہو''۔ اماں کا لہجہ اکھڑا اکھڑا تھا۔

''بس اماں! آپ بہتان مت لگائیں مجھ پر' ہر انسان کا نصیب اللہ نے لکھا ہے۔ نہ ایشل میں کوئی کمی ہے اور نہ ہی ارسلان میں۔ میں نے ان کو پالا ہے' میں تو اس سلسلے میں شکیل کی بھی نہیں سنوں گی''۔ وہ غصے سے بولیں۔

''پہلے کون سا سنتی ہو تم''۔ اماں نے لتے لیے تھے تو وہ تلملا کر کپ پٹخ کر بولی تھیں۔

''اماں! آپ حد کر رہی ہیں' اگر میں اتنی بری ہوں نا تو آپ عادل کے گھر چلی جائیں۔ سعیدہ سے بھی تو آپ کی رشتے داری ہے تبھی تو سعیدہ بھابی کی بیٹی اتنی پیاری تھی کہ اٹھا کر ولید ہاؤس بھیج دی' مہارانی بن کر راج کرے گی''۔

''اس کا نصیب تھا''۔ اماں بولی تھیں۔

''نصیب نہیں اماں! آپ کی چال' آپ کی چالاکی' ہرنی جیسی شکل پر وہ لوگ مرمٹے اور یہ آپ نے اور خالہ نے مل کر ڈرامہ رچایا ہے اور بڑی معصوم بن بن کر ولید ہاؤس میں رہنے گئیں' وہ رانیوں کی طرح شرارہ سنبھالے جا رہی تھی' میرے بیٹے کے تو دل پر بجلی گری ہے بجلی۔ وہ تو یہی سمجھ رہا ہے کہ ماں نے زیادتی کر دی اس کے ساتھ۔ جب اس کی قسمت بھی جاگے گی ناں تب پوچھوں گی ارسلان سے اور شکیل سے۔ مجھ سے ٹھیک سے مخاطب نہیں ہوتا ہے ارسلان۔ نظریں نہیں ملاتا ہے بے غیرت انسان' بہن بیٹھی ہے اور شادی کے خواب دیکھ رہا ہے''۔ وہ کپ اٹھا کر بولی تھیں۔

''اب کیا کروں کلثوم! اللہ تمہیں ہدایت دے''۔ ان کے نکلتے ہی اماں نے انہیں ہدایت کی دعا دی تھی۔ تبھی ارسلان اندر آیا تھا اماں کی باتوں سے بے خبر۔

''دادی! ابو سے آپ نے کچھ کہا ہے؟''

''ہاں بیٹے رسم ہے رومی کو لانا پڑے گا''۔ اماں نے ارسلان کو غور سے دیکھا تھا۔

''کیوں دادی! وہ یہاں آئے گی تو ہم لوگ شرمندہ ہو جائیں گے''۔ اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

''اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے' یہ تو رسم ہے۔ بیٹی ہمارے گھر سے رخصت ہوئی ہے اسے اسی گھر میں آنا پڑے گا''۔ دادی حتمی انداز میں بولیں تو وہ بولا تھا۔

''کیا یہ ضروری ہے؟''

''ہاں ضروری ہے۔ لے کر آتے ہیں بیٹی کو' یوں نہیں چھوڑ دیتے''۔

''لیکن دادی! میں تو لینے نہیں جاؤں گا۔ آپ چھوٹی دادی کو فون کر دیں وہ ڈرائیور کے ساتھ آ جائے گی''۔

''خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے' تم اتنا کیوں گھبرا رہے ہو رومی کے یہاں آنے سے؟''

''دادی! کچھ نہیں ہماری غربت کا مذاق اڑے گا کہ ہم لوگ کیسے ہیں''۔

''نہ تو رومی ایسی ہے اور نہ ہی ولید اور اشمل سے میرا خونی رشتہ ہے اور میں اپنے خون کو پہچانتی ہوں۔ چلو ٹھیک ہے میں تمہاری چھوٹی دادی سے بات کر لوں گی''۔ ارسلان کو لگا اس کی جان چھوٹ گئی۔ وہ دادی کے پاس لیٹ گیا۔

''تم نے بہت خوش اسلوبی سے سارے کام نمٹائے' شکیل نے بھی بہت کیا' ہمیں عادل کی کمی محسوس نہیں ہوئی''۔

''دادی! امی' عادل چچا کی مجبوری نہیں سمجھتیں۔ وہاں کے حالات ہی ایسے نہیں تھے کہ وہ یہاں آ جاتے۔ وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ رومی کا سراغ بھی ملے کہ وہ کہاں ہے۔ گاؤں گوٹھوں کے زمیندار بہت خطرناک ہوتے ہیں دادی! بس جو لڑکی پسند آ جائے وہ ان کی ملکیت ہے''۔ وہ پرتاسف لہجے میں بولا۔

''ہر لمحہ عادل مجھ سے رابطے میں رہا ہے بہت خوش ہیں وہ لوگ''۔ دادی روہانسی ہو گئیں تو ارسلان نے دادی کو بانہوں میں لے کر ڈھیروں پیار کیا تھا۔

''دادی! بس آپ امی کی باتوں کا برا نہ مانا کریں''۔

''ارے چھوڑو تم' کلثوم دل کی بری نہیں ہے بس جو دل میں آتا ہے بڑبڑ کر کے چلی جاتی ہے۔ ظاہر ہے اس کی بھی مجبوری ہے حالات ایسے ہو گئے ہیں کوئی کسی کا نہیں رہا''۔ وہ راحت رساں لہجے میں بول رہی تھیں۔ وہ آنکھیں موندے دادی کے تکیے پر سر رکھے رکھے سو گیا تھا۔

☆

زندگی کے سارے ماہ و سال آہستہ آہستہ سہی مگر گزر گئے۔ محبت دل کے صحرا میں آباد ہوتی ہے تو پھول کھلتے ہیں۔ صحرا میں چاہنے والے آباد ہو جائیں تو محبتیں انہیں ڈھونڈ لیتی ہیں۔ مٹی اور دھول کے اس سفر میں جہاں سب کچھ کھو گیا تھا' خاموشی تھی' زبان نہیں آنکھیں بولتی تھیں' دل دھڑکتے تھے' لمحہ بہ لمحہ زیست کی خاموش گزرگاہوں پر جہاں خس و خاشاک اوڑھتی ہے اور چاہنے والے ابدی نیند سوتے ہیں۔ بڑی تپش تھی دھوپ تھی اس دن سہ پہر کا وقت تھا ماہم نے اماں سے کہا تھا۔

''چلتے ہیں شانزہ سے ملنے''۔ آج اماں کو اس قدر بے چینی ہوئی تھی۔ اماں اور ماہم دونوں چلی تو گئی تھیں۔ تپتی ہوئی دھوپ اور ویرانے میں اپنوں کو ڈھونڈنے کا دشوار راستہ طے کرنا بھی جانکنی کا عذاب ہے۔ سانس لینا بھی اتنا سہل نہیں ہوتا جب چاہنے والے مرقدے ویران پر پہنچ جائیں۔

''سو رہی ہو بیٹا سوؤ''۔ اماں ٹھہرے ہوئے لہجے میں شانزہ کی قبر پر تھپ کر بولی تھیں۔

صحرا بیابان' تپش سے تپتی ہوئی زمین' محو خواب انسان' چرند پرند بھی بہت خاموش تھے' عجیب عالم تھا تنہائی کا۔ اِکا دُکا انسان' بے قرار روحوں کی طرح دھوپ میں بھٹک رہے تھے۔ وہاں صحرا کی تپش اور آگ تھی۔

''یہاں تم کس لئے بار بار آتی ہو' یہاں اب کچھ نہیں ہے مت آیا کرو''۔ اماں درد کے میٹھے لہجے میں ماہم کو دیکھتے ہوئے اپنے اطراف میں پھیلی ہوئی قبروں پر نظر ڈالتے ہوئے بولی تھیں۔

جلتے ہوئے سورج کی تپش ایک بالٹی پانی ایک قطرۂ آب کی طرح ہے۔ ماہم نے مڑ کر دیکھا۔

''اے راہ سے گزرنے والو فاتحہ مرقدِ ویران پر بھی پڑھتے جائیں''۔ وہ اماں کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہی تھی مگر شوخ چنچل سی شانزہ اس دھوپ اور تپش میں ہاتھ تھامے دور بہت دور۔

''ماہم! اگر میں مر جاؤں تو میری قبر پر یہ لکھوا دینا''۔ پرانی قبر کا ٹوٹا ہوا کتبہ جس پر یہ درج تھا۔

''دیکھو دیکھو جھانک کر دیکھو' اس قبر کے اندر دیکھو..... مٹی گر گئی ہے' انسان کا ڈھانچہ نظر آ رہا ہے''۔

''اللہ کا واسطہ ہے شانزہ! مجھے ڈر لگ رہا ہے یہاں سے جلدی بھاگو''۔ ماہم کی رفتار تیز ہوئی تھی۔

''بزدل کہیں کی''۔ وہ قبروں کے درمیان سے دوڑتی ہوئی گزر رہی تھی۔

''ٹھہرو ماہم ٹھہرو''۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ ابھی وہی آواز بازگشت کر رہی ہے۔ اس نے مڑ کر اماں کو دیکھا تو اماں بول پڑیں۔

www.Paksociety.com

''چلو بیٹا چلو..... یہاں اب کچھ نہیں' یہاں مت آیا کرو''۔
''جی اماں!''
سر پر تپتے ہوئے سورج نے اپنی تپش اس کے چہرے نہیں اس کی روح میں اتار دی تھی۔ ضبط امتحان کا ایک لمحہ اسے چھو کر گزر گیا تھا۔ ذہن کے اندر مندر کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ گرجے کا گھنٹا بھی ٹوٹ گیا تھا مگر اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ بس وہ اماں کا ہاتھ تھامے رکشے کو روک رہی تھی۔

☆

چھوٹی دادی نے ولید حیدر کو بتایا تھا۔
''ارسلان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تم اشمل کے ساتھ رومی کو گھر بھیج دو''۔
''کیوں امی! کیا ضروری ہے کہ رومی کو وہاں بھیجا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ایک لمحے کے لیے بھی رومی کو خود سے دور نہیں کر سکتا''۔ وہ ہنسے تو صبا دل ہی دل میں جل کر بولی تھیں۔
''اللہ خیر کرے..... بہو سے اتنی محبت۔ ہمیں تو رومی رشک آ رہا ہے ولید''۔ یہ کہتے ہوئے شوخی سے ان کی آنکھیں اور ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ رومی کو بھی اطلاع ہو گئی تھی کہ اسے تھوڑی دیر میں اشمل کے ساتھ تایا کے گھر جانا ہے۔
''کوئی بات نہیں بیٹا! تھوڑی دیر کی بات ہے تم باہر سے ڈراپ کر کے آ جانا۔ تمہارے پاپ کی خواہش ہے' میں سب ہینڈل کر لوں گی''۔ انہوں نے ایک نظر رومی پر ڈالی تو وہ نارمل سا سوٹ ہینگر میں لئے کھڑی تھی۔
''اب تم یہ پہنو گی' بھئی ہمارا اسٹیٹس ہمارا اسمبل ہے اور غریب لوگ تو یہی زیادہ دیکھتے ہیں' دکھاؤ مجھے''۔ انہوں نے الماری کھول کر سوٹ نکال کر رومی کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔
''یہ لو اور یہ اس کے ساتھ جیولری ہے' پہنو ورنہ ولید پوچھ گچھ شروع کر دیں گے اور تم ہمارے گھر کی بہو ہو' سمجھیں''۔ وہ رومی کو بہت غور سے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔
''تم بہت چپ چپ ہو کیا بات ہے' کیا تایا کے گھر جانے کا دل نہیں چاہ رہا''۔ انہوں نے ایک نظر اشمل کی خوابگاہ پر ڈال کر پوچھا تھا۔ رومی نے ایک نظر اشمل پر ڈالی اور خاموشی سے ڈریس اٹھا کر ڈریسنگ روم کے اندر چلی گئی۔
''جاؤ اشمل! اس کو چھوڑ کر آؤ' میں نہیں چاہتی کہ شروع دن سے تمہارا پاپ ہائے ہائے کرنے لگے اور تمہاری دادی بھی کیا کچھ کم ہیں' وہ واویلا مچائیں گی اور سارا پلان دھرا کا دھرا رہ جائے گا' اٹھو اشمل''۔ اشمل کسمسایا تھا اور اس نے ایک نظر ڈریسنگ روم کی طرف ڈالی تھی جہاں سے ابھی تک رومی نکل کر نہیں آئی تھی۔ اشمل' ماں کے ساتھ نکل کر روم سے باہر آیا تھا۔
''مام! دس از ناٹ فیئر کہ ہم روی کے ساتھ کچھ ایسا کریں''۔ تو وہ پلٹ کر بولی تھیں۔
''اوہو تو ہو گئے ایک دن میں حسن کے دیوانے' اب تو بھول جاؤ تم ارج کو' میں تو کچھ اور پلان بنا رہی تھی تمہارا''۔
''مام! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ مجھے ہینڈل کرنے دیں۔ آپ بیچ میں کیوں انوالو ہو رہی ہیں۔ جب آپ اس وقت بول رہی تھیں اس سے تو اُس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی تھی وہ حقارت کی نظر تھی۔ میں گلٹی کانشس نہ ہو جاؤں۔ ابھی تک تو میں بہت اسٹرونگ ہوں اس کے سامنے اور میں نے اسے بہت کمزور کر دیا ہے لیکن مام پلیز میرے سامنے اسے کچھ مت کہیے''۔ وہ بہت متذبذب سا ہو کر بولا۔
''مرد کی ذات ہوتی ہی ایسی ہے جہاں عورت کو قیمتی لباس میں دیکھا' اس کا حسن نکھر کر آیا بس ہو گئے دیوانے۔ ہونہ

آخر تم ولید حیدر کے بیٹے''۔ وہ تلملا کر ماں کی جانب دیکھنے لگا تھا۔
''اف مائی گاڈ! میرا ہی بیٹا''۔ وہ بڑے تعجب سے ہاتھ ملتی ہوئی گزر گئی تھیں۔ اشمل آہستہ سے پلٹ کر اندر آیا تھا۔
اشمل کے سامنے چھم سے رومی کا چہرہ نظر آیا تھا۔ گولڈن بڑے سے اورگنزا کے دوپٹے اور گولڈن کرتے پر گرین کام کی بوٹیاں تھیں اور بھرے ہوئے گرین کتان کا اڑا پاجامہ' گولڈن اور گرین سچے موتیوں کا جڑاؤ گلو بند گردن پر اور بڑے بڑے گرین جھمکے کانوں پر اتنے حسین لگ رہے تھے کہ اشمل کی نگاہوں کی زد میں آیا کہ ضبط کے سارے بندھن ہار گیا ہو۔ ہر طرف کمرے میں پھولوں کی بہتات تھی' وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تھی۔
''چلیں''۔ رومی کے لہجے میں ایک طنز اور استہزا تھا۔ وہ ایکدم سے سنجیدہ ہو گیا اور گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر کی جانب مڑا تھا۔ وہ بڑی اضطرابی کیفیت میں چلتی ہوئی اشمل کے ساتھ ساتھ لمبے سے کوریڈور میں چلتی ہوئی باہر آئی تھی۔ صبا نے بھی ایک نظر پلٹ کر دیکھا تھا۔
''ماشاءاللہ''۔ ولید نے یہ کہتے ہوئے اپنا چشمہ اتار لیا تھا' ان کے لب مسکرا اٹھے تھے۔
''بہت خوبصورت کپل ہے صبا!'' اشمل کے کندھے پر انہوں نے ہاتھ رکھ دیا تھا۔
''دل تو نہیں چاہ رہا رومی! کہ تمہیں ایک پل کے لئے بھی اوجھل کروں لیکن رسم و رواج میں بھی مزہ ہے۔ جو بات اپنوں میں ہے وہ کسی غیر میں نہیں۔ میرا یقین کرو کہ مجھے کتنی خوشی ہے کہ اس گھر میں کوئی غیر نہیں' سعیدہ کی بیٹی آئی ہے''۔ تو صبا نے بہت گہری نظروں سے ولید کو دیکھا اور بولیں۔
''ظاہر ہے سعیدہ کے لئے دل میں ایک مقام ہے''۔ انہوں نے چٹکی کاٹی تھی ولید کے۔
''شٹ اپ''۔ رومی سر جھکائے کھڑی تھی اور اشمل بھی کسی اور دنیا میں ڈوبا کھڑا تھا۔
''چلو جاؤ بیٹا! اللہ حافظ۔ بہت سنبھال کر لے جانا۔ بہت قیمتی چیز لے کر جا رہے ہو اپنے گھر سے''۔
''جی پاپ''۔ اس کے سخت لہجے کی بازگشت رومی کے اردگرد گھوم رہی تھی۔ وہ بے خودی سی آگے بڑھتی چلی گئی۔ کھوئے کھوئے انداز میں وہ چلتی ہوئی اشمل کے ساتھ گاڑی تک آئی تھی۔
اسے ساری توانائیاں اپنے اندر اٹھتے جوار بھاٹے کو روکنے کے لئے صرف کرنا پڑ رہی تھیں۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اشمل نے ایک نظر براؤن آنکھوں کی طرف دیکھا جس میں گولڈن عکس میں سیپیوں کا رنگ بھرا ہوا تھا' پنک ہونٹوں کے گوشوں سے ہلکی ہلکی نمی کا احساس' اس کے وجود سے بھینی بھینی پھولوں کی مہک۔ اس نے دوپٹے کا آنچل سمیٹا تو اس کی کھنکتی ہوئی چوڑیوں سے مہندی بھرے ہاتھوں پر نظر ٹھہر گئی تھی۔ اسے کبھی مہندی کا رنگ اچھا نہیں لگتا تھا لیکن وہ مہندی سے بھری کلائیوں کو دیکھتے ہوئے چونک گیا۔ پھر گاڑی کی اسپیڈ تیز ہوئی تو رومی نے اپنا رخ اپنے چہرے کا حصار باہیں جانب موڑ لیا تھا۔ اشمل کی وقفے وقفے سے اس پر نظر پڑ رہی تھی۔ وہ دوسری طرف پریشان بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ بہت مشکوک سی اس کے سامنے گردن جھکائے وہ بے بسی کی تصویر بن گئی۔
گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی تو اشمل نے اس کی جانب دیکھا تھا۔
''جائیے تشریف لے جائیے''۔ اشمل نے دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ اس کی جانب مڑ کر بولی۔
''بیل آپ بجائیں گے' آنے والے سے آپ سلام دعا کریں اور آپ بہت پُرخلوص انداز میں خدا حافظ کہہ کر چلے جائیں''۔ تو اشمل نے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا تھا اور پھر پلٹ کر بولا۔

www.Paksociety.com

"اور اگر ایسا نہ کروں تو......"

"تو شاید میرا تعاون بھی آپ کے ساتھ نہیں ہوگا"۔ اس نے بھی اپنا رخ دوسری جانب پھیر لیا تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو خود کو؟" اس نے غصے سے اس کا چہرہ اپنے سامنے کر لیا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ ہلکی سی سسکی نکلی تھی' وہ سہم گئی' رومی کو ایک جھٹکا لگا تھا۔

"بی ہیو یور سیلف"۔ وہ اس کے اِس انداز پر سلگ گئی تھی۔

"او آئی سی...... تو تمہیں احتجاج بھی کرنا آتا ہے' میں تو سمجھا تھا کہ تم ہر ظلم سہہ کر بھی مجھے حاصل کرنا چاہو گی"۔ اس کے ہونٹوں پر طنز اتر آیا۔

"آپ کو خوش فہمی کچھ زیادہ ہے"۔ تو اشمل نے ایک گہرا سانس لے کر اس کے وجود پر ایک نظر ڈالی۔ اس کے کلر نگ بال شفاف ماتھے پر اتر آئے تھے۔ اس نے بہت گہری نظروں سے رومی کی آنکھوں میں جھانکا اور بمشکل ضبط کر کے بولا تھا تو وہ جلدی سے دوپٹہ سنبھالتی ہوئی کار سے باہر آئی تھی۔ اشمل پلٹ کر اس کی جانب آیا۔ اس کے سراپے پر ایک نظر ڈالی تو اسے یوں لگا کہ ایک نور کے ہالے میں رومی پریوں کی شہزادی جس کا برسوں اس نے پیچھا کیا تھا خوابوں میں وہ سامنے کھڑی ہے۔ اشمل کی گرے آنکھیں ڈمپل پر ٹک گئی تھیں جو آج نظر نہیں آئے تھے۔

"آپ اس طرح سے مجھے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کر سکتے مسٹر اشمل ولید"۔

"اومائی گاڈ...... پھر یہ لڑکی دل کی رسائی تک پہنچ گئی"۔ اس نے ضبط کر کے رخ پھیر لیا۔

"مجھے کوئی خوش فہمی نہیں ہے"۔ وہ اشمل کو پھر ہرٹ کر گئی تھی۔

اس نے بھی گہری سانس لے کر رخ پھیر کر رومی کی طرف پلٹ کر دیکھا تھا۔ طوفان کی سرد ہوائیں دونوں کے دلوں کو چھیڑ رہی تھیں۔

"رومی"۔ وہ چونک گئی۔

"چلو ہم مان بھی لیتے ہیں تمہارے اندر کچھ سچائیاں موجود ہیں مگر میں حقیقت سے دامن نہیں بچا سکتا"۔ اس کا لہجہ سنجیدہ سا تھا۔

"ہمارے چاہنے کے باوجود بھی کبھی کبھی دامن الجھ جاتے ہیں۔ بے بسی اسی کا نام ہے کہ جب ارادے ٹوٹ جاتے ہیں"۔ وہ گہری چوٹ کر گئی تھی اور اشمل کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ تو اس نے بڑھ کر بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اندر سے ارسلان ہی نکلا تھا۔ ملگجے سے شلوار قمیص میں سرخ سرخ آنکھیں نمایاں ہو رہی تھیں۔ اس نے اشمل پر ایک نظر ڈالی اور دروازے کے پٹ کھول دیئے تھے۔

"تھینکس میں ذرا جلدی میں ہوں' میں رومی کو ڈراپ کرنے آیا تھا"۔ اس نے بہت گہری نظروں سے رومی کے سپاٹ چہرے کی طرف دیکھا تو وہ ارسلان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اشمل کی نظریں پلٹ کر ارسلان کی طرف گئیں تو وہ گھبرا کر بولا تھا۔

"آئیں آئیں آپ اندر تو آیئے"۔

"پھر کبھی"۔ وہ ایک نظر رومی پر ڈالتا ہوا پلٹ گیا تھا۔

"اس قدر راز اس چہرے ہے اس شخص کا اور رومی اس گھر سے گئی ہے"۔ وہ گاڑی کو ریورس کرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"محبت کسی اور کی اور شادی اس نے مجھ سے کی۔ مام ٹھیک کہتی ہیں غریب دولت مند لوگوں سے بہت جلد قریب آ جاتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو آج رومی کو میرے دل کی خبر کیسے ہو گئی کہ باوجود تلخ احساس کے میرے دل میں وہ اتری ہوئی

ہے' کیا حسن یا اس کی محبت"۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سچ ہے کیا غلط' یہ سب کیسے ہو گیا' کیا میری کسی کمزوری سے رومی نے یہ اندازہ کر لیا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں' میں نے کبھی اس نظر سے اسے نہیں دیکھا۔ آج وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی لیکن میں اس سے کچھ نہ کہہ سکا کہ کہیں اسے پھر کوئی مشکل نہ ہو جائے لیکن وہ کیسے جان گئی کہ میں اس کی تعریف نہیں کر رہا ہوں مگر وہ مجھے اچھی لگ رہی ہے' میری آنکھوں سے تو جیسے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ دل بھی دکھ سے ڈوب رہا ہے کہ ایک ایسی لڑکی جو ہنستی مسکراتی صرف ولید ہاؤس میں میری دوست بن کر ملی اور وہ پھر میری جیون ساتھی بن گئی۔ میں تو مجبور تھا اُس نے احتجاج کیوں نہ کیا"۔ کار کی رفتار اس نے اور بڑھا دی تھی۔

ارسلان نے جلدی سے رومی کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔ پہلے ہارن اور گھنٹی کی آواز نے کلثوم کو بیدار کر دیا تھا کہ یہ رومی ہے۔ وہ جلدی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"اب آئی ہے اپنی دولت کا رعب مارنے' اِترا رہی ہو گی اشمل کی امارت پر"۔ ارسلان' دادی کو بتا کر جلدی سے جانے لگا تو سامنے رومی سے ٹکرا گیا تھا۔

"ارسلان! اس میں میرا کیا قصور ہے"۔ تو ارسلان کے وہیں قدم تھم سے گئے تھے۔ رومی نے بجھے بجھے چہرے اور سرخ آنکھوں کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

"میں نے تم سے کوئی شکوہ تو نہیں کیا' شکوہ مجھے ضرور اپنی زندگی سے ہے"۔

"نہیں ارسلان! فیصلے اوپر ہو گئے تھے یہ دکھ اور ملال سب کچھ ہمارے نصیب کے حصے ہیں' ان کو اپنے اوپر طاری مت کرو۔ اس گھر کی ذمے داری تم پر ہے"۔ بہت تیزی سے وہ دادی کے کمرے کی طرف بڑھی تو ارسلان نے ایک نظر اس پر ڈالی اور گزر گیا تھا۔

دادی نے بڑی خوشی سے اس کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ تایا ابا نے سر پر ہاتھ رکھا تو آنکھیں چھم چھم برسنے لگیں۔

"ارے ارے......" تایا ابا نے دکھ سے بھیگی ہوئی آنکھوں کو تڑپ کر دیکھا تھا۔ کلثوم سے پھر رہا نہیں گیا تو وہ کمرے سے اٹھ کر باہر آ گئی تھیں۔

"اچھا رومی آئی ہے"۔ وہ انجان بن کر بولیں۔

"ہم نے کہا چلو ہم بھی ولید ہاؤس کا رکھ رکھاؤ تو دیکھیں' دولت مند لوگوں کا انتخاب ہے"۔ تو رومی نے آنسو پونچھ کر کلثوم کی جانب دیکھا تھا۔

"لگ تو بہت اچھی رہی ہو رومی! لیکن امیر لوگ غریبوں کی قدر نہیں کرتے' حسن و ذہانت کو یہ لوگ خرید لیتے ہیں بالکل تمہارے حماد فاروقی جنہیں دولت نے خرید لیا۔ تمہیں ٹھکرا دیا گیا' جیسے تمہارے حسن کو دیکھ کر اشمل دیوانہ ہو گیا لیکن ایسے رشتوں کی قدر نہیں ہوتی"۔ وہ طنزیہ بولیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں تائی اماں"۔ اس کے ہونٹوں سے سسکی نکلی تھی اس نے آرزدہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"ہم نے بھی ایسا ہی ڈریس کسی بوتیک پر دیکھا ہے' اگلے ماہ ارسلان کی دلہن کے لئے لے کر رکھوں گی۔ سوچتی ہوں بری کے جوڑے ابھی سے جمع کر لوں ورنہ وقت پر بڑی مشکل ہوتی ہے۔ بھابی بتا رہی تھیں کئی بار زویا کی امی پوچھ چکی ہیں کہ اشمل کا رشتہ کب ہو رہا ہے"۔ وہ بڑی گہری نظروں سے رومی کا جائزہ لے رہی تھیں۔

www.Paksociety.com

''بس یہی بات تو کٹھن ہے دلہن! کہ وہ ایشل کو کیوں پوچھتی ہیں' کیا مطلب ہے ان کا۔ وہ ایشل کی ذمے داری سے بھاگ رہے ہیں' وہ اپنی بیٹی کے لئے اکلوتا رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں''۔

''ارے نہیں اماں! وہ کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ ہیں۔ وہ سوچ رہے ہوں گے کہ ہمارے حالات ایسے نہیں ہیں کہ ہم لڑکے اور لڑکی کی الگ الگ شادی کریں۔ سوچتے ہوں گے کہ ایشل کی کہیں بات ہو جائے تو پھر وہ زویا کی بات نکالیں گے' کئی بار میری بھابی بات نکال چکی ہیں''۔

''چلو ٹھیک ہے تمہاری مرضی اور رومی بیٹے!'' دادی نے تکیہ ہٹا کر جگہ بنائی تھی۔

''تم کتنی نصیبوں والی ہو کہ تمہیں میری بہن کا گھر ملا اور تم اُسے ملیں''۔ دادی محبت سے بولیں۔

''ظاہر ہے اماں! سعیدہ کی بیٹی کا انتخاب تو ہونا ہی تھا۔ محبت ایک بار ہو جائے نا اور کہتے ہیں نا کہ لڑکی خود چھوڑ کر چلی جائے تو لڑکا تمام عمر اسی لڑکی کے حصار میں رہتا ہے''۔ رومی یہ سن کر اندر سے مرسی گئی تھی۔

''تم بھی گڑے مردے اکھاڑ رہی ہو اس وقت۔ رشتے ناطے تو ہوتے رہتے ہیں۔ ہر وقت سعیدہ کا تم نام لیتی ہو' بس کلثوم''۔ دادی برا مان گئی تھیں اور رومی کا بھی دل تائی کے جملے سے دکھ سا گیا تھا۔

''ایسا کیا تھا امی اور ولید ماموں کے درمیان کے لوگ ابھی تک نہیں بھولے؟ کیا اتنی شدید محبت تھی دونوں کے درمیان تو پھر فاصلہ کیسے آ گیا دونوں کے درمیان''۔ اس کا ذہن سوچتے ہوئے تھک رہا تھا۔ دادی اس کے سنہرے اور کلرنگ بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ وہ ان کے وجود سے لپٹی ہوئی اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہی تھی۔

''کتنی نفرت تھی اشمل کی آنکھوں میں پہلی رات۔ میں اس کی نظروں میں گر گئی۔ مجھے تو اس کی باڈی لینگویج سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مجھے بہت چاہتا ہے میری اور اس کی عادات میں کتنی ہم آہنگی تھی لیکن ارج کی محبت نے ہماری کیمسٹری کو غلط فہمی میں بدل ڈالا۔ میں اپنی نظروں میں گر چکی ہوں' کہاں جاؤں گی یہ سنہرے گولڈن گہنے پہن کر؟ کیسے مٹ گئے میرے خواب' میں تو کسی سراب کے پیچھے بھی نہیں بھاگی' ایسا کیا گناہ ہے میرا کسی دل میں میرے لئے جگہ نہیں''۔ مہندی بھرے ہاتھوں سے وہ چہرے کو رگڑ رگڑ کر پونچھ رہی تھی۔

''امی یاد آ رہی ہیں؟'' دادی نے اس کے بالوں کو کان کے پیچھے سمیٹا تھا۔ سر اس نے ہلایا تھا۔ روتے روتے اس کی ناک لال ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر آئینے میں اپنے آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''اشمل! تم نے سب کچھ میرا چرا لیا۔ میں کیسے ایک پل میں خاک ہو گئی۔ میرے ہونٹوں کی ہنسی تم نے چھین لی۔ تم نے میری ہر محبت کو مجھ سے چھین لیا۔ میں ایک بار بھی تمہارے ساتھ ایک قدم بھی نہ چل سکوں گی۔ ایسا کیسے مجھے دھوکا ہو گیا کہ تم میرے ہو؟'' اس نے آنسوؤں سے بجھے بجھے چہرے کو دیکھا جس میں گرین گولڈن جھمکے پھوٹ کر نکل رہے تھے۔ کلرنگ بالوں کی چھوٹی چھوٹی لٹیں بکھر گئی تھیں۔ آئینے میں اپنا عکس اسے اجنبی لگ رہا تھا۔

اشمل نے آ کر سرگوشی کی ہو جیسے چپکے سے آ کر کہہ دیا ہو۔

''سب کچھ تمہارا ہے صرف میرے علاوہ''۔ وہ سسک پڑی۔

''کیا کہوں' کس سے کہوں؟ یہ سب کیا ہو گیا۔ سچ کہتی ہیں تائی اماں کہ امیر غریبوں سے محبت نہیں کرتے' تجارت کرتے ہیں۔ شاید میں بھی کسی تاجر کی جھولی میں قید کر دی گئی ہوں''۔ وہ دکھ اور بے بسی سے رو پڑی۔

www.Paksociety.com

☆

وقت کی رفتار ہر شخص کو بدل دیتی ہے دکھوں کا ایک باب جو رقم تو ہوا تھا مگر وقت نے اس پر مرہم سا رکھ دیا۔ ماحول میں ایک نئی تبدیلی آ گئی۔ اچانک حماد نے انکشاف کیا تھا کہ ان کا امیگریشن آ گیا ہے۔ وہ بے حد ذہین اور انٹلیکچوئل انسان تھے۔ کبھی ہاتھ سے لکھی ہوئی اپیلی کیشن کو امریکن ایمبیسی میں ڈال آئے تھے۔

''دیکھتے ہیں' سنا ہے امریکا انٹیلی جنٹ لوگوں کو پک کر لیتا ہے چلو آزما لیتے ہیں''۔ اس آزمائش کا سفر ختم ہوا جب وہ کسی دوسرے کے کام سے ایمبیسی گئے تو پتہ چلا کہ صرف ایک ہفتے میں گرین کارڈ کا ویزا ختم ہو جائے گا۔

اماں اداس تھیں۔ ماہم صرف اس لئے اداس تھی کہ اس کی ماں اداس ہے۔

''تم اس قدر سوگوار چہرہ بنائے کیوں گھوم رہی ہو؟'' ثروت باجی نے پوچھا تھا۔

''پتہ نہیں ان کو کیا ہوا ہے اماں کے ساتھ یہ بھی رو رہی ہیں بیٹھے''۔ حماد نے غصے کی ایک نظر ڈالی تھی۔

''جی نہیں میں آپ کے لئے نہیں رو رہی''۔ ماہم نے ایک نظر اپنی ماں کے چہرے پر ڈالی اور چھپاک سے ماں کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ حماد' ماہم کی بات کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے اماں کی طرف ایک گہری نظر ڈالی اور بولے۔

''پھاڑ دیتا ہوں پاسپورٹ' نہیں جاؤں گا''۔ بس اسی لمحے اماں نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے۔

عصمت کی ہنستی ہوئی آنکھیں ماہم کی روح پر انگارے برسا رہی تھیں۔ کہانی ختم ہونا چاہتی تھی کہ حماد عازم سفر ہو گئے۔ عصمت اپنا سامان باندھ کر بغیر بتائے ہوئے اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ پھر ایک دو ہفتے کے بعد ہی اچانک ٹرک اور مزدور لے کر آئی تھیں۔ ایک ایک سامان اٹھوا کر انہوں نے گاڑی میں رکھوایا تھا۔

حماد کی الماری میں سے سارے کپڑے جوتے پھٹی پرانی چیزیں گٹھریوں میں بندھوا کر بھجوا دی تھیں۔ ایک ایسا بھی نشان اس کمرے میں نہیں تھا کہ لگے حماد اس کمرے میں رہتے تھے۔

پھر بڑی ہنستی ہوئی عصمت اندر آئی تھیں۔

''اچھا میں جا رہی ہوں' دو ماہ میں ہمارے بھی پیپر آ جائیں گے ہم چلے جائیں گے' اللہ حافظ''۔ اپنا بیگ لٹکائے ہوئے وہ باہر نکل گئی تھیں۔ محلے والوں کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ عصمت اپنا سامان لے کر چلی گئیں۔

اماں بے قرار سی پلٹ کر حماد کے کمرے میں آئی تھیں۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔ اماں نے گھبرا کر دیوار میں لگی ہوئی الماری کو کھولا تھا۔ ایک ایک پرانی چیز بھی وہاں سے غائب تھی۔ اماں وہیں زمین پر گر کر بیٹھ گئی تھیں۔ آنسو تھے کہ بہہ رہے تھے حالانکہ پرانے کپڑے اور سلیپر لے جانے کی اسے کیا ضرورت تھی بس اسے ایک تکلیف تھی کہ حماد کا یہاں سے نام و نشان مٹا دیں۔

ماہم نے سنا تھا کہ اماں بہت بے قرار ہو کر روئی تھیں۔ پڑوس سے باجی سعیدہ بھاگ کر آ گئی تھیں۔ اماں الماریوں میں ہاتھ پھیر پھیر کر رو رہی تھیں۔ کوئی ایک نشان بھی نہیں تھا۔ پھر خود ہی وہ آ کر بتا گئی تھیں۔

''ہم نے سارے کپڑے حماد کے دھوبی کو دے دیئے۔ میں کیا کرتی پرانے کپڑوں کا''۔ انہوں نے مسکرا کر اماں کی جانب دیکھا تھا۔

صرف اور صرف وہ اماں کو تکلیف دینا چاہتی تھیں۔ ان کی محبت اور خاموشی کو وہ چالاکی کا نام دیتی تھیں' وہ اس محبت کا مذاق اڑاتی تھیں جو اماں کے دل میں تھی۔

ماہم ایک بار ان سے ملنے کاظمی کے گھر گئی تھی تو اس نے آ کر بتایا تھا۔

www.Paksociety.com

''اماں! بھائی کی الماری باتھ روم میں رکھی تھی کہ وہاں رکھنے کی جگہ نہیں تھی مگر ایک ضد تھی کہ اس گھر کو اجاڑ کر جاؤں گی اور قدرت بھی ان پر کتنی مہربان تھی کہ ان کے جگر گوشے کو کوئی یوں اڑا کر لے گیا''۔

کون کسی کے لئے رکتا ہے مرنے والوں کا بھی صبر آجاتا ہے۔ اماں نے پھر ایک محبت کا جواز ڈھونڈ لیا تھا۔

''چلو اچھا ہوا وہ یہاں ہر وقت لڑتی جھگڑتی رہتی تھی' کم از کم میرا بھائی تو سکون سے رہے گا''۔ ماہم نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''تمہیں تو کسی حال میں چین نہیں ہے۔ تمہاری بہت بری عادت ہے ہر ایک کے لئے غلط سوچتی ہو' مت سوچو بیٹا! ہم نے کبھی کسی کے لئے برا نہیں سوچا''۔ اماں راحت رساں لہجے میں بولیں' دکھ انہیں بھی تھا مگر وہ کہہ کر ماہم کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

''اماں! عادت والے کی عادت نہیں بدلتی۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ وہ جاتے وقت کہہ گئی تھیں کہ دیکھو میں جیت گئی' اب تمہاری ماں حماد کے لئے روتی رہے گی' وہ اپنی فتح پر آخری بار ہنس ہنس کر سب سے مل کر گئی تھیں''۔ اماں کی یادوں میں پتہ نہیں کب تک ان کی یاد آتی' وہ اکثر حماد کا ہی ذکر کرتیں۔

''خط نہیں آیا بہت دن ہو گئے' ماہم! تم ایک خط لکھ دو''۔ وہ آس سے کہتیں۔

''ہاں اماں! میں لکھ دوں گی ایک خط''۔ اماں گھنٹوں بیٹھ کر ماہم سے خط لکھواتیں۔

''اب تم اسے دوبارہ اتار و فیئر کر کے''۔ ماہم نے دونوں کاغذ اماں کے سامنے پھیلا دیئے تھے۔

''یہ دیکھیں کہیں پر داغ دھبہ نظر آرہا ہے؟''

''واقعی..... کل لفافہ ڈاک خانے سے منگوا دوں گی تم اس پر ٹکٹ لگا دینا''۔

''یہ رہا لفافہ یہ رہے ٹکٹ''۔ ماہم کے فولڈر میں ہر چیز موجود تھی۔

اماں نے بڑی نفاست سے خود اپنے ہاتھوں سے خط کو رکھا تھا۔ یوں جیسے اپنا دل رکھ رہی ہوں۔ اماں کے جتنے خطوط حماد کو جاتے وہ ماہم ہی لکھتی' کچھ لفظوں کا ہیر پھیر وہ خود کر دیتی تھی۔

بس ایک محبتوں کا سفر تھا جو اماں اور حماد کے درمیان جاری رہا۔ گھر میں ایک گہرا سناٹا تھا۔ ایک ایک کر کے سب لوگ اپنی اپنی منزلوں کو چلے گئے تھے۔ انعم اور اماں اکیلی تھیں اور زوبیہ بھابی اپنی فیملی کے ساتھ۔

انعم صبح اٹھ کر جاب پر چلی جاتی اور اماں سارا دن گھر پر اکیلی بیٹھی ہوتیں۔ اماں سارا دن ماہم کا انتظار کرتیں۔ ذرا سی دیر ہو جائے ویک اینڈ پر تو اماں گیٹ پر نکل آتی تھیں۔

''ارے اماں! آپ اتنی دھوپ میں کھڑی ہیں''۔

''تمہارا انتظار کر رہی تھی کہ ماہم وکٹوریا نے کیوں دیر کر دی''۔ اماں بڑا سا گیٹ تھامے کھڑی ہوتی تھیں۔

اتنا گہرا سناٹا تھا جب ماہم بھری دوپہر میں اماں کے گھر آئی تھی یوں لگتا تھا کہ چرند پرند بھی سو گئے۔

اماں نے حماد اور عماد کی بچپن کی تصویریں اپنے بیڈ کے سرہانے رکھی ہوئی تھیں۔ وہ قافلے محبتوں کے وہ رت جگے ساری بہنوں کے ختم ہو گئے تھے۔ سب تتلیاں اڑ گئی تھیں کنج گلاب سے۔ صحن میں لگے ہوئے پودے سب خالی خالی تھے۔ اماں موتیا کے پھول گجرے بنا کر باجی سعیدہ کے گھر بھیج دیتی تھیں ویک اینڈ پر ماہم کو دے دیتی تھیں جو ماہم کا مقدر تھے۔ وہ ان گجروں کو بار بار چومتی تھی کہ میری ماں نے اپنے ہاتھوں سے کوندے ہیں۔ احساس کو لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اماں کے ہاتھوں کا لمس' اماں کی انگلیوں کے پوروں میں لگی ہوئی مہندی کی خوشبو پھولوں کی ڈنڈیوں میں محسوس ہوتی۔ پورے ہفتے ماہم ان پھولوں کو اپنے سرہانے میں سینچ سینچ کر رکھتی۔

☆

''رومی! تم شام کو آرہی ہو ناں''۔ وہ اپنا بیگ تیار کر کے خاموش بیٹھی تھی۔ ابھی ابھی ارسلان اسے غور سے دیکھتے ہوئے گزر گیا تھا۔

اشمل نے میسج کیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں لینے آرہا ہے۔ وہ بیگ اٹھا کر تیار کھڑی تھی۔ پھر وہ نظریں جھکا کر بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی باہر آئی تھی۔ اشمل کا پھر میسج آیا کہ باہر آجاؤ۔

جب وہ باہر نکلی تو اشمل گاڑی سے ٹیک لگائے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ اشمل نے بڑی گہری نظروں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا' اس کی نظریں خود بھی جھکی ہوئی تھیں۔

وہ چلتی ہوئی آئی تو وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ جونہی وہ بیٹھی اشمل مڑ کر اس کی جانب بولا تھا۔

''میں سیدھے تمہیں بیوٹی پارلر ڈراپ کرنے جا رہا ہوں' مام بھی وہیں ہیں' تمہارا اپائنمنٹ ہے۔ دادی نے کہا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں''۔ اس نے نظر اٹھا کر اشمل کی جانب دیکھا تھا۔

''آپ ڈرائیور کو بھیج دیتے میں آجاتی''۔

''نہیں جناب! میں آپ کا شوہر ہوں۔ پاپ کا حکم تھا کہ میں آپ کو لینے آؤں''۔ وہ دانت پیستا ہوا باہر دیکھ رہا تھا۔

''میری اپنی زندگی ہے لیکن میں جی کسی اور کی مرضی سے رہا ہوں''۔ اس نے بڑی گہری نظروں سے اشمل کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔

''یہ سزا آپ خود کاٹ رہے ہیں''۔ وہ تلخی سے بولی۔

''آپ کی محبتوں کا بہت زیادہ تعاون تھا شاید اس لیے''۔ وہ طنز کر گیا۔

''میں نے کبھی کسی سے تعاون نہیں کیا اور نہ ہی میں محبت کا دعویٰ کرتی ہوں''۔ وہ بہت نرم لہجے میں بول رہی تھی۔

''محبت شور مچا کر نہیں کی جاتی' محبت کا احساس جگایا جاتا ہے''۔ وہ بے رخی دکھا رہا تھا۔

''میں نے کبھی ایسا نہیں کیا''۔ وہ دو بدو بولی۔

''پھر میں کیسے تمہارے اتنے قریب آگیا نا چاہتے ہوئے بھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ارج سے محبت کرتا ہوں''۔

''محبت کسی سے بھی کی جا سکتی ہے''۔ وہ مسکرائی۔

''لیکن میں نے کبھی تم سے محبت نہیں کی''۔ وہ رخ پھیر گیا۔

''اشمل ولید! آپ خوامخواہ میری تذلیل کیے جا رہے ہیں۔ میں بے سہارا ضرور ہوں لیکن بدنیت نہیں۔ میں شروع سے جانتی تھی کہ آپ کی زندگی میں ارج شامل ہے نہ میں نے کل اور نہ ہی آج ایسا سوچا تھا''۔ وہ بپھر گئی۔

''پھر یہ سب اچانک کیسے ہو گیا۔ مام اور پاپ کے ذہن میں کیسے آگیا؟'' وہ سوالیہ ہوا۔

''کسی بھی خوبصورت چیز کو خریدنے کے لئے وقت کا تعین کرتے ہیں' بس قیمت لگانے کی دیر ہوتی ہے اشمل ولید صاحب''۔ وہ طنز اور دکھ سے بولی کہ اسے خود اپنی حیثیت کا اندازہ اب ہونے لگا تھا کہ کیسے اسے اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا تھا صبا بیگم نے۔

''گویا آپ نے اپنے حسن کی قیمت لی ہے''۔ اس نے مڑ کر بہت غور سے دیکھا تھا' واقعی وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی' اشمل ولید نے گھبرا کر اپنا چہرہ پھیر لیا تھا۔

''آئینہ سچ بولتا ہے' یہ میں نہیں کہتی یہ آپ سب کی سوچ ہے۔ آپ جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں تو یہ خرید اور

www.Paksociety.com

فروخت ہوتی رہتی ہے''۔ وہ دکھ سے بولی۔

''میری زندگی میں تو حسن کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ارج تو ایک معمولی صورت شکل کی لڑکی ہے اسمارٹ اور گریس فل' ہماری انڈر اسٹینڈنگ ہے' کئی مہینے تو اس بات پر ہم ڈسکس کرتے رہے کہ ہمیں ایک دوسرے کو قبول کرنا بھی چاہیے یا نہیں''۔ اشمل الجھ کر بول رہا تھا کہ وہ اپنی فیلنگ خود سمجھنے سے قاصر تھا۔

''لیکن میں جس سوسائٹی میں رہتی ہوں وہاں والدین پر پوزل دیتے ہیں' مائیں قبول کرتی ہیں۔ ہماری سوچ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہم صرف آنکھ بند کر کے یوں سمجھ لیں کہ انگوٹھا چھاپ ہیں' ہماری تقدیر کے فیصلے ہمارے بزرگ کرتے ہیں''۔ اس کے لہجے میں ایک فخر اور مان تھا اپنے بڑوں کے لئے۔

''اچھا میں نے آپ کو باہوش وحواس سب کی رضامندی سے قبول کیا ہے اور اگر یہ چوائس آپ کو دی جاتی تو پھر؟'' گرے آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھیں' چہرے پر سختی اور تھوڑا تھوڑا غصہ بھی جھلک رہا تھا۔

''ظاہر ہے میں بھی اپنے لئے بیسٹ اپر چیونٹی کو اویل کرتی۔ ہر شخص یہی کرتا ہے اشمل! اگر میں ایسی نہ ہوتی تو شاید ولید حیدر اور ممانی بھی مجھے ایکسیپٹ نہیں کرتے' یہ ایک حقیقت ہے''۔ اس نے بہت آہستہ سے اپنا رخ اشمل کی طرف کیا تو اشمل اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''یعنی آپ اتنی خوبصورت ہیں کہ کوئی شخص بھی آپ کو دیکھ کر آپ کی قیمت لگا سکتا ہے''۔ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''یہ قیمت لگنے پر ڈیپینڈ کرتا ہے''۔ وہ سر جھکا کر بولی۔

''اور اگر میں تمہاری قیمت پوری کی پوری چکا دوں تو...... تو کیا تم باہوش وحواس اپنی مرضی سے ارج اور ہماری زندگی سے نکل جانے کا سوچ سکتی ہو؟''

''یہ سوال بہت مشکل ہے۔ میں جس معاشرے میں رہتی ہوں' میں جس خاندان سے بی لونگ کرتی ہوں وہاں لڑکی کو یہ اختیار نہیں دیا گیا۔ اس کی سوچ' اس کے اختیارات لے لئے جاتے ہیں اور یہ اس کی گھٹی کی تاثیر ہوتی ہے کہ ہماری زندگی کے فیصلے ہمارے بزرگ کریں گے اور ہم بے اختیار ان کے فیصلوں پر سر جھکا دیں گے''۔ وہ متاسف سی بولی۔

''میں اس بات کو جانتا ہوں۔ میں نے ارج سے کہا تھا کہ یہ کھیل بہت مشکل ہے''۔

''جب آپ جانتے تھے تو اس کھیل میں گیارہواں کھلاڑی مجھے کیوں بنایا۔ آپ انتظار کیجئے ٹیم کے آؤٹ ہونے تک''۔ وہ بہت غصے سے بولی تھی۔ اشمل نے دیکھا ہی نہیں وہ باہر دیکھ رہا تھا۔ گاڑی تھی کہ سگنل توڑ کر چلی جا رہی تھی۔

''پلیز اشمل! کنٹرول یور سیلف''۔ لیکن وہ بہت ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ دونوں کے درمیان بہت گہری خاموشی تھی۔ پھر وہ ایک جگہ گاڑی روک کر ساری خاموشیوں کو توڑ کر بولا تھا۔

''ارج بہت اپ سیٹ ہے' تم نے ٹھیک ہی کہا ہے حسن کی قیمت لگانے میں میرے پیرنٹس نے بہت جلد بازی سے کام لیا ہے۔ ان 24 گھنٹوں میں سمجھ گیا ہوں کہ بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔ میں ارج کو کسی قیمت پر نہیں کھو سکتا ہوں۔ وہ مجھ سے بہت اٹیچ ہے''۔ وہ آسمان کی گہری وسعتوں میں جھانکنے لگا تھا۔ وہ بھی کسی پاتال سے نکل کر باہر آئی تھی۔

''آئی نو دیٹ...... ارج ان لڑکیوں میں سے ہے جو کسی بھی لڑکی کو اپنے ہسبینڈ کے ساتھ انوالو کر کے اس کا تماشا دیکھنا چاہتی ہے۔ فرسٹ ٹائم تم جس طرح سے ارج کو ہمارے درمیان لے کر آئے ہو یہی اس کی ایک دلیل ہے۔ نہ کل وہ تمہاری زندگی میں شامل تھی مسٹر اشمل ولید! نہ کبھی ہوگی۔ ارے ایک لڑکی کو کسی کی زندگی میں شامل کرنا تو بہت دور کی بات ہے' میں ایک لمحہ بھی کسی کو شیئر نہیں کر سکتی''۔

''واٹ ڈو یو مین تم ایک لمحہ بھی شیئر نہیں کر سکتیں؟ کیا تم ارج اور ہمارے بیچ رہنا چاہو گی؟''

''آخری لمحے تک ایک انسان کو تو جانا ہوگا دیٹ آ فیکٹ مسٹر اشمل ولید!'' تو اُس نے پلٹ کر دیکھا کہ یہ کل والی رومی نہیں تھی۔

''لیکن اگر ایسا میں خود چاہوں کہ تم ہماری زندگی میں اس وقت تک شامل رہو جب تک ہمیں ضرورت ہے''۔

''یہ کمیٹڈ میرج نہیں ہے' یہ امریکا بھی نہیں ہے اشمل کہ جب چاہے ارج کسی سے شادی کر لے' امیگریشن کے بعد ڈائیورس ہو جائے''۔ وہ طنزیہ بولی۔

''تم ساری باتیں ارج اور ہمارے بیچ کی جانتی ہو اس لئے مجھ سے کچھ بے وقوفیاں ہوئی ہیں کہ میں خود تمہارے بہت قریب آ گیا اور اس بے وقوفی میں' میں نے تمام باتیں تم سے شیئر کر لیں''۔ وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''کبھی کوئی کسی سے شیئر نہیں کرتا اشمل ولید! تم مجھ پر ٹرسٹ کرتے تھے' کرتے ہو' کرتے رہو گے۔ تم نے اتنی جلد بازی میں سب کچھ کہہ ڈالا جس کو کہنے کے لئے برسوں درکار تھے۔ تم نے ہر بات مجھ سے شیئر کی نا چاہتے ہوئے بھی آخر کیوں؟''

''آئی ڈونٹ نو......'' وہ بڑی معصومیت سے بولا تھا۔

''چلو آؤ...... مام کی کال آئی ہوئی ہے تمہیں جلدی پارلر پہنچنا ہے''۔

☆

زندگی آگے بڑھتی چلی گئی۔ نجانے کتنی محبتیں اور رفاقتیں ٹوٹیں' نا جانے کتنے چاہنے والے اپنوں سے بچھڑ گئے۔ سمعیہ باجی کا پسندیدہ فرد جس کے لئے انہوں نے گھر میں ایک بساط بچھائی تھی کہ حماد سے نہیں رومی کی شادی صفدر سے ہو گی۔ وہ صفدر تو بہت پہلے اپنی چچازاد بہن سے شادی کر کے نا جانے کہاں جا چکا تھا۔

سمعیہ باجی کی زندگی میں بھی ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ اتنی گہما گہمی نہیں تھی۔ اب اماں کے گھر اور ان کے گھر کے درمیان اتنا کم فاصلہ نہیں تھا۔ کبھی کبھار اچانک آ جاتیں۔ وہ رنگ محفل تو نہیں تھی اور نہ ہی یہاں ماہم تھی اور نہ ہی شانزہ اور نہ ہی عصمت کی نئی کوئی کہانی۔ بھولی بچھڑی یادیں بکھری پڑی تھیں۔

ماہم نے کبھی اپنے جہیز کے کپڑے سیتے ہوئے مشین کے لکڑی کے بکس میں ریڈ پین سے لکھا تھا۔

اپنی یادوں کو سمیٹیں گے بچھڑنے والے
پھر کسے معلوم ہے کون کدھر جائے گا

شانزہ نے ماہم کو بتایا تو اماں بہت روئی تھیں۔ آج وہی مشین زوبیہ بھابی گھسیٹ کر لے جا رہی تھیں۔

''بھابی' بھابی! رکیے ناں''۔ ماہم جلدی سے آئی تھی۔

''میں نے اس کے بکس پر ایک شعر لکھا تھا''۔ شعر آدھا مٹ چکا تھا۔ ہر سو یادیں بکھری پڑی تھیں۔

''کیا سوچ رہی ہو وکٹوریا! کسی کا خیال آ رہا ہے' مجھے تو یوں لگتا ہے کہ تمہیں تو یاد ہی نہیں' تم کبھی کسی کی بات بھی نہیں کرتیں۔ تم سب بہت بے وفا ہو' اپنے ابا کو بھی بھول گئے' شانزہ کو بھی بھول گئے تم سب' کوئی بات نہیں' کوئی ذکر نہیں یوں جیسے تمہارے درمیان وہ تھی ہی نہیں۔ تم سے تو بہت قریب تھی' آخری دنوں میں وہ کیا باتیں کر رہی تھی صحن میں بیٹھے''۔ اماں کرید رہی تھیں۔

www.Paksociety.com

''اب تو کچھ یاد بھی نہیں اماں!'' ماہم کے ہونٹ مسکرا پڑے تھے۔

''چلو یہ بھی خوب رہی' کوئی کسی کو یاد نہیں رکھتا سب بھول جاتے ہیں' یہ ماں ہے جو اپنے بچوں کو نہیں بھول سکتی''۔ اپنی ساڑھی کے آنچل سے انہوں نے حماد اور عماد کی بچپن کی تصویروں کو صاف کر کے رکھا تھا۔

''اماں! یہ میرے بیٹے کی تصویر کہاں سے آئی؟'' ماہم چونک کر بولی۔

''جی نہیں یہ ہمارے بچے ہیں''۔ اماں نے تصویر کو ہاتھ میں اٹھالیا تھا۔

''اماں! میرا بیٹا حماد بھائی سے کتنا ملتا ہے''۔

''تمہیں لگتا ہوگا' میرا بیٹا تو بہت خوبصورت ہے''۔ اماں' حماد بھائی کی تصویر پر ہاتھ رکھ کر آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

''اماں! روتی کیوں ہیں؟''

''نا جانے وہ کیسا ہوگا اور عصمت کیا کرتی ہوگی اس کے ساتھ۔ ہاں مجھ سے ہوگئی غلطی۔ تم سب کچھ ٹھیک کہتی تھیں بیٹا۔ ہم کیا جانے ان بھیس بھرے انسانوں کو''۔

''ظاہر ہے اماں! کوئی نہیں کسی کو جان سکتا۔ میں تو ایسے ہی تکا لگایا کرتی تھی۔ سب لوگ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں''۔ ماہم بناوٹی انداز میں ہنسی تھی۔

''ارے کیا ٹھیک ہے' سب کے سب ایک جیسے ہیں۔ ہمارا بیٹا ان لوگوں میں پھنس گیا ہے ایک دن مار کے چھوڑ دیں گے''۔

''ارے نہیں اماں!'' ماہم تڑپ گئی تھی۔

''اماں! میں کتنے دنوں کے بعد آئی ہوں۔ ہر بار مجھے انعم نہیں ملتی''۔ اماں کچھ نہیں بولی تھیں۔ ماہم کے اصرار پر دھیرے سے بولیں۔

''ثروت سے بیٹے کی طبیعت خراب تھی ناں' اس کا فون آیا تھا' سن کر بھاگی انعم۔ ارے بھئی بیمار ہے تو ڈاکٹر کے پاس جاؤ' انعم کو کیوں فون کرتی ہو''۔ ماہم ہنس پڑی تھی۔ اماں کا انداز دکھی دکھی سا تھا۔ وہ خود کو اب تنہا فیل کرتیں تھیں۔

عماد بہت کم ان کے کمرے میں آتے تھے۔ زیادہ تر وہ اپنی کتابوں' کیسٹس اور پالتو کتوں کے پاس وقت گزارتے۔ انہیں دین اور دنیا دونوں کی خبر نہیں تھی۔ ہاں حماد صبح جاتے وقت' شام آتے وقت اماں سے ضرور بات کرتے تھے۔ طبیعت کیسی ہے' دوا لی یا نہیں اور جب اماں کو استھما کا اٹیک ہوتا تو وہ اماں کے کمرے میں لائٹ جلا کر رات گزارتے تھے۔

ماہم اماں سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں کے حصار سے اماں کی پیٹھ سے لگی بیٹھی ہوتی تھی۔ حماد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک ہلکی سی لکیر ابھرتی تھی۔ انہیں ماہم کا اس طرح سے اماں سے محبت کرنا ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ ایسی بات تو نہیں تھی کہ شانزہ' انعم اور ثروت ان سے محبت نہیں کرتی تھیں' بس ماہم کا یہ خیال تھا کہ وہ اماں کو سب سے زیادہ چاہتی ہے اور اماں بھی اسے زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔

محبتوں اور رفاقتوں کے احساسات دونوں جانب یکساں ہوں تو عشق کی تڑپ میں محبت کے بھیگے ہوئے جنو ن میں جو رنگ' جو احساس' جو جذبہ محبت ابھرتا ہے وہ قوس قزح کے رنگوں کی طرح کبھی کبھار نظر آتا ہے لیکن وہ ساری رفاقتیں ایک ایک کر کے آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تھیں۔ بس یونہی ایک دن اماں کے سامنے ماہم نے بول دیا تھا۔

وہ پتہ نہیں کس خیال میں بول گئی تھی اماں کا شفاف چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ ماہم شرمندہ سی اٹھ کر واش روم میں گئی تھی۔ آنسو تھے کہ بہے چلے جارہے تھے۔ وہ ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے کتنی دیر اپنے چہرے کو دھوتی رہی تھی۔ جب وہ پلٹ کر باہر آئی تو رونے کی وجہ سے اماں کو سانس کا اٹیک ہوا تھا۔ انعم گھر پر نہیں تھی' ابھی تک وہ آفس سے واپس نہیں آئی تھی۔ ماہم نے گھبرا کر زوبیہ بھابی کی طرف دیکھا مگر اماں نے آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

مسہری کے دراز سے اِن ہیلر نکال کر وہ سانس لے رہی تھیں۔

''یہ آج میں نے کیا کر دیا' میں پل دو پل کے لئے آئی تھی' اماں کو میں نے رُلا دیا۔ انعم نا جانے کیوں مجھ سے ناراض رہتی ہے' انعم آئے گی تو اماں میری شکایت کریں گی۔ جب وہ ملے گی تو جلے کٹے جملے بولے گی۔ ہمیشہ اماں اور میری محبت کو اس نے محسوس نہیں کیا۔ دکھ اس بات کا ہے کہ وہ پہچان نہیں سکی۔ ویسے پہچانتی تو ہے وہ مجھے تاثر یہ دیتی ہے بے حد سادگی کا کہ میں تمہیں جان نہیں سکی' نہ جانے کون سا درد ہے اس کے دل میں جو اسے مجھ سے دور کرتا ہے' کیا اماں سچ کہتی ہیں کہ ثروت ہے۔ نہیں نہیں' ثروت باجی ایسی نہیں ہوسکتیں' وہ سمعیہ باجی سے زیادہ سب سے محبت کرتی ہیں۔ حماد بھائی بھی انہیں سب بہنوں میں پسند کرتے تھے۔ پچھلے ہفتے کی تو بات ہے۔ سمعیہ باجی کہہ رہی تھیں''۔

''حماد بھائی نے اپنی بائیک ہمارے دیور ندیم کے ہاتھ بیچی تو ہے۔ جب وہ حماد بھائی صاحب کا ہیلمٹ لگا کر نکلتا ہے تو میرے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ حماد بھائی یاد آجاتے ہیں''۔ ان کی آنکھیں چھم چھم برسنے لگی تھیں۔ دل تو ماہم کا بھی رویا تھا مگر وہ کیا کرے' وہ یہ کہہ گئی۔

''اس میں رونے کی کیا بات ہے انہوں نے خرید لیا تو''۔

پھر اس نے اٹھ کر اماں کی الماری کھول کر یونہی خوامخواہ دیکھا تو اماں کا روز وڈ عطردان ایک کونے میں یونہی رکھا تھا۔ ماہم کو یاد آیا کہ شادی کے بعد ماہم صرف اور صرف اماں کی انگلیوں کے لمس کو محسوس کرنے کے لئے بولی تھی:

''اماں! میں یہ لے جاؤں؟'' تو اماں بولیں۔

''ہاں لے جاؤ' یہ میرے کس کام کا ہے' خالی بکس ہے' دو چار شیشیاں پڑی ہیں''۔

ماہم اسے اپنے ساتھ سسرال لے گئی تھی۔ جب اس کی نظر اس سنگاردان پر پڑی تو اسے یوں لگا کہ یہ بہت قیمتی چیز ہے۔

''یہ صرف اماں کے ہی کمرے میں اچھی لگتی ہے' اس کو اماں کے ہی کمرے میں ہونا چاہیے۔ میرا کمرہ اس قابل نہیں کہ اس کو میں یہاں رکھوں''۔ سنگاردان کھول کر اس نے شیشے میں اپنی شکل دیکھی۔

سپر کرسٹل کی موٹی موٹی موتیوں کو چھو کر دیکھا اور پھر ایک دن وہ اسے اٹھا کر اماں کے کمرے میں لے آئی تھی۔

''اماں! یہ مجھے وہاں اچھا نہیں لگتا۔ یہ اسی کمرے میں خوبصورت لگتا ہے''۔ ابھی اماں نے مڑ کر سنا بھی نہیں تھا کہ انعم پٹ سے بول پڑی۔

''ہاں بھئی یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو یہ اپنے کمرے میں جا کر رکھیں''۔ ماہم کا دل دھڑ سے ہوا تھا' اس نے چونک کر انعم کو دیکھا۔

''کیا واقعی تم محبت کے احساس سے عاری ہو' جو تم مجھے سمجھ نہ سکیں' میری محبت کو پہچان نہ سکیں''۔ لیکن انعم بڑی سنگدلی سے منہ موڑ گئی تھی۔

www.Paksociety.com

''چلو اچھا جاؤ تم رکھ دو''۔ اماں بڑے غصے سے بولی تھیں۔ ماہم کا اس وقت دل پھٹ گیا تھا۔ دل میں اس نے انعم کو دیکھ کر سوچا تھا۔

''آج کا حساب میں تم سے روزِ محشر لوں گی' اس جملے کا حساب لوں گی جو تم نے اماں کے سامنے بولا ہے''۔ ماہم بے بس سی ہو کر بس سوچ کر رہ گئی تھی۔

☆

شام 7 بجنے والے تھے رومی اور صبا دونوں تیار ہو گئی تھیں۔ صبا نے بہت شوخ مرجنڈا کلر کی ساڑھی پر بہت خوبصورت ڈائمنڈ کا سیٹ پہنا ہوا تھا۔ ان کی سرخ و سفید رنگت پر آتشی رنگ پھوٹ کر نکل رہا تھا' چلتے چلتے ایک نظر انہوں نے آئینہ پر ڈالی اور رومی کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

''سچ رومی! تم اس رنگ میں بہت حسین لگ رہی ہو' یہ حسن ہمیشہ بدنصیب ہوتا ہے''۔ وہ استہزائیہ لہجے میں بولیں۔

''کیوں ممانی!''

''پتہ نہیں..... کہنے والے کہتے ہیں''۔ صبا کی نظریں رومی کے سوگوار چہرے پر پڑی تھیں۔

''کیا بات ہے رومی؟ تم بہت چپ چپ اور اداس لگ رہی ہو''۔ وہ نہایت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''آج آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں''۔ رومی جلدی سے بات ٹال کر صبا کو الجھا گئی تھی۔ صبا بے وقوفی کی حد تک اپنی حسن پرستی پر ہمیشہ ہی ناز کرتی رہی تھیں سو اِس وقت بھی رومی کی داد و تحسین ان کے حسن کو جلا بخش گئی' بے اختیار وہ ہنس پڑیں۔

''تھینکس..... میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' انہوں نے آنچل تھام کر آئینہ کے سامنے گھوم کر دیکھا تھا۔

''سو بیوٹی فل''۔ رومی بددلی سے ہنس پڑی تھی۔

''اور اب تم دیکھو اب کیسی لگ رہی ہوں؟'' انہوں نے پرس تھام کر پوز بنایا تھا۔

''آج ولید ماموں دیکھیے گا دیکھتے ہی رہ جائیں گے''۔

''ارے چھوڑو تمہارے ولید ماموں یونہی ہیں۔ پارٹی میں سب لوگ ہوں گے' ساری دوستیں اور رشتہ دار مجھے دیکھیں گے آج۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہ آئے۔ بائی داوے رومی! میں اس ڈریس میں زیادہ ایجڈ تو نہیں لگ رہی؟'' انہیں ہمیشہ اپنی عمر کا کومپلیکس رہتا تھا' آج بھی رومی کے سامنے وہ خود کو بہتر محسوس کر رہی تھیں۔ انہیں کوئی غرض نہیں تھی کہ رومی کیسی لگ رہی ہے۔ وہ خود بیوٹی پارلر سے بنی سنوری رومی کے ساتھ نکلی تھیں۔

ہر آنے جانے والے کو ریسیپشن پر رومی مسلسل دیکھ رہی تھی۔ آخری گیسٹ آنے تک اس کی نظریں اسی طرف لگی ہوئی تھیں۔

''تایا ابا کیوں نہیں آئے؟ انہوں نے ارسلان سے کہا ہوگا اور ارسلان گاڑی کی خرابی کا کہہ کر بیٹھ گیا ہوگا۔ ایشل نے کہا ہوگا کہ ہمارے پاس تو کوئی اچھا ڈریس ہی نہیں ہے کیا پہن کر جاؤں۔ تائی اماں نے کہا ہوگا کہ میں کس لئے چلی جاؤں' میری کیا لگتی ہے وہ اور دادی نے سوچا ہوگا چھوڑو ہوٹل تک میں کیسے جاؤں گی ورنہ وہ شاید ولید ماموں کو فون کر دیتیں اور ماموں گاڑی بھیج دیتے''۔ ہر مہمان کی آمد پر وہ چونک جاتی۔ اسے دھوکا ہوتا کہ شاید کوئی آیا ہے۔

کتنے چہرے تھے جو اس کے قریب آ کر ہنس ہنس کر اشمل سے کہہ رہے تھے۔

''سو بیوٹی فل کپل''۔

''تھینکس''۔ اشمل ہر شخص کو کہہ رہا تھا' وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''کہاں ہو اشمل! کیا اتنی حسین بیوی نے حواس گم کر دیئے ہیں''۔ تو اس نے ایک نظر رومی پر ڈالی اور بولا۔

''میں حسن پرست نہیں ہوں' حقیقت پرست ہوں''۔ رومی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی تو اشمل نے بہت گہری نظروں سے اسے پلٹ کر دیکھا تھا تو وہ بھی انجان سی بن گئی۔

ولید ہر ایک شخص کو لے کر رومی کے قریب آ رہے تھے اور اشمل بہت چپ سا خاموش بیٹھا تھا۔ اس ماحول' اس زندگی سے وہ بہت دور جانا چاہتا تھا مگر رسمِ دنیا تھی کہ وہ رومی کے برابر میں بیٹھا رہے' پھر وہ تھوڑی دیر میں اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ رومی نے ایک نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تو وہ کسی کے ساتھ دور کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ رومی کی نظر سے اُس کی نظر وہاں سے ٹکرائی تھی۔

''خدایا! ہمارے حواسوں پر یہ لڑکی ابھی سے کیوں چھا گئی ہے' دل کے گوشے میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے' ہمدردی ضرور تھی' شناسائی تھی لیکن یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا لیکن اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا''۔ رومی اپنی نظریں جھکا گئی اور وہ بھی پلٹ گیا تھا یوں جیسے ان کے درمیان کوئی شناسائی نہ ہو۔

واپسی دیر سے ہوئی تھی۔ ولید حیدر بے حد خوش تھے۔ تمام اپنے بچھڑے ہوئے عزیز و اقارب سے مل کر' ماں باپ دونوں کے رشتے داروں سے انہیں انسیت تھی۔ دادی زبیدہ بڑی خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

رومی اپنے کمرے میں پلٹ کر آئی تھی۔ ابھی اس نے اپنا ڈریس اور جیولری نہیں اتاری تھی کہ اشمل نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک سا گیا۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنے بالوں کو کھولے ہوئے آہستہ آہستہ کنگھا کر رہی تھی اور جونہی وہ چونک کر مڑی اس کی ساری چوڑیاں کھنک اٹھی تھیں۔ اشمل اسے بہت غور سے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''تم نے ابھی تک چینج نہیں کیا''۔

''نو.....'' وہ بولی۔

''تم آج بہت حسین اور خوبصورت لگ رہی ہو' سراہے جانے کی تمنا تو ہوگی''۔ بیٹھی ہوئی رومی شاکڈ ہو گئی۔

''جاؤ اتار دو ساری جیولری' میں رات بھر ڈسٹرب رہتا ہوں' ہاں ڈریسنگ روم میں مت چھوڑ کر آ جایئے گا''۔ بہت بے رحمی سے وہ رومی کو دیکھ کر بولا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر رومی کو دیکھا جہاں کوئی احساسِ ندامت نہ تھا۔ حیرت سے اشمل نے اس کی جانب دیکھا تو اس کے چہرے پر کوئی بھی احساسات نہیں تھے کہ وہ پڑھ سکتا۔

''میں نے شاید تم سے کچھ کہا ہے''۔ اشمل گہری سانس لے کر چھت کی جانب دیکھنے لگا۔

''میں نے سن لیا ہے' ضروری تو نہیں ہے کہ میں آپ کی کسی بات کا جواب دوں''۔ اشمل کو اس کے اس طرح کے بی ہیویئر کی امید نہیں تھی۔ میک اپ اور زیورات سے آراستہ وہ نظریں جھکائے نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ اب اشمل پھر اسے ایک بار چونکا گیا۔

''کیا ہو گیا تمہیں' کیا قیمتی زیورات اور اس لباس میں تم خود کو مسز اشمل ولید سمجھ رہی ہو''۔ تو رومی کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا تھا۔

''کیوں نہیں..... تم نے سب کے سامنے ہمیں اپنایا ہے' کتاب اور سنت کی روشنی میں' یہ ڈھونگ اور ناٹک نہیں ہے مسٹر اشمل! تم جو چاہے کہہ لو' میں شرعی طور پر تمہاری بیوی ہوں''۔ رومی کو غصے کی تیز لہر نے اپنے وجود میں لپیٹ لیا تھا۔ اس کے تلخ رویئے نے ہی اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ غصے سے اس کی آنکھوں میں گلابی رنگ اتر آیا تھا۔

''نو ڈاؤٹ سو بیوٹی فل..... نہ اشمل کل تمہارا تھا اور نہ ہی آج تمہارا ہے انڈر اسٹینڈ۔ تم حسن کے جتنے زاویئے بدلو

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

گی رومی عادل! میں وہ مرد ہی نہیں کہ کمیٹڈ کسی اور سے ہو جاؤں اور چاہوں کسی اور کو"۔ اشمل اس وقت بہت کنفیوژ تھا۔ اس نے کئی بار گھبرا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"میں نے آپ سے کوئی دعویٰ تو نہیں کیا اپنے حسن کا اور نہ ہی محبت کا' پھر آپ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں؟" وہ طنز سے مسکرا پڑی۔

"تم میری خوابگاہ میں موجود ہو۔ کیا کوئی مرد اتنا کمزور ہو سکتا ہے"۔

"محبت اتنی کمزور نہیں ہوتی مسٹر اشمل! جس دن تم کمزور پڑ گئے اٹ مینس کے تمہارے اور ارج کے درمیان محبت تھی ہی نہیں"۔ وہ رخ پھیر گئی۔

"اوہ آئی سی..... تو یہ آپ کے حسن کا امتحان ہے"۔

"امتحان حسن کبھی نہیں بنا' عورت ہمیشہ امتحان رہی ہے"۔ اس نے اس کی جانب اپنا رخ پھیر لیا تھا۔

"تمہارے اس تلخ رویئے کا ہمیں احساس نہیں ہوا' تم اتنی خاموش اور دبی دبی شخصیت کی مالک تھیں جو صرف پرندوں اور بلیوں کی باتیں کرتی تھی۔ اتنی نازک سی لڑکی جو صرف پودوں کی ٹہنیوں سے پھول چنتی ہو' اتنی بے باک کیسے ہو گئی؟ تمہارے تو سر سے دوپٹہ بھی نہیں اترتا تھا یعنی معصومیت کا وہ بھیس جو تم نے اوڑھ کر رکھا تھا آخر ایک دن اتر گیا"۔

"اگر آپ کہتے ہیں تو میں ابھی آپ کی خوابگاہ سے باہر نکل کر جا سکتی ہوں"۔

"یقیناً تم ہماری کمزوری کو جان چکی ہو"۔

"نا صرف میں جان چکی ہوں اشمل! بلکہ مجھے حیرت ہے کہ ایک دوست نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اپنے نام کے ساتھ تم نے میرا نام جوڑ کر جو ٹھپہ لگایا ہے شاید تم بھول گئے کہ یہ مشرق کی بیٹی ہے مغرب کی نہیں"۔

"شٹ اپ رومی! تم مجھے زیادہ فلسفہ پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ تم اپنی لمٹ میں رہو۔ میں اپنے جذبات اور احساسات تم سے چھپا بھی سکتا تھا مگر میں برداشت نہ کر سکا' ورنہ شاید تمہارے ساتھ زندگی وہ سلوک کرتی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں"۔ تو رومی کو اس کے حال پر بہت تیز ہنسی آئی تھی۔

"مسٹر اشمل! جس دن آپ دادی کے روم سے مجھے شاپنگ کروانے لے کر گئے تھے میں اُسی دن تمہیں پہچان گئی تھی لیکن میں تم سب کے رحم و کرم پر تھی۔ میں نے خود کو اللہ کی رضا پر چھوڑ دیا تھا۔ ہو گا وہی جو ہمارے نصیب میں لکھا ہو گا۔ کیوں میں اپنی منطق چلاؤں"۔

"او آئی سی..... تو میں نے ٹھیک ہی کہا ہے ناں کہ تم نے مجھے ٹریپ کیا ہے' اپنی معصومیت اور اپنے حسن سے تم کسی کو بھی اسیر کر سکتی ہو"۔ وہ اس پر طنز کرنے سے باز نہ آیا۔

"آئی ڈونٹ نو کہ میں کیا کر سکتی ہوں' میں نے تم سے کبھی نہیں کہا پھر تم ایسا کیسے سوچ رہے ہو؟"

رات کا دامن آہستہ آہستہ پھیلتا جا رہا تھا۔ اشمل نے بہت غصے سے اپنا واٹ ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکا اور گھڑی اتار کر رکھی اور رومی پر ایک نظر ڈالی جو ڈریسنگ روم سے پنک نائٹی پہنے ہوئے باہر آئی تھی۔ بلیو نائٹ بلب میں خوابگاہ میں گہرا سناٹا تھا۔ اشمل نے ٹھک کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ کروٹ بدل تو لی تھی اس نے مگر اس کے قرب میں رومی کے وجود کی مہک آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔

(جاری ہے)

عابدہ سین

مکمل ناول

تیری خوشبو نہیں ملتی

''طلحہ یار! نکل بھی آ باہر' کہیں مر تو نہیں گیا واش روم میں ہی''۔ روز کی طرح صبح صبح ہی وہ ہی آوازیں شور ہنگامہ' کہنے کو تو اس گھر میں صرف دو فرد تھے' مگر ان کا شور دو سو کے برابر ہوتا تھا اور حرمین کو ان کے اس ہنگامے سے سخت الجھن

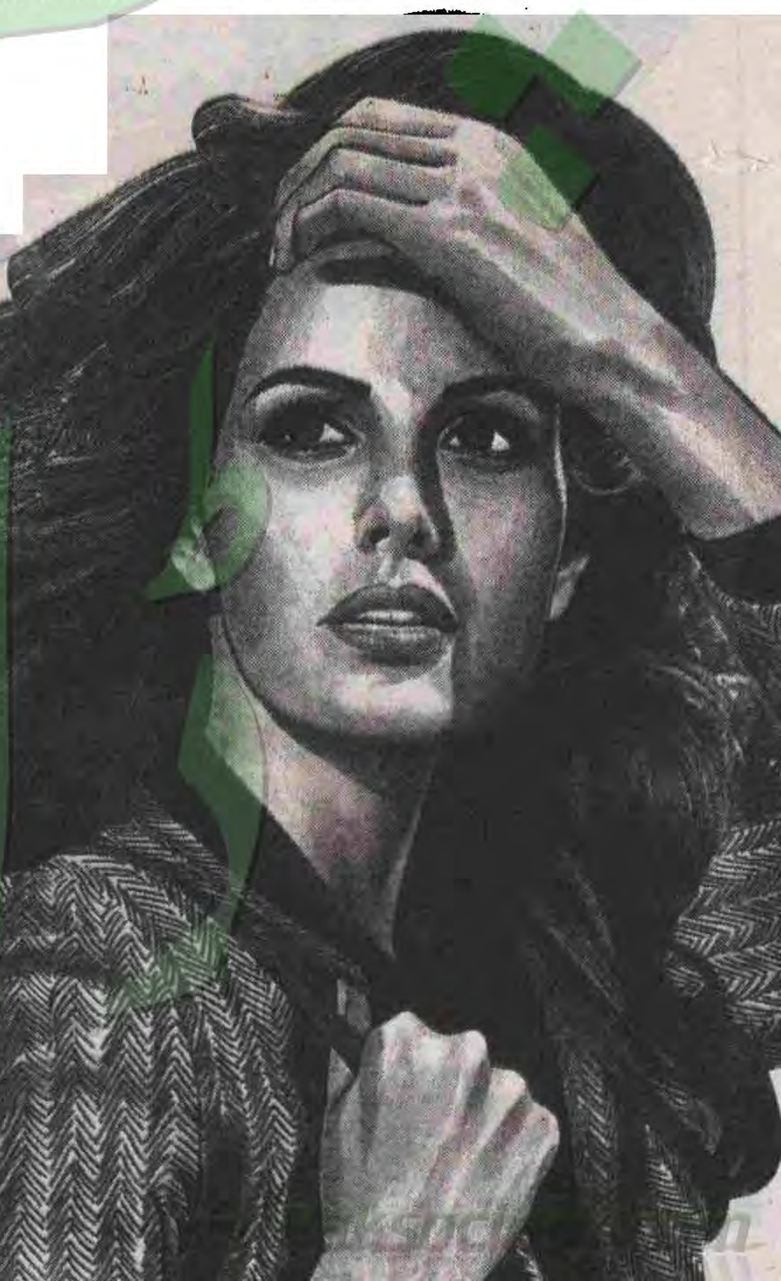

ہوتی تھی۔ تنگ تو امی بابا بھی ہوتے تھے' مگر اس کے علاوہ گھر کا کوئی فرد اظہار نہیں کرتا تھا' صرف ایک ماہ ہوا تھا انہیں ان کے برابر آئے ہوئے۔

''پہلے اچھی خاصی فیملی رہتی تھی اللہ جانے انہیں کیا مصیبت آئی تھی کہ ان میراثیوں کو بیچ دیا ہے یہ گھر''۔ ادھر سے پھر آواز آئی تھی وہ بڑبڑانے لگی' صحن میں بیٹھ کر اخبار پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا۔

''تم تو ٹھہرے پردیسی وعدہ کیا نبھاؤ گے''۔

''اے بھیا! پردے بعد میں سی لینا' ناشتہ دے تاکہ ہم اس منحوس باس کے متھے لگیں سویرے سویرے''۔ طلحہ نے حارش کو گاتے میں ٹوکا' ساتھ ہی گانے کا بھی ستیاناس کیا' حارش نے گھگ اس کے سامنے پٹخا۔

''میں تیرا باوا کا نوکر نہیں ہوں روز ناشتہ بناؤں' بس کل سے تو ناشتہ بنائے گا' شام کا میں کچھ نہ کچھ کرلوں گا''۔ حارش کئی دن برداشت کرتا رہا' وہ صرف بیٹھ کر کھاتا تھا' کچن اس نے سنبھال رکھا تھا' جیسے وہ اس کی سگھڑ بیوی ہو۔

''کیا یار حارش! یونو مجھے کتنی الرجک ہے ان لیڈیز کاموں سے''۔ وہ معصومیت سے بولا۔

''کمینے' ذلیل' یا جی..... تجھے کھانے سے الرجی نہیں ہے صرف پکانے سے اور میں' تجھے کوئی لیڈی نظر آتا ہوں' جو

سارے ایسے کام مجھ سے کراتا ہے' بس انیف آج سے بائیکاٹ"۔ وہ جذبات میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا یار! ناشتہ تو کرلے اب تو نے اتنی محنت سے یہ جلا ہوا آملیٹ اور سوکھے ہوئے پراٹھے بنائے ہیں' ان کو حلق سے اتار کر بھی دکھا ناں"۔ طلحہ اس کی بنائی اتنی پیاری پیاری آملیٹ اور پراٹھوں کی بے عزتی کرتا رہا وہ کڑھ کر ناشتہ کرتا رہا۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ اب حارش عالم کو سنجیدا غصہ آ گیا ہے تب طلحہ کو بھی بریک لگ گئی اور وہ جلدی جلدی ناشتہ ختم کرنے لگا' لیکن حارش پھر بھی اس سے پہلے ہی بائیک باہر نکال چکا تھا اور جب تک وہ تالے لگا کر باہر آیا وہ جا چکا تھا' یعنی آج آفس جانے کے لئے بس یار کشے کے دھکے کھانے تھے' خیر اس نے چابیاں پڑوس میں دیں تاکہ ماسی آ کے صفائی وغیرہ کر جائے اور خود بھی اللہ کا نام لیتا آفس چل دیا۔

☆

یہ دولڑکے مہینہ بھر پہلے ہی یہاں شفٹ ہوئے تھے' ان کے ساتھ کوئی لیڈیز یا بچے وغیرہ نہیں تھے یعنی دونوں چھڑے چھانٹ کنوارے تھے' اور ایک نمبر کے بدتمیز' نالائق اور چھچھورے۔ خیر اسے تو آج تک کچھ نہیں کہا مگر آپس میں ان دونوں کی گفتگو اور مذاق اس قدر بھونڈے ہوتے تھے کہ وہ بعض دفعہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگتی۔ صبح ان کی بک بک اس نے ساری سنی تھی اور پھر جب وہ چابیاں دینے آیا تو اسے ہنسی آ گئی۔

آج اس نے بڑے نمونے کو خفا کر دیا تھا اور سزا کے طور پر اس نے اپنی بائیک پر اسے لفٹ نہیں دی تھی' ویسے یہ بھی سچ تھا کہ یہ طلحہ نام کا نمونہ ایک نمبر کا کام چور اور پیٹو تھا' کھانے کو جو مرضی دے دو' سب' ہضم اور پکانے کی باری میں اسے یہ کام خالصتاً عورتوں کا لگتا تھا' دوسرا بے چارہ صبح شام عورتوں کی طرح کچن بھی سنبھالتا اور نوکری بھی کرتا' کسی دن وہ لیٹ ہو جاتا تو کھانا بازار سے آ جاتا تھا مگر وہ پیٹو نہیں ہلتا تھا۔ پتہ نہیں یہ شخص کیسے برداشت کرتا ہے ایسے انسان کو.....؟ اسے تو یہ بھی نہیں علم تھا ان دونوں میں رشتہ کیا ہے اور ان کا کوئی آگے پیچھے بھی ہے' یا نہیں۔

مئی کا آغاز تھا اور گرمی اچھی خاصی شروع ہو جاتی تھی اس لئے شام کو صحن میں بیٹھنا سب کو اچھا لگتا تھا' پھر ان کے صحن میں دو تین درخت تھے جن کی ہوا میں بیٹھ کر سکون ملتا تھا' اور وہ سب شام کی چائے یہیں بیٹھ کر انجوائے کرتے تھے۔ اس وقت بھی نرمین کے علاوہ وہ سب چائے پی رہے تھے' نرمین کچن میں شام کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی' تب ڈور بیل ہوئی۔ باہر ان دونوں میں سے ایک نمونہ تھا جو چابی لینے آیا تھا۔ ابو نے اخلاقاً اسے بھی چائے کی دعوت دی تھی۔

"تھینک یو سو مچ انکل! مگر اس وقت گرمی سے برا حال ہے' آپ پلیز انجوائے کریں ٹی"۔ واہ بھئی واہ' یہ لوگ اتنے مہذب انداز میں بھی بول سکتے ہیں' بڑی حیرت کی بات ہے' یہ یقیناً حارش تھا اگر طلحہ ہوتا تو کبھی انکار نہ کرتا' اسے اپنی بات سوچ کر خود ہی ہنسی آ گئی' اور کچھ دیر بعد ہی ادھر آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔

"حارش یار! چائے تو پلا دو' سچ سر میں شدید درد ہے"۔ پھر وہ ہی پیٹو' جواباً کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ شاید وہ اب تک ناراض تھا۔

"تھینک یو برادر"۔ یعنی چائے بھی اسی بے چارے نے بنائی تھی' کچھ دیر خاموشی رہی' پھر طلحہ کی پریشانی بھری آواز آئی تھی۔

"حارش! یہ کیا ہوا تجھے' اوگاڈ یہ ہوا کیا ہے.....؟"

"ایکسیڈنٹ....." مدھم آواز گونجی۔

"کیا اور تو مجھے اب بتا رہا ہے کب ہوا؟ اور زیادہ تو نہیں لگی چوٹ"۔ فکر پریشانی دکھ' ہر احساس نمایاں تھا آواز میں۔

"صبح ہی ہو گیا تھا' آج آفس گیا ہی نہیں ہاسپٹل تھا' وہاں سے گھر آ گیا"۔

"حارش! سارا دن تو اتنی تکلیف برداشت کرتا رہا اور مجھے فون تک نہ کیا' اتنا برا ہوں میں"۔ وہ روہانسا ہو گیا۔

"یار طلحہ! ایسا نہیں ہے میں نے سوچا تو پریشان ہو گا' دوپہر میں آفس سے بھاگے گا گرمی میں' بس اس لئے"۔

"تجھے میری اتنی فکر ہے اور میں کتنا خود غرض اتنی تکلیف کے باوجود چائے بھی تو نے بنائی' تو اب تو مجھے بتا سکتا تھا ناں' حارش یہاں کون ہے ہمارا ایک دوسرے کے علاوہ' پڑوس بھی نیا ہے' کون جانتا ہے ہمیں' ہم نے خود ہی ایک دوسرے کا خیال رکھنا ہے' آئندہ تو نے ایسے کیا ناں' تو میں گھر چھوڑ کے چلا جاؤں گا' پھر سڑتا اکیلے۔ اس محلے میں تو کوئی ہم جیسوں کو پانی کا بھی نہ پوچھیں' بیماری میں تڑپ تڑپ کے مر جائیں گے اور کسی کو خبر بھی نہ ہو گی"۔ کتنا جذباتی ہو رہا تھا وہ۔

"یو نو طلحہ! میں کبھی کسی سے بھی کوئی امید نہیں رکھتا' انسانوں سے امیدیں باندھنا چھوڑ دی ہیں میں نے' پھر چاہیں وہ پڑوسی ہوں یا اپنے اور ویسے بھی اس جہاں میں اپنا ہے ہی کون.....؟ تنہا آئے تھے تنہا چلے جائیں گے"۔ اس کا جواب پہلے والے سے بھی زیادہ چھو لینے والا تھا۔

"یعنی تو مجھے بھی ان اپنوں کی کیٹیگری میں کھڑا کر رہا ہے"۔ طلحہ برا مان گیا۔

"ایسا نہیں ہے طلحہ! تو اچھی طرح جانتا تھا' میری زندگی کے ہر باب کو..... پھر تجھے اتنا اندازہ بھی ہو گا کہ میں نے اپنا ناطہ تعلق ختم کر ڈالا ہے سب سے' اور تو اگر میرے سامنے بیٹھا ہے تو' صرف اس لئے کہ میں تجھے اور پھپھو کو ان جیسا نہیں سمجھتا"۔

"اچھا چل دفع کر"۔ طلحہ نے اس کا موڈ آف دیکھ کر کہا۔

"تو ریسٹ کر"۔ اس نے حارش کو پکڑ کر کھڑا کیا' اس کے لئے صحن میں چارپائی ڈالی' بستر لگایا۔

"چل لیٹ جا' میں تیرے لئے کچھ لاتا ہوں کھانے کو"۔

"طلحہ! مجھے بھوک نہیں ہے یار! تو صرف اپنے....."

"اچھا بس' مجھے پتہ ہے اب خوامخواہ پرانی باتوں کو ذہن پر سوار مت کرنا"۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کے ذکر پر وہ کس قدر ڈسٹرب ہو جاتا تھا۔ حارش نے اسے کوئی جواب نہیں دیا تھا' بس آنکھیں موند لیں' ذہن خود بخود ہی پیچھے چلا گیا۔

☆

"اف او..... ایک تو یہ منحوس بچہ ہر وقت ندیدوں کی طرح میرے بچوں کو کھاتے پیتے دیکھتا ہے' چار دن ماں کے گھر رہنے کیا آ گئی جان عذاب میں آ گئی میری۔ اللہ جانے بھابی اس عذابِ مسلسل کو اپنے بابا کے گھر ہی کیوں چھوڑ کر نہیں آئیں"۔ دس سال کے اس معصوم بچے کو دیکھتے ہی ثمینہ باجی بولنے لگ گئیں اور شگفتہ آنکھوں میں آنسو بھرے اس بچے کا ہاتھ تھامے اندر آئیں اور اسے پنچ دیا۔

"کتنی بار منع کیا ہے تجھے مت نکلا کر باہر جو چاہئے مجھے کہہ دیا کر میں یہیں لا دوں گی مگر تو نہیں مانتا ناں میری"۔ ان کا غصہ اس معصوم پر نکلا تھا' دو تھپڑ اور ہزاروں دفعہ کی ڈانٹ اسے رلا گئی اور وہ بے چارہ بیڈ پر اوندھا لیٹ گیا' خود وہ باہر چلی گئی تھیں کتنی دیر بعد کمرے میں آئیں تو وہ اسی طرح لیٹا تھا۔ ان کا دل بھر آیا۔ روتے روتے سو گیا۔ کیسی ماں تھیں وہ.....؟ ایک طرف وہ معصوم سارے گھر والوں کی پھٹکار سہتا تھا' پھر رونے کو ماں کا آنچل بھی نصیب نہ ہوتا' وہ کٹھور ہو جاتیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی سارا قصور اس کا ہی نکال دیتیں زیادہ غصہ آتا تو دو چار لگا دیتیں' ایسے میں وہ بالکل تنہائی پسند ہوتا جا رہا تھا' اس گھر میں صرف ایک ماں کا رشتہ ہی تو گاڑھا تھا' ورنہ تو یہ رشتہ سوتیلا تھا' حتیٰ کہ اس کے چھوٹے بھائی بہن تک اسے

www.Paksociety.com

سوتیلا کہتے تھے' آخر تھے جو سوتیلے۔

اعظم علی سے ان کا دوسرا نکاح تھا اور حارش ان کے پہلے شوہر سے تھا' اعظم علی کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں تھی اور صرف اولاد کی وجہ سے انہوں نے شگفتہ سے دوسرا نکاح کیا تھا' ان کے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا اور وہ ایک بچے سمیت ماں باپ کے گھر بیٹھی تھیں' لیکن بھابیوں نے ان کا وقت گزارنا عذاب کیا ہوا تھا' پھر جب اعظم علی سے نکاح ہوا انہوں نے سوچا شاید ان کے برے دن ختم ہوئے لیکن حارش کا مسئلہ تھا' نانا' نانی معصوم نواسے کو رکھ بھی لیتے لیکن ماموں' ممانیاں بالکل راضی نہ تھیں' دوسرا حارش کو اعظم علی نے خود بھی کہہ دیا تھا وہ اگر شگفتہ کے ساتھ آجائے گا تو ہمیں کوئی مسئلہ نہ ہوگا' شگفتہ نے سکھ کا سانس لیا' لیکن اعظم کے ماں باپ اور بہن بھائیوں نے حارش کو دل سے قبول نہ کیا' ان کا رویہ بہت سرد اور روکھا تھا' وہ حارش کو اپنے سامنے تک بیٹھا برداشت نہ کرتے تھے' اعظم علی البتہ اکثر اس کے لئے باہر سے کوئی چیز لے آتے' کبھی کبھار پیار سے بلا لیتے تھے لیکن ان کے رویئے میں بھی سوتیلا پن نمایاں ہوتا تھا' ایسے میں ان کا دل کٹ جاتا' سگے نانا' نانی' ماموں نے نہیں رکھا تو پھر ظاہر ہے کہ یہاں تو رشتہ سوتیلا تھا۔

حارش یہاں آکر بہت گم صم رہنے لگا تھا' ان کی توجہ بھی کم ہوگئی تھی' سارا دن کام میں گزر جاتا تھا' بھرا پرا گھر تھا' صبح سے کام میں لگتیں تو شام میں بھی فارغ نہ ہوتیں' پھر تھوڑی دیر حارش کے ساتھ گزارتیں' رات کو وہ اعظم کی اماں کے کمرے میں سوتا تھا۔

سال یوں ہی گزر گیا' حارش سب کے رویئے محسوس کرتا لیکن جب ماں کا آنچل ملتا تو سب بھول جاتا' لیکن جب اعظم علی کی پہلی اولاد ہوئی تو حارش مزید تنہائی کا شکار ہوگیا' اعظم علی کبھی کبھار جو توجہ اسے دے دیتے تھے اب وہ بھی ان کی آنکھوں میں چبھنے لگا' کیونکہ اب اللہ نے انہیں بیٹا عطا کردیا تھا وہ تمام گھر والے اس معصوم بچے کو مزید تکلیف دے دیتے اور شگفتہ کی توجہ بھی اب اس پر سے بالکل ختم ہوگئی۔

گھر کے کام اور ننھے ریان میں لگ کر وہ حارش کو خود سے بہت دور محسوس کرنے لگی تھیں۔ انہیں اپنے معصوم کی فریاد اور شکوہ کرتی نگاہیں بے کل کرتیں اور اگر کبھی ریان سے ہٹ کر وہ حارش کے پاس بیٹھ جاتیں اور ننھا رونے لگ جاتا تو اس کی ساس بہت زیادہ برا مناتیں' حد تو جب ہوجاتی جب وہ ریان کی وجہ سے حارش کو مارنے بھی لگ گئی تھیں اور یہ بات ان کا دل چیر دیتی۔ انہوں نے حارش کو سمجھایا بھی تھا کہ وہ زیادہ وقت کمرے میں گزارا کرے' مگر وہ بچہ تھا ہنسنے کھیلنے کو مچلتا تھا' کبھی ریان کے پاس آبیٹھتا تو دادی' پھپھو ڈانٹ کر اٹھا دیتیں اور وہ آنکھوں میں آنسو لئے کمرے میں جاتا اور لیٹ کر رونے لگتا' اسے دل کا بوجھ ہلکے کرنے کا یہ ہی ایک طریقہ آتا تھا۔

اسکول سے شکایت آئی تو اعظم علی نے اسے ڈانٹا بھی اور مارا بھی اس دن وہ بھی رو دیں تھیں' شاید ان کے آنسوؤں کی وجہ سے اعظم نے اسے ٹیوشن ڈال دیا' آفٹر آل شگفتہ بیگم کی وجہ سے آج وہ صاحب اولاد تھے' اتنی تو قدر تھی انہیں اپنی بیوی کی۔ ٹیوشن کیا رکھی کہ حارش اب بالکل بھی انکے پاس نہیں رہتا تھا۔ اسکول سے مدرسے اور شام میں ٹیوشن' رات کو آتے ہی سوجاتا' اکثر اب وہ رات میں کھانا بھی نہیں کھاتا تھا' گھر کا کوئی فرد یہ بات محسوس کرے نہ کرے' انہیں تو پتہ تھا ناں کہ ان کا بچہ بھوکا سویا ہے' وہ اپنے آنسو پی کر رہ جاتیں' اتنی بے قدری تھی ان کے بچے کی' اگر یہ لوگ سمجھ بوجھ والے ہوتے تو حارش کو آنکھوں پر بٹھا کر رکھتے کہ اس کے نصیب سے ہی ان کے سونے گھر میں بچے کی قلقاریاں گونجیں ہیں' یہ اس قدر جاہل لوگ تھے کہ بس۔ دوسری طرف ان کے اپنے ماں باپ' بھائی' بھابیاں ان کے بیٹے کی شکل دیکھنے کو راضی نہ تھے' آخر وہ کیا کرتیں.....؟ حارش کا کیا مستقبل ہوگا.....؟ یہ سوچ سوچ کر گھلتی رہتیں۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور جیسے جیسے حارش بڑا ہو رہا تھا اتنا ہی حساس ہو رہا تھا' لیکن پے در پے چار بچوں کی

پیدائش نے ان کو ضرورت سے زیادہ مصروف کردیا تھا' اور جیسے جیسے بچوں کو شعور آرہا تھا وہ بھی حارش سے دور ہوتے جارہے تھے' حارش چوری چھپے ان کے ساتھ کھیلتا' خوب خوش ہوتا' مگر اب ان کے ذہنوں میں بھی یہ بات بٹھادی گئی تھی کہ حارش سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے اور وہ ان کا سوتیلا بھائی ہے۔ یہ بات ریان نے سب سے پہلے سیکھی' اب وہ بھی حارش کو دیکھتے ہی چڑ جاتا اور اگر وہ مخاطب کرتا تو بدتمیزی سے پیش آتا' پہلے پہل انہوں نے ریان کو پیار سے سمجھایا مگر اس پر اثر نہ ہوا کہ اس کی فیور میں سارا خاندان تھا' آخر انہوں نے حارش کو ہی منع کردیا' اور پہلی بار انہوں نے حارش کے منہ سے کوئی ایسی بات سنی تھی کہ اندازہ ہوگیا کہ صرف گھر والوں سے ہی نہیں خود اپنی ماں سے بھی وہ بدگمان ہو چکا ہے۔

''آپ کو میری ضرورت نہیں تھی تو آپ مجھے مار دیتیں' آج مجھے اتنی اذیت نہ سہنی پڑتی''۔ کتنے آنسو اترے تھے اس کی آنکھوں میں مگر اب اس نے آنسوؤں کو پینا سیکھ لیا تھا' اس دن کے بعد اس نے ماں کو مخاطب تک کرنا چھوڑ دیا' اس کا میٹرک کا سال تھا لیکن وہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ اب سارا دن باہر رہتا تھا' کہاں جاتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ انہیں علم نہ تھا' پھر آہستہ آہستہ اس نے رات میں بھی آنا کم کردیا تو وہ پریشان ہوئیں لیکن اس کا اظہار وہ کس سے کرتیں کہ اعظم علی نے پھر اسے مارنا پیٹنا تھا' انہیں پرواہ کب تھی ظاہر ہے وہ صرف ان کا بیٹا تھا' یوں بھی اپنے چار بچوں کے بعد حارش کو وہ کچھ نہیں سمجھتے تھے' اگر وہ اس کی ضروریات پوری کرتے تھے تو صرف شگفتہ کی وجہ سے' ورنہ گھر والوں کے کہنے میں آکر وہ کب کا اسے گھر سے پھینک چکے ہوتے۔

اس کے ایگزام کے لئے فیس جمع کرانی تھی لیکن پتہ نہیں وہ گھر کیوں نہیں آرہا تھا' کہیں ایسا نہ ہو اس نے اسکول چھوڑ دیا ہو.....؟ غلط دوست نہ بنا لئے ہوں.....؟ جانے کیسے کیسے وہم ہر وقت پریشان کرکے رکھتے تھے۔

آج کئی دن کے بعد وہ آیا تھا' دوپہر کا وقت تھا' تقریباً سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے' دروازہ انہوں نے ہی کھولا تھا' اسے دیکھتے ہی جان میں جان آئی' لیکن وہ اس سے یہاں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لئے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے آئیں۔

''کہاں تھے تم اتنے دن سے؟ اور کن لوگوں میں رہنے لگے ہو؟ جانتے ہو میں کتنی پریشان تھی''۔

''آپ کو بھی فکر ہوتی ہے میری.....؟'' کتنا کاٹ دار لہجہ تھا۔

''حارش! زبان درازی مت کرو' آج کے بعد تم مجھے بتائے بنا کہیں نہیں جاؤ گے' تمہارے پیپرز ہونے والے ہیں اور تمہیں پرواہ.....''

''اس کی پرواہ ہے مجھے لیکن میں اب آپ کے شوہر کا مزید احسان لینا نہیں چاہتا اسی لئے میں نے خود اپنا بوجھ اٹھانا سیکھ لیا ہے' آپ برائے مہربانی میری فکر چھوڑ دیں اور صرف اپنے بچوں کی فکر کریں' میں اب الحمدللہ اپنا خیال رکھ سکتا ہوں اور میں آپ کو صرف یہ ہی بتانے آیا تھا کہ اب میں یہاں نہیں رہوں گا' اپنے کپڑے اور کتابیں اٹھانی تھیں' سو اس لئے آیا تھا''۔ اس نے اپنی بات مکمل کی اور اٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگا' بت بنی شگفتہ کی طرف دیکھا تک نہیں۔

''تم اتنے بڑے ہوگئے ہو حارش کہ اپنے فیصلے خود کرلو''۔

''بڑا تو میں اسی دن ہوگیا تھا جس دن اعظم علی کا بیٹا اس دنیا میں آیا تھا' بس اب تو آپ کو علم ہوا ہے' اتنے سال ہوگئے ہیں' آپ نے کبھی میرے بارے میں سوچا بھی ہے' میں اپنے فیصلے خود ہی کرتا آرہا ہوں' آپ کو آج خیال آیا ہے''۔ اس نے تمام چیزیں اٹھائیں ان کو جواب دیا اور پھر بنا ان کی شکل دیکھے وہ تیزی سے باہر نکل گیا' وہ گم صم کھڑی تھیں جب وہ نکلا تو تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں لیکن تب تک وہ دروازہ کراس کرگیا تھا' وہ وہیں

www.Paksociety.com

ڈھے گئیں اور رو پڑیں۔

☆

"بچے! اپنی ماں سے بدگمان مت ہونا' وہ بے چاری مجبور ہے لیکن اس کا کلیجہ بھی پھٹتا ہے تیرے ساتھ سب کا رویہ دیکھ کر"۔ پھپھو اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کررہی تھیں۔

"آج تک میرے ساتھ جو بھی زیادتی ہوئی ہے انہی کی وجہ سے ہوئی ہے' اگر وہ ایک بار بھی میری سائیڈ لیتیں تو شاید وہ لوگ مجھے اس طرح نہ دھتکارتے' انہوں نے تو ہمیشہ دوسروں کی غلطی پر بھی مجھے مارا ہے' پھر بھی آپ ان کی سائیڈ لے رہی ہیں"۔ وہ اپنی عمر سے بڑی باتیں کرتا تھا' پھپھو کو لگا فی الوقت اسے سمجھانا بے کار ہے کیونکہ اس کے زخم ابھی تازے تھے۔

وہ اعظم علی کی کزن تھیں مگر جس دن سے شگفتہ بیاہ کر اعظم کے گھر آئی تھیں وہ اس معصوم بچے پر ہونے والے ہر ظلم کو دیکھ رہی تھیں۔ شگفتہ جب بچوں میں معروف ہو کر حارث کی طرف سے بالکل ہی لاپرواہ ہو گئیں تو انہوں نے اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا' حارث کو بھی ان کی محبت بے غرض اور پرخلوص لگی تو وہ ان سے اٹیچ ہو گیا' وہ اسکول کے بعد پھپھو کے پاس آجاتا' سارا دن یہیں گزارتا' طلحہ کے ساتھ کھیل کر' اس کے ساتھ بیٹھ کر ہوم ورک کر لیتا' شام کو گھر آ کر سو جاتا' اکثر وہ کھانا بھی پھپھو کی طرف ہی کھا لیتا تھا' اگر پھپھو نہ ہوتیں تو جس طرح اس کی مما اس کی ذات سے لاپرواہ ہو گئی تھیں یا تو وہ مر جاتا اور نہ پھر غلط ہاتھوں میں چلا جاتا' لیکن پھپھو کی ماں جیسی محبت نے اس کی ذات کا اعتماد کھونے نہ دیا' وہ دن بدن ان کے اور طلحہ کے قریب ہوتا چلا گیا۔

جب وہ آٹھویں میں تھا' تو اس نے اسکول کے ساتھ ساتھ شام میں الیکٹریشن کی شاپ پر جانا شروع کر دیا' کچھ اس کا انٹرسٹ تھا کہ وہ الیکٹریکل انجینئر بننا چاہتا تھا' کچھ اس کی ضرورت کیونکہ وہ اعظم علی پر مزید بوجھ بن کر اپنی زندگی مزید برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی چیزیں اپنی پاکٹ منی سے جو دکان سے ہر ہفتے ملتی تھی خریدنا شروع کر دیں اور اب جبکہ وہ میٹرک میں تھا تو اچھا خاصا کام بھی سیکھ چکا تھا۔ وہ اب بھی شام میں اسی شاپ پر کام کرتا تھا' اب اس کی پاکٹ منی بھی بڑھ چکی تھی' سو اسے لگا کہ اب وہ خود اپنا خرچ اٹھا سکتا تھا' اس لئے وہ اپنی مما کا گھر چھوڑ کر پھپھو کے پاس آ گیا۔

طلحہ اس کے مستقل آنے سے بہت خوش تھا اب وہ صبح میں مل کر اسکول جاتے پھر شام میں اکٹھے کام پر' چونکہ پھپھو بیوہ تھیں اور وہ خود سیکنڈری اسکول میں ٹیچر تھیں' طلحہ بھی چاہتا تھا وہ اپنی مما کے ساتھ مل کر کام کرے' دونوں کا وقت اچھا گزر جاتا' ساتھ ساتھ میں ہنر بھی آ گیا تھا' اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونا انہیں اچھا لگتا تھا' وقت اسی طرح گزرتا چلا گیا' اس کی مما' پھپھو کے گھر آجاتی تھیں کبھی کبھار اس سے ملتے' لیکن اس کے دل پر اب گہری گرد چھا چکی تھی' وہ اپنی مما سے بہت دور جا چکا تھا۔ اسے اب ان کی آنکھوں کی نمی ڈھونگ اور ان کا پیار محض ڈرامہ لگتا تھا۔

کتنے سال یوں ہی بیت گئے وہ دونوں تعلیم مکمل کر کے اب پروفیشنل لائف اسٹارٹ کر چکے تھے اور اپنی پسندیدہ جاب پا کر وہ بہت خوش بھی تھے۔ طلحہ ہر قدم پر اس کے ساتھ تھا۔ ان دونوں نے اپنی الیکٹریشن شاپ بنا رکھی تھی جاب سے پہلے ہی' سو جاب کے بعد بھی وہ اکثر شام کا وقت وہیں گزارتے کہ بے کاری سے بہتر کار گزاری' اور اس طرح وہ کافی پیسہ سیو کر لیتا تھا' پھپھو تقریباً اس کی ساری پے منٹ سیو کرتی تھیں' دکان سے ہی وہ اپنی ضرورت پوری کر لیتا تھا' یوں جلد ہی اس نے اتنے پیسے کر لئے کہ اپنا خود کا گھر خرید سکے' اب وہ اسی کوشش میں تھا' انہی دنوں اچانک پھپھو کی طبیعت خراب ہو گئی ہائی بلڈ پریشر کی وہ مریضہ تو تھیں لیکن اچانک ان کا بی پی بہت ہائی ہو گیا' وہ فوراً اسپتال لے گئے مگر تب تک دیر ہو چکی

تھی' پھپھو کی دماغ کی رگ پھٹ چکی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی ہار بیٹھیں۔ اس دن حارث کو لگا کہ اب وہ بالکل تنہا رہ گیا ہے یتیم ہو گیا ہے' لیکن طلحہ کی حالت اس سے بھی بری تھی وہ بھی تنہا ہو گیا تھا' ان دونوں نے ہی اب ایک دوسرے کو سنبھالنا تھا' کیونکہ اس دنیا میں ان کا ایک دوسرے کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

کافی وقت لگا تھا انہیں خود کو سنبھالنے میں' مگر وقت نے آخر انہیں سنبھال ہی لیا' وہ دونوں تھے اور زندگی کا ایک نیا سفر۔ پھپھو کے بغیر گھر کھانے کو آتا تھا' اب اس گھر میں دل نہ لگتا اس لئے دوسرے علاقے میں گھر خرید لیا اور وہاں شفٹ ہو گئے' دکان بھی ختم کر دی' اب صرف جاب تھی اور گھر کے کام۔ شام میں دونوں اکٹھے ہوئے تو الٹی سیدھی پکیں' گانے اور مذاق کر لیتے جس سے زندگی تھوڑی سہل ہو گئی تھی اور نئے گھر میں بھی ان کا من لگ گیا تھا' آخر زندگی کو تو گزارنا تھا تو وہ ہنسی خوشی سہی۔

☆

دو دن تک طلحہ نے اسے آفس نہیں جانے دیا' خود بھی چھٹی کی تاکہ اس کا مکمل خیال رکھ سکے' کتنی حیرت کی بات تھی ناں کہ پچھلے دو دن سے وہ پڑوسیوں کے مہمان تھے اور تینوں وقت کا کھانا ان کے گھر سے آجاتا تھا' حارث نے بہت منع کیا مگر وہ انکل نہیں مانے اور پھر ان کا بیٹا جو تقریباً ان کا ہی ہم عمر تھا اچھے دوستوں کی طرح ان کا خیال رکھ رہا تھا۔

"حارش! کیا بات ہے یار ــــ؟ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے آج کل اتنی شرافت اور نیک نیتی کا زمانہ کہاں ہے"۔

"یک نہیں ــــ یہ لوگ بہت شریف ہیں اور انہیں پتہ ہے کہ گھر کا باورچی بیمار ہے تو کوکنگ کون کرے گا' تجھ جیسے بے حس سے انہیں بھی امید نہیں کہ چائے ہی پلا دے گا مجھے"۔

"کیا' کیا یعنی ــــ میں ــــ" وہ چیخا۔

"بس بائیکاٹ ــــ میں اب تجھ سے بات نہیں کروں گا' دو دن میں ہی بدل گیا"۔ اس نے منہ پھلایا تو حارش ہنس دیا۔

"ارے میرا بھائی! تو خفا ہو گیا' میں تو مذاق کر رہا تھا تجھ سے' تو نہ ہوتا تو بھلا آج میں یہاں ہوتا؟ جانے کہاں کہاں کے دھکے کھا رہا ہوتا"۔ وہ اب پھر سنجیدہ ہونے لگا تھا۔ طلحہ نے اسے گھورا۔

"اور اگر تو نہ ہوتا تو امی کے بعد میں بھی دھکے کھا رہا ہوتا ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں"۔

"ہاں طلحہ! یہ تو ہے یار ایک دوسرے کے بغیر ہمارا ایک پل کا بھی گزارہ نہیں ہے"۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے جب کاشف آیا۔

"ڈسٹرب تو نہیں کیا میں نے ــــ؟"

"ارے نہیں یار! آؤ ناں بیٹھو"۔

"تھینک یو"۔ وہ ان کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"دراصل مجھے امی نے بھیجا ہے' وہ چاہتے ہیں کہ آج شام تم دونوں کھانا ہمارے ساتھ گھر کھاؤ"۔

"کم آن کاشف! دو دن سے تم لوگوں کو ہم زحمت دے رہے ہیں' یہ کافی نہیں ہے پلیز یار ــــ اب مزید کیوں"۔

"زحمت کی کیا بات ہے یار! پڑوسیوں کے حقوق کتنے ہیں یہ تو تم بھی جانتے ہو آئندہ ایسی باتیں مت کرنا' ہمیں علم ہے کہ تم خود اچھے خاصے سگھڑ ہو مگر ایک دو دن ریسٹ کرو' تمہارا بازو ٹھیک ہو جائے پھر بے شک سنبھال لینا اپنا کچن"۔ اس کی بات پر وہ ہنس دیا۔

"تھینک یو یار! تم لوگوں نے ہمارا اتنا خیال کیا ورنہ ہم اس محلے میں بالکل نئے تھے' لیکن اب لگتا ہے کہ ہمیں

www.Paksociety.com

اچھے لوگ مل گئے ہیں''۔ وہ تہہ دل سے مشکور تھا ان کا' شام میں دل تو نہیں کر رہا تھا۔ پہلی بار ان کے گھر جاتے ہوئے جھجک رہے تھے' پر انکل خود دوبارہ بلانے آئے تو انہیں جانا پڑا' وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے' خوبصورتی سے سجا ڈرائنگ روم بہت اچھا پرسکون سا لگا' حالانکہ گرمیوں کا موسم تھا' ان کے جاتے ہی انکل نے کھانا لگوالیا' ان کے ساتھ کھانے کے دوران وہ ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے' طلحہ کے چٹکلے تو ظاہر ہے کم نہیں ہوسکتے تھے' کھانے کے بعد انہوں نے چائے بنوائی۔

''اور حارش! اب بازو کیسا ہے بیٹا.....؟''

''بہت بہتر ہے انکل! تھینک یو ویری مچ آپ لوگوں کی مہربانی سے.....''

''یہ ہماری مہربانی نہیں ہے' ہمارا فرض تھا اور بس اور ہاں' آئندہ بھی کسی بھی طرح کی ضرورت ہو تو فوراً بتا دینا بالکل بھی اکیلا مت سمجھنا خود کو''۔

''جی بہت بہت شکریہ''۔

''اچھا چھوڑو یہ شکریہ..... یہ بتاؤ تم لوگ کس علاقے کے رہنے والے ہو' یہیں اپنے شہر کے.....؟''

''جی انکل! ہم ملتان سے ہی بی لونگ کرتے ہیں' بس پہلے یہاں دوسرے ایریا میں تھے''۔

''اور تمہاری باقی فیملی.....؟'' کاشف کے سوال نے ان دونوں کے چہروں کی مسکراہٹ غائب کر دی تھی' یہ بات خود انہوں نے بھی محسوس کی۔

''ہم دونوں کا ایک دوسرے کے علاوہ کوئی نہیں ہے' ایک پھپھو یعنی طلحہ کی مما تھیں' سال بھر پہلے ان کی بھی ڈیتھ ہوگئی ہے' اس لئے ہم پرانا گھر رینٹ پر چھوڑ کر یہاں شفٹ ہوگئے' پھپھو کے بعد اس گھر میں ہمارا دل نہیں لگتا تھا''۔ حارش کی بات سن کر لمحے بھر کو وہ بھی چپ رہ گئے۔

''آئی ایم سوری بیٹا!'' انکل نے افسوس کا اظہار کیا۔

''لیکن بیٹا! خود کو کبھی اکیلا مت سمجھنا' کوئی بھی کام ہو دکھ تکلیف ہر چیز میں ہم تمہارے ساتھ ہیں''۔

''تھینک یو انکل''۔ اس بار طلحہ بولا تھا' کافی دیر وہ لوگ بیٹھے رہے پھر اجازت لے کر آ گئے۔

☆

''بچے اس دنیا میں اکیلے ہیں' اللہ کی مصلحت' کتنے پیارے بچے ہیں دونوں' سمجھدار' ذمہ دار.....'' دادی کو تو ان سے بہت ہی لگاؤ ہوگیا تھا' جس دن سے یہ پتہ چلا کہ وہ دونوں بالکل اکیلے ہیں ان سے اور زیادہ ہمدردی ہوگئی تھی۔

''ذمہ دار.....'' حرمین کو ہنسی آ گئی چلو حارش کے بارے میں تو بندہ کہہ سکتا ہے مگر طلحہ اور ذمہ دار۔

''تو کیوں دانت نکال رہی ہے''۔ دادی نے فوراً ٹوکا۔

''بس یوں ہی دادی! یہ اخبار میں لطیفے پڑھ رہی ہوں''۔

''اچھا سن..... شام تو ہو چلی ہے تو دو کپ چائے بنا کر بھیج دے ان بچوں کے لئے' تھکے ہارے آئے ہوں گے آتے ہی چولہے میں گھسیں گے گرمی میں''۔

''اُف دادی! آپ نے تو انہیں بہت ہی.....'' وہ جھنجھلا گئی مگر اندر آتے کاشف کو دیکھ کر بات مکمل نہیں کی اور چپ ہوگئی۔

''حرمین ڈیئر! چائے تو پلاؤ زبردست سی''۔ کاشف نے وہیں دادی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی بھیا! ابھی لاتی ہوں''۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں بھی یہ ہی کہہ رہی تھی اس سے کہ دو کپ چائے بنا کر دیوار پر رکھ دے حارش اور طلحہ کے لئے''۔

''دادی اماں! وہ ابھی گھر نہیں آئے' صبح طلحہ ملا تھا مجھے بتا رہا تھا کہ ان کے کسی رشتے دار کی ڈیتھ ہوگئی ہے انہیں وہاں جانا ہے' شاید وہیں چلے گئے ہوں گے''۔

''یقیناً وہیں گئے ہوں گے''۔ تب ہی ابو بھی آ گئے اور دادی نے انہیں بھی بتایا۔

''پتہ نہیں مجھے ایسا لگتا ہے کہ حارش اپنے رشتے داروں سے کٹا کٹا ہے' ذکر تک نہیں کرتا کبھی''۔ کاشف بولا' ابو بھی کچھ سوچ رہے تھے۔

''اماں! مجھے حارش کو دیکھ کر جانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ میں نے پہلے بھی اسے دیکھا ہے کچھ جانی پہچانی سی شکل اپنا پن سا محسوس ہوتا ہے اسے دیکھ کر' مگر اس سے پوچھنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی کہ معلوم کروں وہ کون ہے' اس کے والد اس کا خاندان.....؟ ایک عجیب سا کھنچاؤ ہے جو مجھے اس کی طرف کھینچتا ہے''۔ ان کے لہجے میں حارش کے لئے اپنا پن صاف چھلک رہا تھا' حرمین تو دادی کو ہی کہہ رہی تھی اب تو ابو بھی ان کے شیدائی نظر آ رہے تھے' وہ سب کو چائے دینے لگی۔

''ڈیتھ کس کی ہوئی ہے.....؟'' ابو کاشف سے مخاطب تھے۔

''معلوم نہیں..... حارش تو اس معاملے میں بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا' طلحہ نے مجھے بتایا ہے' آئی تھنک وہ حارش کو فوریں کر رہا تھا جانے پر کیونکہ وہ جانا نہیں چاہتا تھا''۔ کاشف کی بات انہیں الجھا گئی' اس کے لہجے میں رشتے داروں کے لئے تلخی تو وہ محسوس کرتے تھے کیونکہ وہ صاف الفاظ میں کہتا تھا کہ اس کا دنیا میں کوئی رشتہ ہے ہی نہیں' جو کچھ بھی ہے صرف طلحہ ہے اور بس۔

☆

''حارش یار پلیز! اب تو غصہ تھوک دے' دیکھ اگر تو وہاں چلا گیا تھا تو کیا عذاب آ گیا''؟

''میں گیا نہیں تھا تم زبردستی لے کر گئے تھے مجھے''۔ وہ بھڑک اٹھا' اس نے تو قسم کھائی تھی اب دوبارہ زندگی میں اعظم علی کے گھر نہیں جائے گا' مگر اعظم علی کی ڈیتھ کی خبر آئی تو طلحہ زبردستی اسے لے گیا تھا۔

''مجھے پتہ ہے کہ میں تجھے لے گیا تھا' اگر کوئی غیر بھی ہوتے تو تم ضرور جاتے' تو کیا فرق پڑا کہ تم چلے گئے''۔

''طلحہ! میرا ہر زخم تازہ ہو جاتا ہے وہاں جا کر''۔ اس کے لہجے میں درد تھا' طلحہ سمجھتا تھا۔

''آئی نو..... لیکن تجھے پتہ ہے حارش! آنٹی شگفتہ کی آنکھیں تجھے کس بے تابی سے ڈھونڈ رہی تھیں' کاش تو ایک بار اندر جا کر ان سے مل لیتا' انہوں نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں کہہ بھی نہ سکا کہ تم آئے ہو''۔

''اچھا کیا' وہ میرے اندر کے دکھوں کی ذمہ دار ہیں' میں ان سے ملنا نہیں چاہتا''۔ شاید اس کے بچپن کے حالات تھے ہی ایسے کہ وہ اپنی ماں سے بھی بدگمان تھا' کاش شگفتہ اپنی تمام تر مصروفیت میں سے اس کے لئے بھی کچھ توجہ پیار نکال پاتیں' ان کی بے توجہی نے آج ان کے بیٹے کو بہت دور کر دیا تھا ان سے۔

''تمہارے نانا اور ماموں بھی تمہیں دیکھ رہے تھے''۔

''طلحہ! کیا مسئلہ ہے تیرے ساتھ.....؟ آج تو کیوں میرے زخم ہرے کر رہا ہے' جب ایک بار میں کہہ چکا ہوں کہ میرا کوئی ہے ہی نہیں تو کیوں ایک ایک رشتے میرے سامنے لے کر گن رہا ہے''۔ اس کی برداشت کی حد ختم ہو چکی تھی۔

''رشتے کبھی ختم نہیں ہوتے حارش! صرف تمہارے کہنے سے کہ تمہارا کوئی نہیں ہے سارے رشتے مر نہیں جائیں گے' تلخیاں زندگی کا حصہ ہیں بیٹا! مگر ان سے تاعمر منہ نہیں موڑ سکتے تم' ہاں کچھ وقت ایسا آتا ہے کہ ہم سب سے کٹ جاتے

www.Paksociety.com

ہیں' لیکن خون کے رشتے یوں نہیں ٹوٹتے"۔ انکل جانے کب آ گئے تھے اس کے اندر کی تلخی محسوس کئے بنا نہیں رہ سکے۔

"انکل! اپنے نصیب میں خون کے رشتے تھے ہی کہاں سارے رشتے ملے وہ بھی سوتیلے اور ظاہر ہے سوتیلے رشتوں کا زہر تو رگوں میں اترنا ہی تھا ناں' سو مجھے رشتوں ناتوں نے صرف زہر دیا ہے' بدگمانی اور نفرت سکھائی ہے' پھر آپ بتائیں میرے اندر سے اور کیا نکلے گا سوائے اس کے کہ میرا کوئی ہے ہی نہیں"۔ اس کا لہجہ بھیگ گیا۔

"سوتیلے رشتے"۔ وہ کچھ اچنبھے سے بولے۔

"انکل! حارش کی پیدائش کے چھ ماہ بعد ہی اس کے پپا کی ڈیتھ ہوگئی تھی اور آنٹی کو ان کے سسرال نے منحوس اور بدنصیب جیسے طعنے دے کر گھر سے نکال دیا' آنٹی چھ ماہ کے بچے کو لئے اپنے ماں باپ کے گھر آ گئیں' دو سال گزر گئے' جیسے جیسے حارش نے ہوش سنبھالا' اسے ماموں ممانیوں کی آنکھوں میں صرف نفرت ملی' وہ چاہتے تھے کہ یہ بچہ مر جائے یا کہیں دفع ہو جائے' انہی حالات میں شگفتہ آنٹی کا ایک رشتہ آیا' اعظم علی کا' جن کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں تھی' سو وہ دوسری شادی کے خواہشمند تھے۔ حارش کے نانا نانی نے رضامندی دے دی' اس طرح آنٹی حارش کو ساتھ لئے وہاں سے اعظم علی کے گھر آ گئیں' انہیں لگا شاید ان کے معصوم بیٹے کو یہاں قدر مل جائے' یہ گھرانہ بچوں کو ترسا ہوا تھا مگر ایسا نہ ہوا' ان کے معصوم کی یہاں بھی تذلیل تھی' اعظم علی کی جب تک اپنی اولاد نہ ہوئی تب تک وہ حارش کو پیار کرتے تھے مگر پہلے بیٹے کی پیدائش کے بعد حارش ان کے لیا اپنی ماں تک کے پیار کو ترس گیا اور جیسے جیسے وقت گزرتا رہا' حارش کے اندر رشتوں ناتوں سے نفرت پیدا ہوتی گئی' حتیٰ کہ آج یہ اپنی سگی ماں سے بھی بدظن ہے"۔ طلحہ کی زبانی ساری بات سن کر ان کا دل بھر سا آیا تھا' انہوں نے حارش کو کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔

"آئی ایم سوری بیٹا! شاید تم بھی اپنی جگہ سچ ہو مگر ایک بات بتاؤ — تم نے کبھی اپنی مما سے اپنے سگے رشتوں کے بارے میں جاننے کی سعی نہیں کی؟ تمہارے پپا کے بہن بھائی' ماں باپ —"

"کس لئے جاننا انکل —؟ چھ ماہ کے بچے کو انہوں نے گھر سے نکالا تب انہیں خیال تک نہ آیا کہ وہ ان کے مرحوم بیٹے کی نشانی ہے' تو میں کیوں اپنے آپ کو مزید اذیت دیتا' انہیں تلاش کر کے اگر میں ان کے پاس چلا بھی جاتا اور وہ بھی میرے ساتھ وہی سلوک کرتے جو میرے سوتیلے رشتوں نے کیا پھر کیا بھرم رہ جاتا میرا —؟ اب تو دل کو پھر بھی یہ آسرا ہے کہ رشتے سوتیلے تھے' کم از کم خود کو تسلی تو دیتا ہوں کہ سوتیلے رشتے اپنے نہیں بن سکتے' آپ بتائیں انکل! اگر ایسا ہوتا تو پھر میں خود سے کیا کہتا —؟ میرا تو ہر رشتے سے اعتبار بالکل ہی اٹھ جاتا —"۔ کتنا تلخ سچ تھا جو وہ کہہ رہا تھا' اس کی بات کی گہرائی جان کر وہ چپ سے ہو گئے۔

"کیا نام تھا تمہارے پپا کا —؟"

"سلطان عالم —" اس کی زبان سے نکلا نام ان کی سماعتوں پر بم کی طرح گرا تھا' وہ بے یقینی سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"کیا نام بتایا تم نے —؟" شاید انہیں سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

"سلطان عالم"۔ حارش نے انکل کو غور سے دیکھا' ان کے چہرے کا اڑتا رنگ دیکھ کر ٹھٹکا۔

"خیریت انکل —؟"

"تم سلطان کے بیٹے ہو —؟" ان کو اب بھی بے یقینی سی تھی' حارش' سلطان کا بیٹا تھا' ان کے چھوٹے بھائی کا بیٹا' ان کا اپنا خون تھا وہ — تب ہی اس کو دیکھ کر ان کو اپنے پن کا احساس ہوتا تھا' ہاں اس کے چہرے میں سلطان کی شبیہ جھلکتی تھی' وہ جو اس کی صورت میں ہمیشہ کسی کا چہرہ ڈھونڈتے تھے آج خود ہی جواب پا گئے' ان کی حالت طلحہ اور حارش دونوں ہی حیرت

سے دیکھ رہے تھے' چہرہ پر پھیلی بے یقینی اور آنکھوں میں بھر آیا پانی' لہجہ بھیگا بھیگا سا تھا۔

"کیا بات ہے انکل —؟" طلحہ نے ان سے پوچھا مگر وہ کوئی بھی جواب دیئے بنا تیزی سے چلے گئے اور انہیں پریشان چھوڑ گئے۔

☆

یعنی سلطان نے سوتیلے پن کے جتنے دکھ جھیلے اس سے کہیں زیادہ اس کا بیٹا جھیل رہا ہے۔ کاش ان کے ابا دوسرا نکاح کرنے سے پہلے سوچ لیتے تو آج حارش کا یہ حال نہ ہوتا اور نہ ہی ان کا بھائی جوانی میں اللہ کو پیارا ہوتا۔ وہ جب سے حارش کے پاس سے آئے تھے اپنے کمرے میں بند تھے اور اگلی صبح ہی باہر آئے تھے' ناشتے پر سب ان کا اترا چہرہ' سوجی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔

"کیا بات ہے فرمان! تیری طبیعت ٹھیک ہے بچے —؟ کل شام سے تو کمرے میں بند ہے اور اب آیا ہے چہرہ اترا ہوا ہے تو رویا ہے کیا —؟" اماں سے ان کی خاموشی برداشت نہیں ہوئی باقی سب تو ہمت باندھ رہے تھے کچھ پوچھنے کی۔ انہوں نے کپ نیچے رکھا اور اماں کو دیکھنے لگے۔

"اماں! بعض اوقات ہمارے بڑوں کی' کی گئی چھوٹی سی غلطی ہماری نسل در نسل خمیازہ بھگتتی ہے"۔ ان کی بات کسی کی بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے —؟ آخر کیا وجہ ہے جس نے آپ کو اتنا اپ سیٹ کر رکھا ہے"۔ شاید شریک حیات ہونے کے ناطے وہ ان کو اتنا دکھی دیکھ کر برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔

"عالیہ بیگم! ہمارے بھائی نے جو کیا اس کی سزا ہم آج تک سہہ رہے ہیں' سلطان دنیا سے چلا گیا اور....." ان کا لہجہ بھر آیا' ان کی بات پر سب ہی دکھی تو ہوئے تھے مگر آج اتنے سالوں بعد یہ قصہ؟ بابا کا یوں یکدم اپ سیٹ ہونا..... ان کی آنکھیں گواہ تھیں ان کے رونے کی' لیکن کیوں؟ اب یہ باتیں یاد کر کے رونے کا کیا فائدہ تھا —؟

"بابا جانی! ہم سمجھتے ہیں سب مگر اتنے سال بیت گئے اس بات کو' اب کیا حاصل یہ سب یاد کر کے خود کو ذہنی تکلیف دینے کا؟ چاچو کا دکھ دل میں ہے مگر آپ کیوں اب یہ باتیں از سر نو سوچ سوچ کر خود کو دکھی کر رہے ہیں.....؟"

"اس لئے بیٹا! جو دکھ سلطان نے جھیلے ہیں اب وہ دکھ اس کا بیٹا جھیل رہا ہے اور تمہیں پتہ ہے کہ اس بچے کا رشتوں پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے' وہ خود کو تنہا بتاتا ہے حالانکہ اس کے پاس تمام رشتے ہیں لیکن چند سوتیلے رشتوں نے اس کو اتنی اذیتیں دیں کہ اس کا کائنات کے ہر رشتے سے بھرم اٹھ گیا' اور جانتے ہو کہ وہ کون ہے' جو سلطان کا بیٹا ہے.....؟ جس کے بارے میں آپ کو بتا رہا ہوں — وہ حارش ہے — حارش عالم — جو ہمارا اپنا خون تھا اور ہم بے خبر تھے' جو دکھوں کے سمندر میں اکیلا ہاتھ پیر مار تا رہا اور ہمیں خبر بھی نہیں ہوئی۔ مجھے کل پتا چلا کہ کیوں اسے دیکھ کر میرا دل مچلتا ہے' ظاہر ہے وہ خون ہے ہمارا' میرے بھائی کی نشانی"۔ یہ سب بتاتے ہوئے جہاں ان کا لہجہ بھر آیا تھا آنکھوں سے آنسو بھی ٹپک پڑے اور دادی یہ سب سن کر بری طرح رو دیں۔

"میرے سلطان کا بیٹا یہاں میرے پاس رہتا رہا اور میں بے خبر رہی"۔

"حارش' سلطان چاچو کا بیٹا ہے"۔ یہ بات ان کے لئے بھی حیرت انگیز تھی۔

"جی بیٹا —" بابا نے انہیں حارش کے بارے میں ایک ایک بات بتائی تو سب ہی اشک بار ہو گئے۔

"اس لئے اس کے اندر اتنی تلخی ہے"۔ کاشف بولا۔

"ہوں — اگر طلحہ اور اس کی مدد حارش کو نہ سنبھالتے تو جانے آج حارش کہاں ہوتا"۔

www.Paksociety.com

''تو مجھے لے چل حارش کے پاس''۔ دادی آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''اماں! میں نے ابھی حارش سے کوئی بات کی ہی نہیں' سچ تو یہ ہے کہ جب میں نے اس کے اندر رشتے ناتوں کی طرف سے اتنی تلخی اور بدگمانی دیکھی تو میری ہمت ہی نہیں ہوئی کہ اس سے کوئی بات کہہ سکوں۔ وہ بھی تو اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے' اگر وہ میرے بتانے پر مجھ سے یہ سوال کرلیتا کہ آج تک ہم نے اس کی خبر کیوں نہیں لی تو ہم کیا جواب دیتے اسے؟''

''پر بابا! ہمیں تو علم نہیں تھا کہ سلطان چاچو کا بیٹا بھی تھا اور اس میں ہمارا کیا قصور تھا''۔

''آپ صحیح کہہ رہے ہو بچے مگر جن حالات سے اس وقت حارش گزر رہا ہے وہ کبھی بھی ہمیں قبول نہیں کرے گا' اس وقت تو وہ اپنی سگی ماں تک سے بھی بدگمان ہے پھر بھلا.....''

''بابا! آپ کو نہیں لگتا کہ اس سارے قصے میں واقعی چچی جان قصوروار ہیں' ان کی بے توجہی نے حارش کو بدگمان کیا' اگر وہ مضبوطی سے حارش کو تھامے رہتیں تو اس گھر میں اس کی اتنی تزلیل نہ ہوتی اور اگر وہ واقعی اس معاملے میں مجبور تھیں تو حارش کو اس کے اپنوں کے بارے میں سچائی بیان کرتیں تاکہ حارش کے دل میں ہمارے لئے کم از کم بدگمانی نہ ہوتی' آج اگر ہم اس کے پاس جاتے تو ہمیں یہ ڈر نہ ہوتا کہ وہ ہمیں اپنائے گا یا نہیں' حارش ٹھیک کہتا ہے سارا قصور شگفتہ چچی کا ہے''۔ حرمین کی فل فیور حارش کے ساتھ تھی۔

''بیٹا! ہوسکتا ہے حالات ایسے نہ ہوں کہ شگفتہ حارش کو سب بتاسکتی''۔

''بابا! ایسی صورت میں وہ آپ سے رابطہ کرسکتی تھیں احسان چاچو سے رابطہ کرسکتی تھیں' وہ حارش کو اسی وقت ہمارے حوالے کردیتیں تو آج اس کا اعتبار نہ ٹوٹتا''۔ کاشف نے بھی حرمین کا ساتھ دیا۔

''بھلا ماں کب چاہے گی کہ اس کے کلیجے کا ٹکڑا اس کی نظروں سے دور رہے۔ شگفتہ کب اسے خود سے الگ کرنا چاہتی ہوگی''۔

''اور دادی! اب بھی تو وہ الگ رہ رہی ہیں ناں اب تو ان کا بیٹا ان کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا' اگر وہ اس وقت کوئی اچھا فیصلہ کرلیتیں تو آج کم از کم حارش کے دل میں ان کے لئے یہ بدگمانی نہ ہوتی''۔ حرمین نے کہا تو وہ خاموش سی ہوگئیں۔ وہ بھی تو کتنے عرصے اپنے بچوں سے دور رہی ترستی رہیں اپنی اولاد کی شکل کو بھی مگر آج وہ اپنے بچوں کے ساتھ ہیں اور ان کے بچوں کے دلوں میں ان کے لئے پیار ہی پیار ہے' شاید یہ اس صبر کا پھل ہے کہ وہ اتنے سالوں ان کے لئے ترستی رہیں' روتی رہیں لیکن انہوں نے شوہر کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا' بس خاموشی سے وقت گزارتی رہیں' آخر اللہ نے ان کی سنی اور ان کے بچے ان کے پاس لوٹ آئے' سوائے سلطان کے' اس کے دنیا کے جانے کی خبر ان تک پہنچی تھی' ان کا سب سے لاڈلا اور چھوٹا بیٹا جو صرف پانچ سال کا تھا جب اس کے ابا لے گئے تھے' اس دن کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کو نہیں دیکھا اور دیکھا تو سفید کفن میں لپٹا چہرہ' اور اس کی بلکتی تڑپتی بیوہ..... یہ تو انہیں آج علم ہوا کہ سلطان کا بیٹا بھی تھا' سوئم سے اگلے دن جب فرمان اور احسان اپنے بھائی کی بیوہ کو لینے گئے تو پتہ چلا کہ اس کے ماں باپ اسے اپنے گھر لے گئے ہیں اور اب انہیں حقیقت پتہ چلی تھی کہ اس ظالم عورت نے جس نے ان سے ان کے بچے چھین لئے تھے اس نے شگفتہ کو گھر سے نکال دیا تھا' اگر انہیں علم ہوتا کہ ان کا پوتا بھی ہے تو کہیں نہ کہیں سے اسے ضرور ڈھونڈ نکالتے۔ آج یہ انکشاف سن کر وہ برداشت نہیں کرپا رہی تھیں کہ فوراً جا کر حارش کو گلے لگا لیتیں۔

''فرمان! میں خود حارش سے بات کرلوں گی تو مجھے اس کے پاس لے چل''۔

''اماں پلیز! آپ حوصلہ رکھیں' کچھ وقت دیں مجھے' انشاء اللہ کوئی نہ کوئی حل تو نکلے گا' میں آج احسان سے مل کر بات کرتا ہوں کوئی تو راستہ ہوگا ناں آخر''۔

''جی بابا! چاچو احسان سے بات کرنا بھی ضروری ہے' آپ ٹھیک سوچ رہے ہیں' حارش کے لئے یہ سب کچھ قبول کرنا بہت مشکل ہوگا''۔ کاشف بولا تو وہ بھی سر ہلانے لگے۔

☆

بڑی حیرت کی بات تھی ناں کہ آج جب وہ گھر لوٹا تو شام کا کھانا کچن میں بالکل تیار تھا' طلحہ اتنا اچھا بھی ہوسکتا ہے' اسے یقین نہیں تھا' وہ بڑے موڈ میں نہا کے فریش ہوکر صحن میں رکھی چیئر پر بیٹھ گیا' شاید طلحہ کہیں باہر گیا تھا' وہ انتظار کررہا تھا' جب ایک نسوانی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''حارش بھائی''۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' پھر گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو دیوار پر موجود لڑکی نظر آئی ساتھ ہی ٹرے جس میں یقیناً چائے کا کپ تھا۔

''حارش بھائی! یہ چائے لے لیں''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے یہ قطعی پسند نہیں تھا لیکن وہ انکل اور کاشف کے خلوص کے آگے بے بس ہوجاتا تھا۔

''دیکھیں پلیز..... آپ پریشان مت ہوا کریں میں خود بنالیتا''۔

''کوئی بات نہیں حارش بھائی! چائے بنانے سے ہمیں کیا پریشانی ہوگی''۔ وہ مسکرا کر بولی۔

''اور ہاں آج کھانا کھانے کے بعد بتائیے گا ضرور کہ کھانا کیسا بنا تھا؟'' اس کی بات پر اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا یعنی کھانا طلحہ نے نہیں بنایا تھا۔

''آپ نے کھانا بنایا.....؟ وہ طلحہ.....''

''وہ طلحہ بھیا کاشف بھائی کے ساتھ کسی کام سے گئے ہیں' کاشف بھائی نے مجھے کہا تھا کھانا بنانے کا' اس لئے میں نے بنادیا' آپ کو برا لگا' تو سوری''۔ اگر پہلے کی طرح وہ صرف پڑوسی ہوتے تو عمر بھر بھی وہ حارش سے اتنی بات نہیں کرتی لیکن اب وہ جانتی تھی کہ وہ غیر نہیں اس کا سگا چچازاد بھائی ہے' جانے کیوں اس کا من چاہا حارش کی ہیلپ کرنے کا سو اس نے کھانا بنادیا' اور آتے ہی چائے بنالائی''۔

''برا تو نہیں لگا لیکن پلیز..... ہمارے لئے فکر مت کیا کریں''۔ اس نے چائے کا کپ تھامتے ہوئے صرف ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی پھر رخ موڑ گیا۔

''اینی وے تھینک یو ویری مچ..... چائے اور کھانا دونوں کے لئے''۔ بہت تکلف تھا اس کے لہجے میں' حرمین نے اسے دیکھا' بظاہر وہ اس کے سامنے تھا مگر رخ اس نے دوسری طرف کیا ہوا تھا' شاید اس لئے کہ حرمین پر نظر نہ پڑے۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ فوراً کہہ دیا کریں''۔

''بڑی مہربانی''۔ وہ چاہتا تھا کہ اب حرمین چلی جائے شاید وہ بھی یہ سمجھ گئی تھی تب ہی فوراً دیوار سے پیچھے ہوگئی اور حارش نے سکھ کا سانس لیا۔ اسے اعتراض حرمین پر نہیں تھا مگر وہ نہیں چاہتا تھا محلے پڑوس کے کسی دوسرے گھر سے کوئی بھی شکایت یا بات سننے کو ملے' حالانکہ ایسا پہلی بار ہوا تھا' فرمان انکل کے گھر سے کوئی خاتون اس سے مخاطب ہوئی ہو' وہ بھی یہ لڑکی' کتنے ماہ بیت گئے تھے' اس نے آج پہلی بار اس دوشیزہ کو دیکھا تھا' ورنہ کوئی کام ہوتا کاشف یا فرمان انکل خود ہی آتے تھے۔

''دو دن سے انکل نظر نہیں آئے تھے' اس دن وہ پپا کا نام سن کر کچھ اپ سیٹ سے بھی ہوئے تھے' آخر کیوں.....؟''

اس کا ذہن پھر الجھنے لگا تو اس نے سر جھٹکا اور اپنی چائے انجوائے کرنے لگا جو بہت مزیدار تھی۔

''چائے اتنی زبردست ہے تو یقیناً کھانا بھی ٹیسٹی ہوگا''۔ اس نے دل میں سوچا اور طلحہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا' تاکہ پتہ

www.Paksociety.com

چلئے وہ کہاں ہے۔

☆

کتنا عجیب سا ماحول تھا اس وقت اس کے گھر کا' اتنے سارے لوگ تھے مگر سناٹا تھا عجیب سی خاموشی تھی' ہر نظر اس پر تھی' ہر نظر میں پیار تھا اپنا پن تھا' مگر کوئی اس سے پوچھتا اس کی کیا حالت تھی اس کے اندر کتنی توڑ پھوڑ تھی۔

''ہم نے آپ کو ایک ایک بات بتا دی ہے' آپ ذی شعور ہیں' سمجھ دار ہیں' خود فیصلہ کریں کہ ہمارا کیا قصور ہے......؟ ہم قطعی لاعلم تھے اس بات سے کہ سلطان کی کوئی اولاد بھی ہے ورنہ ہم نے جتنے دکھ جھیلے تھے بچے' ہم آپ کا بچپن کبھی ان دکھوں میں نہ گزرنے دیتے' اب ہمیں پتہ چلا ہے تو ہم آپ کو اپنانے آئے ہیں لینے آئے ہیں' آج سے آپ اکیلے نہیں ہیں' آپ کے پاس ہر رشتہ ہے' سچا اور خون کا' انشاء اللہ آپ کو ہر رشتے سے پیار ہی ملے گا''۔

''لیکن اب کیا فائدہ......اب مجھے ضرورت ہی نہیں رہی' میں نے تنہا جینا سیکھ لیا ہے' آپ خود بھی یہ بات جانتے ہوں گے کہ رشتے توجہ' محبت' احساس' ان سب کی بچپن میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور جب میں نے وہ عمر گزار لی تو اب تو میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں' اب مجھے کسی کی ضرورت......'' وہ یقیناً بہت تلخ ہو رہا تھا' طلحہ نے اس کے ہاتھ پر دباؤ دیا تو وہ نہ چاہتے ہوئے سر جھکا گیا اور خاموش ہو گیا۔

''اب تو مجھے سزا دے گا' پانچ سال کا تھا میرا سلطان جب تیرے دادا نے میری گود سے اٹھا کر اسے سوتیلی ماں کی گود میں ڈال دیا تھا اور میں عمر بھر ترستی رہی اپنے بچے کو دیکھنے کو' اور جب وہ سامنے آیا تو کیسے کفن میں لپٹا' خاموش......میرا کلیجہ پھٹ گیا تھا اور اب جب مجھے تیری صورت میں اپنا سلطان مل گیا ہے تو اب تو میری سزا بڑھا دے میں یوں ہی ترستی تڑپتی قبر میں چلی جاؤں گی''۔ دادی بری طرح رو دیں' اس کے دل کو کچھ ہوا ضرور تھا' مگر جانے کیوں......؟ اس کے اندر عجیب سی سرد مہری تھی' تمام حالات جاننے کے بعد بھی......وہ جان گیا تھا کہ اس کے چچا' تایا سب بے قصور ہیں مگر شاید حالات نے اس کا اعتبار کہیں کھو دیا تھا' وہ چاہ کر بھی کسی رشتے پر اعتبار نہیں کر پا رہا تھا' بہت سمجھانا چاہتا تھا وہ خود کو' لیکن اس کے اندر کی توڑ پھوڑ اس وقت بہت زیادہ تھی کہ اسے اپنے اندر کے شور کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن دادی کو اس طرح روتا دیکھ کر وہ کچھ نرم پڑ گیا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا' مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں نے جو کہا وہ سچ ہے مگر......میں......'' جانے کیوں اس کی آواز اس کے اندر ہی کہیں گھٹ گئی' فرمان عالم نے اٹھ کر اسے خود سے بھینچ لیا۔

''کچھ مت بتاؤ بیٹا! ہمیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ تم پر اس وقت کیا بیت رہی ہو گی۔ بیٹا ہماری بانہیں تمہارے لئے کھلی ہیں' تم جب چاہو آ کر سما جانا' پر بیٹا تمہیں وقت چاہئے اپنے آپ کو سمجھانے کے لئے' منانے کے لئے' وہ تمہارا حق ہے' تم جتنا ٹائم لینا چاہتے ہو لے لو بس اپنی دادی کے لئے دل میں تھوڑی گنجائش بنا لو''۔ ان کی بات پر وہ سر جھکا گیا' شاید ان کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا' تب ہی اس نے سر ہلایا' پھر احسان عالم نے اسے سینے سے لگا کر بہت پیار کیا حتیٰ کہ وہ رو پڑے۔

''ہمیں معاف کر دینا بیٹا! انجانے میں سہی ہم بھی تمہارے قصوروار ہیں' کاش ہمیں علم ہو جاتا تو شاید آج ہمارے بیچ یہ فاصلے نہ ہوتے''۔ وہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ کیا کہے بس خاموشی ہی خاموشی تھی' احسان عالم سے مل کر وہ دادی کے قدموں میں آ بیٹھا۔

''آئی ایم سوری دادی میں آپ سے آپ کا بیٹا کبھی نہیں چھینوں گا''۔ اس نے کہا تو دادی نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر چوم لیا۔

www.Paksociety.com

''جیتا رہ میرا بچہ''۔ کتنا سکون سا ملا تھا ان کی گود میں' دل بھر آیا تھا مگر اس نے خود کو مضبوط کیا ہوا تھا' کتنا وقت وہ اس کے پاس بیٹھے اسے مناتے رہے۔

''حارث! تم بے شک ہمیں اپنا نہ سمجھو مگر تم ہماری اولاد ہو' اور بڑے ہونے کے ناتے ہم تمہیں کہہ رہے ہیں ہمارے گھر کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں تم ہمارے ساتھ رہو ہمارے پاس''۔

''تھینک یو انکل مگر......''

''آج کے بعد مجھے بابا کہا کرو کاشف کی طرح''۔ انہوں نے درمیان میں ٹوک دیا۔

''دراصل فاصلہ ہی کتنا ہے مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو میں ضرور آؤں گا آپ لوگ پلیز مجھے وہاں جانے پر مجبور مت کریں' دادی پلیز......صرف ایک دیوار کا تو فاصلہ ہے جب آپ بلائیں گی میں آ جاؤں گا' لیکن......'' وہ جانتے تھے اتنی جلدی سب کچھ ٹھیک نہیں ہو گا تو انہوں نے بھی زبردستی نہیں کی۔

''جیسے تو خوش......بس بیٹا! تیرے دل میں اگر ہمارے لئے کوئی گلہ شکوہ ہے تو بتا دے''۔

''نہیں دادی! ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا' سب مطمئن تھے' اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ حارث کے دل میں کوئی شکوہ نہیں رہا' تب اٹھ کر گئے تھے' ان کے جانے کے بعد اس کے اندر پھر سناٹے اترنے لگے' طلحہ اس کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

''حارث! تو خوش ہے ناں؟'' اس نے کریدا۔

''پتہ نہیں طلحہ......'' وہ بولا اور طلحہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ کتنی دیر خاموشی رہی تھی دونوں کے درمیان' طلحہ کو محسوس ہوا کہ وہ رو رہا تھا۔

''حارث''۔ اس نے پکارہ مگر جواب ندارد تھا' پھر دوبارہ اس نے بھی نہیں چھیڑا اور خاموشی سے اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ حارث بہت مضبوط اعصاب رکھتا تھا' یہ وہ جانتا تھا' بہت چھوٹا تھا تب سے اس نے دیکھا تھا حارث کو روتے ہوئے' اس کے بعد حالات کیسے بھی گزرے وہ کبھی کمزور نہیں پڑا تھا لیکن آج......

شاید اسی طرح اس کے اندر کا غبار ڈھل جائے اس کے دل پر جما بدگمانی کا غبار اتر جائے اور وہ اعتبار جو کہیں کھو گیا تھا بدگمانی کے صاف ہونے کے بعد شاید دوبارہ لوٹ آئے وہ صرف حارث کے لئے دعا کر سکتا تھا۔

☆

وہ صبح اٹھا تو ناشتہ تیار ملا تھا' اب تو وہ حرمین کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا مگر اسے اب بھی یہ اچھا نہیں لگتا تھا کیونکہ شروع سے ہی اسے اپنے کام خود کرنے کی عادت تھی' آفس جانے سے پہلے دادی کا پیغام آ گیا کہ ان سے مل کر جایا کرو' اب صبح صبح کسی کے گھر جانا' لیکن وہ کسی کا نہیں اس کے سگے تایا کا گھر تھا' خیر وہ تیار ہو کر طلحہ کے پاس آیا' جو سستی کا مارا اب تک نہانے بھی نہیں گیا تھا۔

''طلحہ! میں ذرا ادھر جا رہا ہوں دادی نے بلوایا ہے''۔ حیرت کی بات تھی اس نے کسی سے گلے شکوے نہیں کئے تھے مگر اتنے سارے رشتے ملنے پر بھی اس کے اندر کی خوشی مفقود تھی ہاں وہ خاموش تھا اور ہر بات مان رہا تھا شاید یہ خون کی ہی کشش تھی۔

''طلحہ! تو نے آفس نہیں جانا' اب فٹافٹ اٹھ کھڑا ہو ورنہ پھر آتے رہنا رکشے سے''۔ یہ دھمکی کافی تھی کیونکہ طلحہ رکشے وغیرہ سے جانے سے بہت چڑتا تھا' اور اس کی موٹر سائیکل ایک بار پھر ڈاکٹر کے پاس زیر علاج تھی' وہ فوراً اٹھ کر واش روم میں گھس گیا اور حارث مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ [illegible] کھڑا تھا کاشف نے دروازہ کھولا تو سامنے اسے دیکھ کر

www.Paksociety.com

مسکرادیا۔شیک ہینڈ کیا۔
''تم دروازے پر کیوں کھڑے ہو اندر آجاتے''۔ بہت اپنائیت سے وہ بولا تو جواباً وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا اور اس کے ساتھ اندر آگیا' جہاں سب ناشتہ کررہے تھے۔
''السلام وعلیکم''۔اس نے قدرے زور سے سلام کیا دادی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوگئی تھیں۔
''وعلیکم السلام جیتے رہو خوش رہو''۔وہ ان کے قریب آگیا۔
''ادھر میرے پاس آجا' نرمین! بھیا کے لئے ناشتہ لے آبچے''۔
''دادی میں ناشتہ کرچکا ہوں''۔وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔
''چائے لے لو''۔
''نہیں آنٹی..... پلیز..... میں ناشتہ کرچکا ہوں''۔اس نے منع کردیا' عالیہ سمجھ سکتی تھیں ابھی کچھ وقت لگے گا اس کو گھلنے ملنے میں' وہ مسکرادیں۔
''جیسے تمہاری مرضی''۔وہ کچھ دیر بیٹھا مگر بالکل خاموش' ان میں سے کوئی بات کرتا تو جواب دے دیتا ورنہ پھر خاموش۔
''دادی میں چلوں.....؟ آفس جانا ہے''۔
''میرے ساتھ نکل جانا''۔کاشف نے آفر کی۔
''نہیں یار! وہ طلحہ کو بھی ڈراپ کرنا ہے' اس کی بائیک خراب ہے''۔اس نے سہولت سے منع کردیا اور سب کو سلام کرتا واپس گھر آگیا جہاں طلحہ مکمل تیار بیٹھا چائے پی رہا تھا۔
''چلیں.....؟''
''ہاں میں تیار ہوں''۔حارش نے خاموشی سے بائیک نکالی' طلحہ دروازہ بند کرتا آگیا۔
''چابی.....؟''
''یار! تم لے آؤ''۔حارش بولا وہ فقط اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا' ابھی دروازے تک پہنچا تھا تبھی تیزی سے حرمین باہر نکلی۔
''خیریت طلحہ بھیا''۔
''حرمین! یہ چابی اور ہاں شام میں زبردست سی بریانی ہوجائے تو..... مزہ آجائے''۔
''ضرور بھیا''۔وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی' چابی اس نے اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال لی' حارش حیرت سے طلحہ کو دیکھ رہا تھا وہ اس کی فرسٹ کزن تھی لیکن حقیقت یہ تھی وہ اس کا نام تک نہیں جانتا تھا اور طلحہ اس کے ساتھ کتنی اپنائیت سے بات کررہا تھا۔
''یہ کیا فرمائشی پروگرام چل رہا تھا.....؟''
''یار! دادی اماں نے سختی سے منع کردیا ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی بھی کوکنگ نہیں کرے گا' ظاہر ہے تم ہرگز بھی روز ان کی طرف کھانا پسند نہیں کرو گے اس لئے اس مسئلے کا حل یہ ہی نکلا کہ شام کا کھانا حرمین آکے بنادیا کرے گی' صبح میں ناشتہ وہ گھر سے بنا کر بھیج دے گی''۔
''لیکن طلحہ! میں اپنی ذات کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہیں دے سکتا' روز وہ بے چاری ہمارے باعث پریشان ہو' جب ایک کام ہم خود کرسکتے ہیں''۔

''یہ بات مجھے مت سمجھاؤ دادی سے کہنا' اب چل دیر ہورہی ہے''۔طلحہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
''پتہ نہیں یہ کب سدھرے گا''۔

☆

کتنا پیار اور اپنا پن تھا اس کے چاروں طرف' لیکن وہ جیسے بالکل ہی بے نیاز بنا ہوا تھا' بقول طلحہ کے حارش عالم اپنے اندر کی انا اور بدگمانی نکال کر دیکھو آنکھیں کھولو تمہارے چاروں طرف رب نے خوشیاں بکھیر دی ہیں مگر اسے تو شاید خوشیوں میں رہنے کی عادت ہی نہیں رہی تھی' لیکن اب اسے شام میں گھر آنا اچھا لگنے لگا تھا' پہلے آتا تو سناٹا استقبال کرتا تھا' مگر اب دادی کی آواز اور حرمین' نرمین کی ہنسی' شور اور ان کے ساتھ طلحہ بھی شامل ہوجاتا تو گھر میں اتنی آوازیں رونق بن جاتیں' اس کے اندر کا انسان یہ ہی گھر تو چاہتا تھا' آواز' شور' اپنا پن' خیال رکھنے والے بڑے' چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر خوش ہونے والے' بہن بھائی' یہ ہنسی مذاق ایک دوسرے کے لئے پیار' ایک دوسرے کی ضرورت کا دھیان' اور اس کے پاس اب سب کچھ تھا' تو اس کے اندر کا وہ انسان مرچکا تھا' وہ ان کو دیکھ کر خوشی محسوس کرتا تھا مگر ان میں گھل مل نہیں سکتا تھا ایک عجیب سا تناؤ اور سرد مہری تھی اس میں' جو سب محسوس کرتے تھے مگر برا نہیں مناتے تھے' اب اسے اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لئے بھی پریشان نہیں ہونا پڑتا تھا' ہر کام ہر چیز تیار ملتی۔
طلحہ کتنا اچھا تھا' وہ ان سب لوگوں میں یوں شامل ہوگیا تھا جیسے شروع سے ان کا حصہ ہو' نرمین' حرمین' کاشف سب کے ساتھ گہری دوستی کرلی تھی اس نے' بس وہ ہی کٹا کٹا رہتا تھا۔
اب بھی وہ گھر لوٹا تو سب صحن میں ہی تھے' دادی لیٹی ہوئی تھیں' حرمین' کاشف' طلحہ اور نرمین بیڈمنٹن کھیل رہے تھے' خوب شور کیا ہوا تھا اور دادی ہنگامے سے تنگ ہونے کے بجائے انجوائے کررہی تھیں' طلحہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا وہ بھی ہلکے سے مسکرا کر اندر آگیا۔فریش ہوکر دوبارہ آیا' وہ سب کھیل بند کرچکے تھے اور اب سب آرام سے بیٹھے باتیں کررہے تھے۔
''بس تھک گئے.....؟'' وہ طلحہ کے پاس آکے بیٹھ گیا۔
''نہیں یار! وہ حرمین کا خیال تھا کہ تم تھکے ہوئے آئے ہو اور ہمارے شور سے ڈسٹرب ہوجاؤ گے اور ویسے بھی ہم تمہارے منتظر تھے کہ تم آؤ تو ہمیں بھی چائے نصیب ہو''۔طلحہ ہنستے ہوئے بولا۔
''میں نے کب کہا کہ تم میرا انتظار کرو''۔
''مجھے پتہ ہے تو آدم بیزار ہے مگر حرمین کا خیال تھا کہ تمہارے آنے کے بعد سب مل کر چائے انجوائے کریں گے''۔اس نے کہا تو حارش اسے گھور کر رہ گیا تبھی حرمین سب کے لئے چائے لے آئی ساتھ اسنیکس وغیرہ بھی تھے۔
''واہ..... اللہ تمہارے جیسی بہن ہر بھائی کو دے''۔طلحہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی' وہ مسکرادی۔
''تھینک یو بھیا''۔حارش نے غیر ارادی نظر اس پر ڈالی تھی' وہ دادی کے برابر میں بیٹھی چائے پی رہی تھی ساتھ ہی طلحہ کی باتوں پر مسکرا رہی تھی' سرخ پرنٹڈ لان کے سوٹ میں چمکتی دمکتی رنگت اور پرکشش نقوش' اس لمحے جانے کیوں وہ حارش کو بے پناہ اچھی لگی تھی کہ اس کو خود علم نہ ہوا وہ کب تک اسے دیکھتا رہا' وہ تو حرمین نے اسے دیکھا تو وہ قدرے شرمندہ ہوکر سر جھکا گیا۔
''دادی! میں گھر جارہی ہوں' کوئی کام ہو تو بلا لیجئے گا''۔وہ کپ سمیٹ کر کچن میں رکھ آئی تھی اور اب دادی کے سامنے کھڑی تھی۔
''برتن میں آکے دھولوں گی کھانا تیار ہے''۔وہ ساری تفصیل بتارہی تھی طلحہ اور کاشف کے ساتھ باتیں کرتا حارش اس

www.Paksociety.com

کی باتوں پر زیادہ دھیان نہیں دے رہا تھا۔

''دادی! صبح میری چھٹی ہے میں صبح کردوں گی' اب میں جاؤں.....؟'' دادی نے اسے کوئی کام کہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ بہت انجوائے کرتی یہاں کام کرتے ہوئے مگر حارش کے آنے کے بعد جانے کیوں وہ بھاگنے کی کرتی' اسے لگتا کہ حارش کو ان کا آنا پسند نہیں ہے' اور یہ بات وہ شدت سے محسوس کرتی تھی' کتنے دن گزرنے کے بعد بھی حارش کا رویہ ان کے ساتھ بہت روکھا اور سرد سا تھا' یہ بات حرمین عالم محسوس کرتی تھی تب ہی اس کی کوشش ہوتی کہ حارش کے آنے سے قبل وہ کام مکمل کرلے حالانکہ طلحہ بھیا کے ساتھ ان کا وقت بہت اچھا گزرتا تھا' وہ بالکل اپنے سگے بھائیوں کی طرح ان میں گھل مل گئے تھے۔

''حرمین بہنا میرا کام کردیا ہے ناں'' وہ جانے لگی تو طلحہ نے پکارلیا۔

''رات میں کردوں گی آپ بے فکر رہیں''۔

''کاشف لگتا ہے حرمین کچھ بھول رہی ہے''۔ طلحہ نے کاشف کو مخاطب کیا' حرمین نے بھی نہ سمجھتے ہوئے کاشف کو دیکھا جو سر ہلا رہا تھا۔

''کیا کاشف بھائی! بتائیں ناں''۔

''رات میں طلحہ سے آئسکریم کھانی ہے کیونکہ یہ کل تم سے شرط ہارا تھا' اور تم خود ہی بھول گئیں''۔ اس نے سر پر ہاتھ مارا۔

''جناب اب یاد آ گیا' میں جلدی جلدی کام ختم کرتی ہوں آپ تیار رہیں' جان نہیں بچے گی آپ کی''۔

''یار کاشف! وہ اچھا خاصا بھول گئی تھی تم نے لازمی میرا خرچہ کرانا تھا''۔ طلحہ نے کاشف کو گھورا۔

''ابھی سے ڈر گئے آپ بھیا ابھی حنا بھابی کو تو آنے دیں گھر میں' پھر دیکھئے گا''۔

''حنا بھابی.....؟'' حارش نے قدرے چونک کر طلحہ کو دیکھا وہ یکدم گڑبڑا گیا۔

''اچھا تم ابھی کام کرو جاکے''۔ اسے پتہ تھا کہ اب اس کی خیر نہیں' کیونکہ حارش اس تمام معاملے سے قطعی انجان تھا۔ وہ طلحہ کو گھورنے میں مصروف تھا جب حرمین اور کاشف باہر نکل گئے۔

''یہ کیا چکر ہے ڈفر اور یہ مجھ سے کیا راز داری؟''

''نہیں یار! بس وہ حرمین اور نرمین نے میرے لئے ایک لڑکی پسند کی ہے مجھے بھی اچھی لگی میں نے سوچا' کیا دل توڑوں ان معصوم لڑکیوں کے سو.....'' اس نے بات بعد میں مکمل کی تھی حارش پہلے اس پر حملہ کر چکا تھا۔

☆

''بھیا چلیں ناں پلیز..... آپ بہت مزہ آئے گا''۔ نرمین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لاڈ سے کہا مگر وہ اٹھا نہیں' البتہ حرمین خاموش کھڑی تھی' طلحہ نے بھی زور دیا۔ اس کا ایک ہی موقف تھا کہ اس کے سر میں درد ہے سب کے کہنے کے باوجود وہ نہیں مانا' سو وہ چپ ہوگئے لیکن جب وہ سب باہر نکل رہے تھے تو ایک لمحے کے لئے وہ رکی تھی۔

''آپ ہمیں اچھا نہیں سمجھتے ناں اس لئے آپ کو ہمارے ساتھ رہنا بھی پسند نہیں' لیکن اگر آپ ہمارے ساتھ چلتے تو ہمیں بہت اچھا لگتا''۔ وہ کہنے کے بعد اس کے تاثرات دیکھنے کو ٹھہری نہیں فوراً باہر نکل گئی اور حارش بعد میں جانے کیوں خود سے الجھتا رہا' سکون نہ آیا تو آ کے دادی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا' وہ اسے بے کل ٹہلتا تو دیکھ رہی تھیں اور جب وہ ان کی گود میں سر رکھ کے لیٹا تو جان گئیں کہ وہ کچھ پریشان ہے۔

''حارش بچے! کیا بات ہے.....؟'' یعنی دادی اس کی بے کلی محسوس کر گئیں تھیں' وہ خود کو اتنا عیاں کر گیا تھا۔

''دادی! کچھ نہیں بس سر میں درد ہے''۔ اس نے پھر وہ ہی بہانہ بنایا۔

''اچھا..... اٹھ ذرا''۔ دادی نے اسے اٹھایا پھر اٹھ کر تیل لائیں اور اس کے سر کی مالش کرنے لگیں' مالش سے ذہنی سکون ملا تھا مگر دل میں جو بے کلی سی چھائی تھی وہ کم نہ ہوئی اور وہ حد سے سوا ہوئی۔ جب طلحہ اکیلا لوٹا باقی سب باہر سے گھر چلے گئے' طلحہ بھی جتنا خوش گیا تھا اتنا ہی خاموش لوٹا تھا' اور آتے ہی وہ اپنے بستر پر ڈھیر ہوگیا' چونکہ گرمیاں تھیں اور وہ دونوں صحن میں ہی چارپائیاں ڈال کر سوتے تھے' وہ بھی اس کے ساتھ ہی دوسری چارپائی پر آلیٹا' دادی نماز ادا کررہی تھیں' اس نے دیکھا طلحہ خاموش تھا۔

''طلحہ! تو خفا ہے.....؟'' ظاہر ہے وہ جانتا تھا اسے اچھی طرح۔

''تجھے کیا پرواہ..... تو سو جا آرام سے.....'' یعنی وہ شدید خفا تھا تبھی اس کی طرف سے کروٹ بدل لی۔ اس کے اندر کی ہلچل شدت اختیار کرگئی' ایک وہ دھان پان سی لڑکی اسے الجھا گئی تھی اور اب طلحہ اتنا شدید خفا ہوگیا تھا بھلا اسے نیند کہاں آنی تھی وہ اٹھ کر طلحہ کی چارپائی پر آبیٹھا۔

''طلحہ! تو ناراض ہو تو مجھے نیند کب آتی ہے' تجھے پتہ تو ہے پھر بھی''۔

''لیکن تجھے اب میری ضرورت کب ہے تجھے تو صرف خود سے پیار ہے' آج ٹریٹ میں نے دی تھی میری خاطر بھی تو نہیں گیا ناں''۔ وہ بھی اسی بات پر خفا تھا۔

''طلحہ! میں کیا کروں بہت سمجھاتا ہوں خود کو مگر پھر دل ہے کہ مانتا نہیں' میں سب لوگوں میں بیٹھ کر تمہاری طرح ہنسنا بولنا چاہتا ہوں مگر جانے کیا چیز مجھے ایسا نہیں کرنے دیتی''۔

''تمہاری خود ساختہ انا' حارش! جو کچھ بھی تمہارا ماضی رہا ہے اسے اللہ کا امتحان سمجھ کر آنے والی خوشیوں کو ویلکم کہو' تم نے خود ہی ان خوشیوں سے خود کو دور رکھا ہوا ہے' تجھے پتہ ہے آج تیرے رویہ کی وجہ سے حرمین بہت ہرٹ ہوئی ہے' وہ بہت حساس ہے اسے پہلے ہی وہم تھا کہ تیرا رویہ ان کے ساتھ اچھا نہیں اور تو نے وہاں نہ جا کر اس کا بہت دل دکھایا ہے''۔ طلحہ کی باتوں نے اس کا دل اور بے کل سا کردیا' وہ چپ چاپ اٹھ کر اپنے بستر پر آلیٹا' مگر ساری رات اسے نیند نہیں آئی جانے کیوں.....؟ اور صبح جب ناشتہ نرمین نے بنایا تو اسے لگا کہ اس نے اچھا نہیں کیا' وہ بھوکا بنا ناشتے کے آفس چلا گیا' یہ بات طلحہ نے نوٹ کی تھی' شام کو اسے یقین تھا کہ ٹیسٹی سی چائے اس کی ساری تھکن اتار دے گی مگر آج چائے میں وہ مزہ نہیں تھا' پھر کھانا بھی اچھا نہیں لگا' وہ تو اسے بعد میں پتہ چلا کہ آج حرمین نہیں آئی تھی' نرمین نے کھانا بنایا تھا' کئی دن گزر گئے اسے حرمین نظر نہیں آئی تبھی تو آج وہ سیدھا شام میں ان کی طرف آیا تھا' وہ بابا کے ساتھ ہی بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی' لیمن لان کے سوٹ میں' وہی دمکتی رنگت اور پرکشش نقوش لئے' بال کاندھوں پر کھلے پڑے تھے' خوبصورت سی ہیئر کٹنگ اس پر سوٹ کررہی تھی' اس نے سلام کیا تو وہ چونک گئی' بابا اسے دیکھ کر خوش ہوگئے۔

''ارے میرا بیٹا آیا ہے آؤ بچے بیٹھو''۔ ان کی گرمجوشی اسے شرمندہ سی کرگئی کتنے دن بعد مل رہا تھا وہ ان سے۔

''کیسے ہیں آپ بابا.....؟'' اس کے منہ سے بابا سن کر انہیں بہت اچھا لگا تھا حیرت حرمین کو ہوئی تھی۔

''اچھا ہوں..... حرمین! جاؤ بیٹا اچھی سی چائے لاؤ' حارش آفس سے آیا ہے تھکن اتر جائے گی''۔ اس کے ہاتھ کی چائے کی وجہ سے تو وہ آیا تھا اس نے فوراً حرمین کو دیکھا' وہ دوپٹہ ٹھیک کرتی اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ وہ بابا کے ساتھ باتوں میں لگ گیا' ڈور بیل بجی تو بابا اٹھ کر باہر دیکھنے چلے گئے تبھی وہ چائے لے آئی' اسے چائے کا کپ تھما کر وہ باہر کو دیکھنے لگی۔

''بابا کہاں گئے ہیں.....؟''

''باہر شاید کوئی آیا تھا ان سے ملنے''۔

www.Paksociety.com

''اچھا.....'' وہ بابا کی چائے رکھ کر جانے لگی تو حارش نے پکارا۔
''حرمین! تم خفا ہو.....؟'' حارش کا لہجہ اور رویہ اتنا اچھا بہت حیرت سے مڑ کر اس نے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
''کیوں بھلا.....؟'' وہ مسکرائی۔
''پھر کئی دن سے گھر کیوں نہیں آئیں.....؟''
''بس ویسے ہی.....'' وہ سر جھکا گئی گویا اس نے محسوس کیا تھا۔
''آئی نو.....تم میرے اس رات نہ جانے پر خفا ہو''۔
''حارش بھائی! میں خفا نہیں ہوں بس مجھے لگا کہ آپ کو ہمارا آنا پسند نہیں تو میں نہیں گئی''۔
''ایسا نہیں ہے حرمین! بس مجھے شاید وقت لگے گا خود کو چینج کرنے میں' ساری عمر تنہا رہا ہوں ناں' اب ایکدم اتنا بڑا چینج دیکھو.....آئی ایم سوری اگر تم میرے رویئے سے ہرٹ ہوئی ہو' یہ رویہ میری نیچر کا حصہ ہے ارادتاً ایسا نہیں کرتا میں' ہوسکتا ہے تم لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے میں خود کو بدل سکوں' پلیز آئندہ میری کسی بھی بات کو دل پر مت لینا میری عادت سمجھ کر اگنور کر دینا پلیز.....''
''حارش بھائی پلیز.....آپ کیوں اتنی وضاحتیں دے رہے ہیں میں خفا نہیں ہوں''۔ وہ خجل سی ہوگئی۔
''سچ کہوں تمہارے ہاتھ کی چائے اور کھانے کو مس کر رہا تھا کئی دن سے' آئندہ بابا مجھ سے غلطی ہو بھی جائے تو یہ سزا مت دینا' صرف تمہارے ہاتھ سے بنی چائے پینے آیا تھا میں' تھینک یو سو مچ' اور مجھے امید ہے' صبح مجھے یہ ہی مزیدار چائے ملے گی''۔
''حارش بھائی! آپ بھی بس.....'' جانے کیوں اس کا چہرہ تپش سی محسوس کرنے لگا' حارش کے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہوگیا' بابا آئے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
''میں چلتا ہوں''۔ حرمین بابا کے لئے دوسری چائے لے آئی تھی کہ وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔
''حارش بھائی! کھانا نہیں کھائیں گے.....؟'' اس کے لبوں کی مسکراہٹ سے حارش عالم پر عجیب سی کیفیت چھائی تھی جسے وہ کنٹرول کر گیا۔
''ضرور کھاتا' مگر آج مجھے کہیں جانا ہے' میں یہ ہی بتانے آیا تھا بابا! میں لیٹ ہو جاؤں گا' ہمارے باس نے پارٹی ارینج کی ہے اور مجھے وہاں جانا ہے''۔
''کوئی بات نہیں' یہ سب کی زندگی کا حصہ ہے''۔ بابا نے مسکرا کر کہا اس نے ایک بھرپور نگاہ حرمین پر ڈالی اور اللہ حافظ کہتا باہر نکل گیا۔

☆

اس کی طبیعت اچھی نہیں تھی اس لئے آج آفس کی چھٹی کر لی۔ طلحہ صبح تیار ہو کر جا چکا تھا دادی کل سے احسان چاچو کی طرف گئی تھیں وہ اب تک کسلمندی سے لیٹا تھا جو اس بات کی تصدیق تھی کہ واقعی وہ اچھا محسوس نہیں کر رہا ورنہ وہ کبھی بھی بے وجہ زیادہ دیر صبح میں نہیں لیٹتا تھا صحن میں دھوپ چڑھی تو اٹھ کر اندر آ گیا' ہال روم میں صوفے پر گر گیا' جسم میں شدید درد محسوس کر رہا تھا باہر سے آہٹ ہوئی تو وہ اٹھ کر نہیں جا سکا کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ اسے اپنے قریب سنائی دی' وہ اٹھ بیٹھا' حرمین کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔
''کالج نہیں گئیں تم.....؟''
''نہیں دل نہیں چاہا' مگر آپ آج گھر پر؟ خیریت ہے.....؟''

''طبیعت ٹھیک نہیں تھی ریسٹ کرنے کو دل چاہ رہا تھا''۔ حرمین نے دیکھا بکھرے بال اور چہرے پر بھی تازگی نہیں تھی شاید وہ صبح سے اٹھا ہی نہیں تھا جینز اور بنیان میں آج واقعی وہ کچھ بیمار سا لگ رہا تھا''۔
''پھر میڈیسن لی آپ نے.....؟''
''نہیں دل نہیں چاہا کہ اٹھ کر کچھ کروں سو بس لیٹا رہا''۔ وہ دوبارہ لیٹ چکا تھا' حرمین نے دیکھا' پھر واپس مڑ گئی۔
کچھ دیر بعد وہ ٹرے میں چائے اور ساتھ ٹیبلٹس لئے حاضر تھی۔
''حارش بھائی! اٹھیں یہ ٹیبلٹ لے لیں''۔ اس نے ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے آواز دی' حارش بمشکل اٹھا تھا' اٹھ کر منہ دھو کر آیا' پھر اس نے چائے پی اور گولی کھائی۔
''کچھ دیر بعد جب آپ اچھا محسوس کریں تو جا کے دوا لے آیئے گا''۔ وہ اب ہال کی صفائی کر رہی تھی ساتھ اسے ایڈوائز بھی کر رہی تھی' ہال کی صفائی کے بعد وہ باہر چلی گئی' صحن کی صفائی کی کچن دیکھا' پھر اس نے حارش کی طبیعت کے خیال سے اس کے لئے دلیہ بنایا' اب صرف طلحہ اور حارش کے کمرے صاف کرنے تھے جو اس نے شام پر چھوڑ دیئے وہ دوبارہ ہال روم میں گئی تو حارش صوفے پر لیٹا پھر سو چکا تھا' اس نے ڈسٹرب نہیں کیا اور گھر آ گئی' امی کو بتایا' امی چلی آئیں' حارش بے سدھ لیٹا تھا' وہ اس کے قریب آ گئیں' پیشانی چھوئی تو ہلکا سا بخار تھا' ان کے ہاتھ کے لمس سے حارش نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور سامنے انہیں پا کر اٹھ بیٹھا۔
''تائی امی آپ؟''
''حرمین نے بتایا تمہاری طبیعت خراب ہے دیکھنے چلی آئی''۔
''جی بس کچھ تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا آپ بیٹھیں ناں''۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئیں۔
''بیٹا! اپنا دھیان رکھا کرو' تم ضرورت سے زیادہ خود کو مصروف رکھتے ہو' تمہاری عمر کے بچے لائف انجوائے کرتے ہیں کچھ وقت اپنے لئے نکالو' ہنسو بولو' دیکھنا تم خود فریش محسوس کرو گے''۔
''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں''۔
''آج شام میں ہم سب تمہارے چاچو کی طرف جا رہے ہیں انہوں نے فون پر تاکید کی تھی تمہیں ضرور ساتھ لائیں' تمہارے بابا سویرے جلدی نکل گئے' میں نے سوچا تمہیں بتا دوں شام میں ہمارے ساتھ چلنا ہے' اب تم اٹھ کر دوا لاؤ حرمین نے تمہارے لئے دلیہ بنا دیا ہے' وہ کھاؤ اور شام تک فریش ہو جاؤ''۔ وہ صرف سر ہلا کر رہ گیا' اب کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا سو اٹھ کر نہایا تو اور زیادہ فریش محسوس کرنے لگا۔ تبھی حرمین اس کے لئے دلیہ لے آئی۔
''تم نے مجھے پکا مریض بنا دیا ہے کچھ اور بنا دیتیں''۔ دلیہ دیکھ کر اس کی بھوک اڑ گئی۔
''آپ کو نہیں پسند؟ اچھا کیا کھانا ہے بتائیں؟'' اس نے بہت اپنائیت سے پوچھا' حارش اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت اور سادگی میں کھو گیا۔
''بناؤ گی جو میں کہوں گا''۔
''آف کورس بنا دوں گی آپ بتائیں تو''۔ اتنی تیز دھوپ گرمی کی شدت میں اسے اچھا نہیں لگا کہ وہ مزید اسے تنگ کرتا۔
''چلو چھوڑو' میں یہ ہی کھا لیتا ہوں' تم نے بنایا ہے تو یہ بھی مزے کا ہوگا''۔
''آپ مجھے خوامخواہ مکھن لگاتے ہیں اتنا اچھا بھی نہیں بناتی میں''۔ اس کی اتنی تعریف پر وہ خجل ہوئی تھی۔
''بلیوی.....مکھن نہیں یہ سچ ہے''۔ اس نے دلیہ چکھتے ہوئے کہا۔ وہ واقعی لذیذ تھا' حرمین اٹھ کھڑی ہوئی۔

www.Paksociety.com

''حارش بھائی! اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو کہہ دیجئے گا میں چلتی ہوں''۔
''تم بھی جاؤ گی شام میں احسان چاچو کے گھر.....؟''
''آپ چلیں گے؟'' وہ حیران کن خوشی سے بولی۔
''اگر تم جاؤ گی تو.....'' پتہ نہیں حارش کے لہجے میں کیا تھا اس کا دل زور سے دھڑکا۔
''میں تو صبح آئی ہوں کل دادی کے ساتھ گئی تھی شام میں آپ لوگ جائیے گا''۔
''تو ٹھیک ہے میں بھی پھر کبھی چلا جاؤں گا''۔ حرمین نے دیکھا اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی' مگر وہ خاموشی سے اٹھ گئی اور شام میں وہ ہی کیا اس نے جو کہا تھا جب اسے پتہ چلا کہ حرمین واقعی ہی نہیں جا رہی تو منع کر دیا۔
''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے بابا''۔ کہہ بابا کو رہا تھا دیکھ اسے رہا تھا' پہلی بار وہ چاچو کی طرف جا رہا تھا اور صرف حرمین کے نہ جانے سے منع کر رہا تھا۔
''بابا! میں بھی چلوں.....؟ اکیلے کیا کروں گی یہاں؟'' اس نے ایک نظر اس ضدی انسان پر ڈالی اور بولی۔
''جیسے آپ کی خوشی آپ نے خود منع کر دیا تھا کہ میں کل تو آئی ہوں''۔ وہ تیار ہونے چلی گئی۔
''بیٹا! احسان کو اچھا لگتا اگر آپ بھی چلتے تو..... اس کے بچے آپ سے ملنا چاہتے ہیں''۔
''اچھا میں چلتا ہوں.....'' وہ سر جھکا کر بولا لبوں پر آئی مسکراہٹ چھپانے کے لئے اور جب وہ تیار ہو کر آئی تو خود بھی تیار بیٹھا تھا' حرمین نے خفگی سے دیکھا اور امی کے پاس آ گئی۔

☆

اس کے اندر کے سناٹے ٹوٹنے لگے تھے وہ خوش رہتا تھا' بہت خوش اور اس خوشی کی وجہ وہ تھی' طلحہ کو اس کا یہ چینج بہت اچھا لگا تھا' احسان چاچو کے بچوں سے مل کر اسے مزہ آیا تھا' وہ بہن بھائیوں کے لئے ترستا تھا' یہاں کتنے بھائی بہنیں تھیں اسے یہ زندگی اچھی لگتی تھی' اب اکثر شام میں وہ بھی کاشف طلحہ اور نرمین کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلتا' کبھی لڈو وغیرہ اور خوب مزے کرتا' طلحہ کے ساتھ ساتھ اس کا یہ چینج حرمین کو بھی بہت اچھا لگتا تھا کیونکہ جب وہ دل کھول کے ہنستا تھا تو بہت خوبصورت لگتا تھا' ہاں وہ بالکل سلطان چاچو کی طرح تھا اور سلطان چاچو بہت خوبصورت تھے سیاہ بڑی بڑی آنکھیں' کھڑی ناک اور سیاہ گھنے بال' لمبا قد اور کشادہ سینہ' چاچو تو فوجی تھے تب ہی اتنی اچھی ہائیٹ اور جسامت تھی' لیکن وہ بھی بالکل ویسا ہی تھا' بس اس کے چہرے پر مونچھیں تھیں اور اس کا خیال تھا وہ اس پر سوٹ بھی بہت کرتی تھیں' وہ بہت اچھا تھا مگر اس کی باتیں حرمین عالم کا دل اور دھڑکنیں دونوں ہلا دیتیں تھیں' اس کی آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہ پاتی تھی' وہ بہت بدل گیا تھا' ہاں یہ اچھا تھا مگر وہ کہتا تھا میں صرف تمہاری وجہ سے زندگی کی طرف لوٹا ہوں' اس کے معاملے میں حارش کا اتنا کریزی ہونا اسے اپ سیٹ کر دیتا تھا۔

☆

آج اتوار تھا سب گھر پر تھے' صبح سے ہی شور ہنگامہ شروع ہو چکا تھا' اور جب فریال' عمر اور عثمان آئے تو اور زیادہ ہو گیا۔ موسم صبح سے ہی اچھا تھا' بادل چھائے ہوئے تھے' دھوپ کا نام و نشان نہیں تھا' ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی' وہ لوگ باہر ہی بیٹھے تھے۔
''یار! اتنے اچھے موسم میں اگر پکوڑے سموسے ہوں' پودینے کی چٹنی ہو تو کیا زبردست لگے گا''۔ عثمان اور طلحہ نے رائے دی۔
''یار! تم لوگ چٹورے بہت ہو' مجھ سے آج کوکنگ نہیں ہوتی''۔ حرمین کو پتہ تھا شامت اس کی آنی ہے سو

پہلے ہی منع کر دیا۔
''اف او تم تین لڑکیاں ہوٹل کے بنا لو''۔
''معاف کرو ہمیں' اتنے اچھے موسم میں کچن..... او گاڈ''۔ نرمین اور فریال دونوں نے منع کر دیا' حرمین موڈ آف کرتی امی کے ساتھ کچن میں ہیلپ کرانے لگی' اس نے سب کی فرمائش پوری کر دی تھی مگر اب وہ ان کے ساتھ نہیں تھی اور ظاہر ہے حارش عالم کو اس کی کمی محسوس کیوں نہ ہوتی' وہ سب کے ساتھ بیٹھا تھا مگر اس کی بے چینی صرف طلحہ محسوس کر رہا تھا' اس نے بغور اس کی طرف دیکھ کر آنکھوں میں پوچھا تو وہ سر ہلا گیا اور کچھ دیر بعد اٹھ کر ٹیرس پر چلا گیا' ہلکی ہلکی بوندیں اب تیز ہو گئی تھیں اور نیچے سے آتی آوازیں اسے بتا گئی تھیں کہ وہ بارش انجوائے کر رہے ہیں' وہ یوں ہی ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ دوسری طرف صحن میں اکیلی بارش میں بھیگتی حرمین عالم اس کی توجہ کا مرکز بن گئی' وہ آسمان کی طرف دیکھتی خود بخود مسکرائی کبھی چہرہ صاف کرتی کبھی بالوں کو جھاڑتی اسے بہت اچھی لگی تھی' اسے تو حرمین عالم ہر حال میں اچھی لگتی تھی' بس اس کے جذبوں نے ابھی اظہار کے لفظ نہیں تلاشے تھے' ورنہ تو اس کے ہر سو صرف حرمین تھی' اسے اپنا ہر کام صرف حرمین کے ہاتھ سے ہونا پسند تھا' کھانے سے لے کر کپڑے استری تک وہ صرف حرمین سے کام کہتا تھا اگر کبھی نرمین کوئی کام کر دیتی تو اسے اسی وقت پتہ چل جاتا تھا کہ آج حرمین نے یہ کام نہیں کیا ابھی جب وہ غصے میں گئی تو اسے بہت محسوس ہوا تھا' لیکن اب اسے اس طرح مسکراتا بوندوں سے کھیلتا دیکھ کر من شانت ہو گیا تھا' وہ بے خود سا دیکھے گیا معاً حرمین کو خود پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی تھی نظریں اٹھیں تو ٹیرس پر کھڑا وہ نظر آیا' وہ جلدی جلدی دوپٹہ درست کرنے لگی' حارش محسوس کر گیا کہ وہ اس کی موجودگی میں ایزی فیل نہیں کر رہی۔ اپنے وجود میں چھپتی اسے وہ بہت معصوم اور پاکیزہ لگی تھی' وہ فوراً ہٹ گیا رات میں جب سب چلے گئے تو طلحہ اس کے پاس آ لیٹا۔
''آج سب انجوائے کر رہے تھے لیکن تو اتنا اپ سیٹ سا کیوں تھا؟'' یعنی اس کی بے چینی طلحہ نے محسوس کی تھی۔
''طلحہ! مجھے خود علم نہیں ہے یہ کیا ہے؟ یہ بے چینی یہ بے کلی کیوں ہے؟ مجھے خود پر اختیار نہیں ہے ایسا کیوں ہے؟'' کتنا کھویا کھویا بول رہا تھا وہ اتنا خوش تھا پھر یہ بے کلی طلحہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔
''طلحہ! میں نے عہد کیا تھا خود سے کہ کبھی شادی نہیں کروں گا' کبھی محبت بھی نہیں کروں گا لیکن طلحہ اب مجھے لگتا ہے میں اپنے عہد سے مکر گیا ہوں اس کی معصومیت' سادگی' اس کی ہنسی' اس کی تمام اداؤں نے مجھ سے میرا سکون چھین لیا ہے' مجھے لگتا ہے کہ اگر ایک پل کو بھی وہ میری نظروں سے اوجھل ہوئی تو میرا دم گھٹنے لگتا تھا' مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا' میری ہر خوشی اس کے وجود سے وابستہ ہے میرے ہر جذبے میں وہ ہے' لیکن میں اس سے صاف لفظوں میں کہہ نہیں پاتا''۔ یہ تبدیلی تو حارش عالم میں سب سے خوبصورت تھی' طلحہ کے لبوں پر مسکراہٹ اتری' حارش عالم کی آنکھوں میں اترے کسی کے نام کے رنگ اور دیئے وہ محسوس کر رہا تھا اور شاید وہ جانتا بھی تھا کہ وہ کون ہے مگر اس کے لبوں سے سننا تھا۔
''کون ہے وہ.....؟'' طلحہ نے سرگوشی کی تو وہ چونکا اپنی بے خودی میں وہ طلحہ کو راز دے گیا تھا' اب چھپاتا بھی تو کیسے۔
''حرمین عالم''۔ اس کے لبوں سے نام ابھرا۔
''تیری چوائس اتنی اچھی ہو سکتی ہے تیرے جیسے پاجی سے امید نہیں تھی''۔ اس نے شرارت سے چھیڑا۔
''طلحہ! میرے دل نے غلط فیصلہ تو نہیں کیا ناں؟'' اس کو کھو دینے کا ڈر اسے خوش ہونے نہیں دیتا تھا۔
''دل کے فیصلے غلط نہیں ہوتے' تمہیں ڈر کیسا ہے وہ کوئی دور ہے تم سے''۔

www.Paksociety.com

''لیکن مجھے اپنی قسمت سے ڈر لگتا ہے آج تک مجھے کوئی خوشی ملی جو نہیں''۔ کتنا وہمی ہو رہا تھا وہ' لیکن شاید اپنے ماضی کو لے کر وہ ٹھیک ہی تو وہم کر رہا تھا' بھلا اس نے خوشیاں دیکھی ہی کب تھیں' طلحہ نے زندگی میں اسے کھل کر ہنستا بھی اب دیکھا تھا' جب اس کی جگمگاتی آنکھوں سے اسے کسی کے نام کے جذبے ابھرتے نظر آئے' حرمین کے لئے وہ کریزی تھا اپنا ہر کام صرف اسے حرمین کے ہاتھ سے انجام پانا پسند تھا' لیکن اس کے دل میں حرمین کے لئے اتنی طوفانی محبت ہوگی اس کا اندازہ نہیں تھا طلحہ کو۔

''لیکن مائی ڈیئر حارش عالم! اب خوشیوں نے تیرے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے' اب انہیں تم تک آنے سے کوئی نہیں روک سکتا اوکے''۔

''طلحہ! وہ میرا پاگل پن بن گئی ہے اگر اس نے میری چاہت کے اقرار میں ناں کر دی تو؟''

''کم آن حارش! اچھا سوچا کرو' اچھا سوچو گے تو ہر کام خود بخود اچھا ہوگا' اب سو جاؤ اور اچھے خواب دیکھو''۔ اس کے بال شرارت سے بکھیرتا مسکراتا وہ اٹھ گیا' حارش بھی سونے کے لئے لیٹ گیا۔

☆

''بس مجھے اسی لئے بارش پسند نہیں ہے''۔ وہ خاصے خراب موڈ میں تھا سویرے سویرے حرمین نے بڑے حیران انداز میں دیکھا تھا اسے۔

''بارش پسند نہیں ہے آپ کو؟ بھلا اتنا خوبصورت موسم کیسے ناپسند ہو سکتا ہے کسی کو''۔

''میڈم! تمہارے اس خوبصورت موسم کے باعث میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں''۔ اس کی بے زاریت چہرے سے عیاں تھی۔

''اب انسان کو اتنا پریکٹیکل بھی نہیں ہونا چاہئے کہ اچھے خاصے موسم سے بیزاریت ہو' آپ اسے انجوائے بھی تو کر سکتے ہیں' کیا ہوا جو ایک دن آفس لیٹ ہو جائیں گے''۔ وہ اسے گھور تو غصہ سے رہا تھا مگر اس کے چہرے کی معصومیت نے سارا غصہ ہوا کر دیا' وہ بے خود ہو گیا' کاش وہ اپنے جذبوں کو الفاظ دے پاتا' جانے کونسی چیز تھی جو ہر بار اس کے لبوں پر آتے اقرار کے لفظ روک دیتی تھی۔

''حرمین.....'' اس نے بہت بے خودی میں نام پکارا تھا' وہ خود ہی گڑبڑا گئی' کاش اس لمحے وہ یہاں سے بھاگ سکتی' اسے حارش عالم کی یہ دیوانگی ڈراتی تھی' اس نے لفظوں میں کبھی اقرار نہیں کیا تھا' لیکن اس کی آنکھیں ہر راز خود عیاں کر دیتی تھیں' وہ جان گئی تھی کہ اس کے دل میں کیا ہے.....؟ سارے جذبات' اس کے دل کی ہر کہانی اس کی آنکھیں بیان کر دیتی تھیں' لیکن کیا اسے یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے جذبوں کی ہمسفر بن سکے.....؟ دل کی سختی اس کی دیوانگی نے اس کے اندر اپنی جگہ بنالی تھی اور اگر آنکھیں کھول کر دماغ کی سنتی تو شاید اپنی زندگی کے فیصلے کا اختیار اس کے پاس نہ تھا' شاید حارش عالم کی خاموشی میں بہتری تھی' اس کے جذبے اگر لفظوں میں ڈھل گئے تو بھلا وہ کیسے اور کیا جواب دیتی.....؟

''حارش بھائی! میں چلوں مجھے بابا کو بھی ناشتہ دینا ہے وہ انتظار کر رہے ہوں گے''۔ اس نے فرار کا راستہ اختیار کیا لیکن جب باہر نکلنے سے پہلے ہی اس نے اس کی کلائی تھامی تو دل حلق میں آ گیا۔

''مجھے لگتا ہے تم ڈرتی ہو مجھ سے''۔ اس کے انداز میں بے خودی کے ساتھ شرارت بھی نمایاں تھی' اس نے گہری سانس خارج کر کے ایک نظر حارش عالم کو دیکھا جو بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ڈر تو آپ کے اندر بھی ہے''۔ اس کی بات پر حارش کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی اس کی کلائی پر۔

''ہاں ڈرتا ہوں' لیکن تم سے نہیں اپنی قسمت سے''۔

''حارش بھ.....'' بھائی کہنے سے قبل ہی اس نے حرمین کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا' یعنی وہ نہیں چاہتا تھا کہ بھائی کا صیغہ اس کے نام کے ساتھ لگائے۔

''پلیز..... میرا بازو درد کرنے لگا ہے''۔ اس نے التجائیہ انداز میں کہا تو مسکراتے ہوئے اس نے بازو چھوڑ دیا۔

''مجھے کل آفس کی طرف سے اسلام آباد جانا ہے کچھ دن کے لئے اور جانے سے پہلے میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔ وہ اب بہت سنجیدہ تھا۔

''آپ لیٹ ہو رہے ہیں' بارش بھی رک چکی ہے''۔ اس نے حارش کی بات کے جواب میں غیر سنجیدہ انداز اختیار کیا۔

''حرمین پلیز''۔ اس نے سنجیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا' اس کی نگاہوں میں کچھ تھا کہ وہ خاموش ہو گئی۔

''حرمین..... آئی.....''

''حارش..... آجا بارش رک گئی ہے''۔ طلحہ کی آواز اور آمد پر اس کا موڈ بری طرح بگڑا تھا اور وہ پیر پٹختا اک نگاہ اس پر ڈالتا باہر نکل گیا' اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ خفا ہو گیا ہے' طلحہ نے اس کا اتنا خطرناک موڈ دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''یہ تیرے تھوبڑے پر بارہ کیوں بجے ہیں صبح صبح''۔

''تجھے بھی اسی وقت مرنا تھا اگر پانچ منٹ لیٹ ہو جاتا تو قیامت آ جاتی ناں''۔ وہ اس پر برس پڑا' طلحہ نے بڑی حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیوں' کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں اور اب بالکل خاموش ہو جاؤ' میرا موڈ بہت خراب ہے''۔ اس نے غصے سے کہا اور بائیک اسٹارٹ کر دی۔

☆

صبح جب وہ اسلام آباد گیا تو امی' بابا سے مل کر گیا تھا مگر اس سے شدید خفا تھا تبھی بھی تو وہ سامنے بھی آئی تو نظر تک نہیں ڈالی' جانے کیوں حرمین کے دل میں اداسی نے ڈیرہ ڈال لیا' وہ اس سے بنا بات کئے ہی جا رہا تھا اس نے ہمت کر کے خود بلا لیا۔

''حارش بھائی! چائے لاؤں آپ کے لئے؟'' اس کے مخاطب کرنے پر اس نے خفگی بھری نظر ڈالی۔

''نہیں..... تھینکس..... ناشتہ کر کے آیا ہوں''۔ بہت روکھے لہجے میں جواب دے کر امی' بابا سے خدا حافظ کہتا باہر نکل گیا' وہ بہت بے چین دل لئے سارا دن گھومتی رہی' مگر رات کو جب بستر پر لیٹی تو شدت سے رونا آیا۔

''خفا ہو کر تو نہ جاتے کم از کم''۔ وہ ساری رات نہ سو سکی' اگلی صبح بھی بے کل سی تھی طلحہ اس کا کھویا کھویا انداز دیکھ رہا تھا۔

''خیریت ہے بہنا! بہت افسردہ ہو' کوئی یاد تو نہیں آ رہا؟'' اس کی شرارت پر مسکرانے کے بجائے اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

''حرمین! تم رو رہی ہو''۔

''طلحہ بھائی! آپ مجھے حارش بھائی کا نمبر دے سکتے ہیں''۔ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''مجھے نہیں بتاؤ گی کیا بات ہے.....؟''

www.Paksociety.com

"وہ مجھ سے خفا ہیں' جاتے وقت بھی شدید خفا تھے"۔
"اوہو.....تو وہ تم سے ناراض تھا اور غصہ مجھ غریب پر نکالا مگر کیوں.....؟" طلحہ نے پوچھا لیکن وہ کیا بتاتی اسے۔
"پتہ نہیں....." وہ نظریں چرا گئی۔ طلحہ نے مزید بحث بھی نہیں کی اور اسے نمبر دے دیا۔
"حرمین ڈیئر! ایک بات کہوں؟" حرمین نے طلحہ کا چہرہ دیکھا جہاں اس لمحے بہت سنجیدگی تھی۔
"وہ بہت حساس دل رکھتا ہے اور اس نے اپنی زندگی میں صرف دکھ دیکھے ہیں پلیز خیال رکھنا"۔ شاید وہ مختصر سی بات میں سب کچھ سمجھا گیا تھا اس نے فقط سر ہلایا تھا۔
شام میں اس نے فرصت ملتے ہی اس کے نمبر پر مس بیل کی تھی لیکن اس نے پلٹ کر کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔

منزلیں بلند ہوں تو مشکلیں بھی آتی ہیں
مشکلوں سے لڑنے کا حوصلہ تو رکھنے ہیں
جو تمہارے اپنے ہوں تم سے پیار کرتے ہوں
ان کا حال کیسا ہے.....؟ کچھ پتا تو رکھتے ہیں

حارش نے شام میں فرصت ملتے ہی موبائل چیک کیا تھا اور اس کے دل کو سکون مل گیا تھا' اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی' ساتھ لفظ سوری اسے صاف بتا گیا تھا کہ یہ کس نے سینڈ کیا ہے۔ جواباً اس نے کال کی تھی اور وہ جیسے منتظر بیٹھی تھی فوراً ہی اٹینڈ کر لی۔
"اب تک خفا ہیں.....؟" سلام کے بعد پہلا سوال کیا تھا اس نے۔
"خفا تھا' مگر اب نہیں ہوں"۔ وہ مسکرائی تھی۔
"کب آئیں گے؟ دادی یاد کر رہی تھیں آپ کو"۔
"اور تم.....؟"
"مجھے کیا ضرورت پڑی"۔ اس کے لہجے میں شوخی تھی حارش عالم ہنس دیا۔
"حرمین! تھینکس....."
"کس بات کا.....؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔
"یہ آ کر بتاؤں گا اور اس بار تمہیں سننا ہوگا ورنہ....."
"اوکے.....آ تو جائیں"۔
"مس کر رہی ہو مجھے.....؟" کتنی آس تھی ناں اس کے لہجے میں بھلا وہ کیسے جھوٹ بول سکتی تھی مگر اقرار۔
"بہت زیادہ....." کئی لمحوں بعد اس کی سرگوشی ابھری تھی پھر ٹوں' ٹوں کی آواز' مگر اس کے لئے حرمین کا جواب ہی بہت تھا۔
رات میں طلحہ نے دیکھا اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔
"لگتا ہے روٹھے پیا مان گئے ہیں"۔ وہ کھل کر مسکرائی تھی۔
"تھینکس بھیا! نمبر دینے کا"۔ وہ اس لمحے بھی موبائل سے کھیل رہی تھی۔
"حنا کیسی ہے؟ اور کب بات کریں گے آپ دادی سے' کتنے دن تو ہو گئے ہیں"۔ اس نے نیا ٹاپک چھیڑ دیا۔
"تم کہتی ہو تو آج ہی کر لیتے ہیں بلکہ.....ابھی"۔ وہ جیسے تیار ہی بیٹھا تھا۔
"چلیں میں بھی فیور کروں گی"۔ اس نے خلوص سے کہا' دادی تبھی عشاء کی نماز پڑھ کر آئیں تھیں اور اپنی چارپائی پر

بیٹھیں تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ وہ دونوں ان کے پاس آ گئے۔
"دادی! طلحہ بھیا آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں"۔ وہ آتے ہی ان سے لپٹ کر بیٹھی تھی۔ دادی نے انہیں دیکھا۔
"ہاں.....تو بولو بچے"۔ طلحہ نے حرمین کو گھورا' پھر ہمت باندھی بات تو کرنی تھی ناں۔
"دادی! آپ جانتیں ہیں کہ میرا اب کوئی بزرگ نہیں ہے ان فیکٹ حارش کے بعد اب آپ لوگ ہی ہمارے سب کچھ ہیں"۔
"بیٹا! یہ تو آج کس طرح کی باتیں کر رہا ہے' بھلا تجھے کبھی لگا کہ ہم نے تجھ میں اور حارش میں فرق رکھا ہے"۔
"نہیں دادی! میرا مقصد یہ نہیں تھا' دراصل دادی وہ"۔ وہ بڑی تھیں وہ شوخ و شرارتی ضرور تھا' مگر ان کے سامنے اپنے لئے لڑکی منتخب کرنا اور پرپوزل کا ذکر اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی حرمین شاید سمجھ گئی تھی۔
"دادی! بات یہ ہے کہ میں نے بلکہ ہم دونوں بہن بھائیوں نے ایک لڑکی پسند کی ہے اور اب یہ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ کب آپ لوگ جا کر اسے طلحہ بھیا کے لئے مانگیں دادی بہت پیاری لڑکی ہے طلحہ بھیا کے ساتھ ہی جاب کرتی ہے پلیز دادی"۔
"اچھا یہ بات ہے تبھی تو اتنا جھجک رہا تھا' بچے میری تو اپنی خواہش ہے جلد سے جلد سارے بچوں کی خوشیاں دیکھ لوں' بھلا زندگی کا کیا بھروسہ ہے سب سے زیادہ فکر تو حارش کی ہے مجھے' بچے نے بہت دکھ دیکھے ہیں' فرمان سے بات کروں گی تیری بھی اور حارش کی بھی"۔
"حارش کے لئے کوئی لڑکی دیکھ لی آپ نے؟" اس نے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔
"نہیں.....ہو سکتا ہے اس کی کوئی اپنی پسند ہو اور تجھے تو وہ ہر بات کہتا ہے تجھے تو پتہ ہوگا؟"
"دادی! وہ ایسا نہیں ہے شریف سا بچہ ہے' لیکن اگر اس نے کوئی پسند کر لی تو کیا آپ اس کی شادی کر دیں گے وہاں.....؟"
"ہاں.....میں نے اپنے سلطان کے بہت دکھ دیکھے ہیں اور میں حارش کی دفعہ میں چپ نہیں رہوں گی' اس کی خوشیوں کے لئے تو ہر پل میرے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ پاک میرے بچے کو صدا خوشیاں دینا' اس کی حفاظت کرنا"۔ وہ حارش کے لئے اتنی ہی جذباتی تھیں' طلحہ کو اس بات کا یقین سا ہو گیا کہ حارش کی خواہش ضرور پوری ہوگی۔
"دادی! میں آتی ہوں"۔ حرمین اٹھ کر چلی آئی۔
سب کچھ بھول کر اسے صرف یہ یاد تھا کہ حارش عالم کی محبت کے آگے وہ ہار بیٹھی ہے اپنا دل.....اس وقت اسے حقیقت کی بالکل بھی فکر نہ رہی تھی۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ حارش عالم اسے دیوانگی سے بڑھ کر چاہتا ہے اور اس کی یہ دیوانگی جانے کب حرمین عالم پر اثر کر گئی' یہ سچ تھا کہ اس نے بہت کوشش کی خود کو اس محبت کی آگ میں جلنے سے روکنے کی۔ وہ حارش عالم سے اسی لئے ڈرنے لگی تھی بھاگنے لگی تھی' لیکن شاید.....اس کی محبت کی گہرائی میں اثر تھا یا اس کی آنکھوں کی سچائی میں.....؟ جو بھی تھا حارش عالم اپنی تمام تر وجاہت سمیت اس کے دل میں آ بسا تھا' وہ شدتوں سے چاہنے لگی تھی اسے' اب اسے صرف اس کی آمد کا انتظار تھا کہ وہ کب آئے گا اور اپنے جذبوں کو لفظوں کا روپ دے گا۔

(جاری ہے)

www.Paksociety.com

روشنی فاطمہ

ناولٹ

پیار

وہ لائبریری میں آدھے گھنٹے پہلے ہی موجود تھا اور یہ انتظار اب بہت کٹھن لگ رہا تھا گزرتا ہوا اک اک لمحہ اس پر بہت بھاری تھا' صرف کسی کا انتظار ہوتا تو بات الگ ہوتی' مگر یہاں تو اضطراب تھا' خوف بھی خدشات وابہام بھی' حالانکہ وہ خود کو سمجھا کر ریلیکس رکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر جیسے ہر کوشش ہی ناکام ہو رہی تھی' کیونکہ خوف وخدشات اس کے ہر جذبے پر حاوی تھے۔

کبھی وہ بیٹھ کر ٹیبل پر رکھی کتابوں کے ورق الٹ پلٹ کرتا تو کبھی اٹھ کر شیلف میں لگی کتابوں کو ایسے دیکھتا جیسے اسے کسی کتاب کی تلاش ہو' مگر حقیقت میں وہ الفاظ تلاش کر رہا تھا' لہجے وانداز کا چناؤ کر رہا تھا' جو اسے سب کچھ کہنے کے لئے درکار تھے' وقت جوں جوں بیت رہا تھا' بے چینی واضطراب بھی بتدریج بڑھ رہا تھا' پچھلے کئی مہینوں سے وہ اپنے دوستوں سے مشورہ ورائے طلب کرتا رہا تھا کہ اسے اپنی کیفیات کا اظہار کرنا چاہئے یا نہیں؟ مختلف رائے اور مشورے سامنے تھے جن کی روشنی میں وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسے مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور سب کچھ اسے ردا اختر ہمدانی کے گوش گزار کر دینا چاہئے اور آج وہ فیصلہ کر کے آیا تھا کہ جو کچھ اس نے خط میں رقم کیا تھا اپنی زبان سے بھی کہہ ڈالے گا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کیونکر کہہ سکے گا وہ سب کچھ جو اس کے دل کی خواہش تھی' جو اس کی آرزو تھی کیا اظہار

کر سکے گا وہ اپنی سیماب کیفیت کا۔

وقت دھیرے دھیرے سرک رہا تھا' دل کی دھڑکن بے قابو ہوئی جارہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ خود کو سنبھالے یا اس دل کو جو لگتا تھا دھڑک دھڑک کر سینے کی دیوار توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ اور پھر اک آہٹ نے گویا اس کی جان ہی نکال لی۔ اس کا رہا سہا حوصلہ ردا کو دیکھ کر ختم ہوگیا تھا وہ ٹہل رہا تھا' اس کی آمد پر وہیں رک گیا' کچھ پل کے لئے اس نے صائم علی کو دیکھا جو خاصا خوف زدہ سا دکھائی دے رہا تھا' اور اس کے چہرے سے عیاں ہوتے خوف نے ہی اس کو ہمت عطا کردی۔

''مسٹر صائم علی''۔ اس کے مخاطب ہونے کا انداز بہت غیر معمولی تھا اس نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''تم کیا سمجھتے ہو.....؟'' میں نے تمہیں یہاں اس لئے بلایا ہے کہ میں تم سے عشقیہ باتیں کروں گی یا پھر تمہارے اس خط کی تعریف کروں گی' جو تم نے مجھے دیا تھا''۔ اس کے استہزائیہ لب و لہجے نے اس کے پیروں تلے کی زمین کھینچ لی تھی۔

''مسٹر سید صائم علی! یہ اوچھے ہتھکنڈے''۔ اس نے خط نکال کر اس کے سینے پر دے مارا۔

''مجھے متاثر نہیں کرسکتے' تم کیا سمجھ رہے تھے اس طرح کے فلمی اظہار سے تم مجھے متاثر کردو گے' مرعوب کر دو گے یا پھر میں تمہاری اس فضول حرکت پر خوش ہوکر تمہاری حوصلہ افزائی کروں گی''۔ اس کے الفاظ آگ برسا رہے تھے' وہ کھلے انداز میں اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی' وہ ششدر ہی تو رہ گیا' اس قدر شدید ردعمل کی توقع نہ تھی اسے۔ اس کے خلوص و محبت جیسے پاکیزہ جذبے کو اس نے کس طرح بے دردی سے کچل ڈالا تھا' کتنی آسانی سے اس کی خواہشوں کا شیش محل مسمار کردیا تھا وہ گنگ تھا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھے.....'' اس نے درشت لہجے میں کہہ کر رعونت سے اپنی جانب اشارہ کیا۔

''مجھے یعنی ردا اختر کو اتنا گھٹیا.....'' اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے کھڑے شخص کو شوٹ کردے۔

''تم آخر سمجھتے کیا ہو خود کو' اک مڈل کلاس کے تھرڈ کلاس پرسن.....'' اس نے حقارت آمیز انداز میں سرتاپیر اسے دیکھا۔

''تم جیسے لوگوں کو میں اچھی طرح جانتی ہوں' تم لوگ امیر لڑکیوں کو اپنی جھوٹی محبت کا فریب دے کر انہیں پھانس لیتے ہو اور اسی شارٹ کٹ کے ذریعے امیر ہونے کے خواب دیکھتے ہو' بولو تمہارے ذہن میں بھی یہ ہی سب کچھ تھا ناں''۔ اس کے گلابی لبوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے' وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھا' اس کے روبرو ردا کے علاوہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ بناء لحاظ بے نقط سنا ڈالتا۔

''تمہاری خاموشی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں' تم جیسے لوگ نہ تو اپنے خاندان کی عزت کا خیال کرتے ہو نہ ہی دوسروں کی عزت کی پرواہ ہے''۔ اس نے نفرت سے سر جھٹکا۔

''بس مس ردا ہمدانی بس''۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا' اس نے ہاتھ اٹھا کر مزید کچھ کہنے سے روکا۔

''میں خاموش ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ حق پر ہیں میم! میں اب تک صرف اس لئے چپ تھا کہ میں آپ کی عزت کرتا ہوں' احترام کرتا ہوں آپ کا اور .....'' وہ بہ عجلت اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

''ہونہہ.....عزت.....؟ عزت کرتے تو اس قسم کی حرکت سے باز رہتے''۔ اس کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔

''کس قسم کی حرکت.....؟ کیا کیا ہے میں نے۔ کون سی قابل گرفت بات لکھی ہے میں نے آپ کو.....؟ جو ادب و آداب کے دائرے سے باہر ہو۔

کون سی ایسی بات تحریر کی ہے جس پر آپ معترض ہوں' اگر ادب و لحاظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی ہے تو کیا یہ جرم ہے.....؟ بتائیں مجھے.....؟ میں نے ایسا بھی کیا کردیا کہ آپ نے میری انسلٹ کی.....؟'' اس کے سوال پر وہ خاموش ہوگئی یقیناً اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔

''اب تک آپ نے جتنی بھی باتیں کہی ہیں جتنے بھی الزام مجھ پر اور میری کلاس پر لگائے ہیں وہ سراسر بے بنیاد ہیں' آپ نے میری توہین کی ہے میرے اس جذبے کی توہین کی جس میں نہ تو کوئی بناوٹ تھی نہ ہی کوئی غرض۔ مگر افسوس کہ آپ نے سب جذبوں کو خاک بنا کر ڈھیر بنادیا' میری خواہش کی تذلیل کی' مجھے ذرا بھی علم ہوتا کہ آپ اس جذبے کو دولت کی پٹی باندھ کر دیکھیں گی تو میں قیامت تک کچھ نہ کہتا' مخفی رکھتا اس جذبے کو یوں بے مایا نہ ہونے دیتا' کتنی سفاکی سے آپ نے مجھے اور میری کلاس کو الزام دیا' صرف اس لئے کہ آپ جیسے اونچے گھرانے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے صرف پیسہ اہم ہوتا ہے۔ جن کا من' جن کا دھن صرف دولت ہے آپ لوگوں کو ہر کوئی لالچی اور حریص دکھائی دیتا ہے۔ آپ جیسے روشن دماغ رکھنے والے لوگ اصل دولت سے واقف ہی نہیں۔ بہت بدقسمت ہیں آپ لوگ جو حقیقی دولت کے معنی و مفہوم سے آشنا ہی نہیں''۔ وہ جذبات کی رو میں بہہ کر وہ سب کچھ کہہ گیا جو اس نے شاید کبھی سوچا بھی نہ تھا وہ تو نہ جانے کب سے اس دن کا منتظر تھا' کیسے سینت سینت کر رکھی تھیں اس نے وہ باتیں جو اسے آج ردا سے کہنی تھیں مگر اسے کیا معلوم تھا یہ دن اسے مایوسی کے اندھیروں میں دھکیل دے گا اس سے امید بھی چھین لے گا۔

''صرف اتنا یاد رکھنا میم! کہ محبت خریدی نہیں جاسکتی وقت یہ بات اک دن ضرور ثابت کردے گا کہ دولت بڑی نعمت ہے یا محبت' اک نہ اک دن آپ کو میری بات یاد آئے گی۔ وقت کسی کا دوست نہیں ہوتا مس ردا اختر یاد رکھنا''۔ اس نے تنبیہی انداز میں اک گہری نگاہ ڈالی' وہ متحیر اور پریشان ہوکر اس کی بات سن رہی تھی یوں ہی اسے حیرت زدہ چھوڑ کر وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا کالج سے گھر تک واپسی کے سفر میں شکستگی' ملال اور اداسی اس کی ہم سفر تھی۔

☆

اگلے دو دن وہ کالج نہیں گیا' تیسرے دن ہی اظفر کی کال آگئی۔

''کہاں ہے یار تو.....؟'' اس کے فون ریسیو کرتے ہی وہ بے تابی سے بولا۔

''یہیں ہوں یار!'' اس نے بے زار کن انداز میں جواب دیا۔

''دو دن سے کالج کیوں نہیں آیا' طبیعت تو خراب نہیں ہے تیری.....؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں طبیعت ٹھیک ہے بس یوں ہی دل نہیں چاہ رہا تھا''۔ اس کا جواب اظفر کو مطمئن کرنے والا نہیں تھا۔

''کیا مطلب ہے تیرا دل نہیں چاہ رہا تھا ایگزام قریب ہیں اور نواب صاحب دل کے مطابق چل رہے ہیں' شرافت سے تشریف لے آؤ ورنہ کل خود آجاؤں گا لینے''۔

''ٹھیک ہے آتا ہوں''۔ اس نے جبراً حامی بھری ورنہ اس کا قطعی جانے کا ارادہ نہیں تھا' انکار کرنا اس کی فطرت میں جیسے شامل ہی نہیں تھا' تب ہی وہ اسے بھی منع نہیں کرسکا اور پھر وہ کچھ ہی دیر میں ساتھ تھے۔

''تو یعنی تم نے اقبال جرم کر ہی لیا''۔ اس کے تاثرات کو دیکھ کر وہ پل بھر میں معاملہ سمجھ گیا۔

''کیا واقعی.....؟'' دانیال اور ارحم کے لئے یہ بات انکشاف سے کم نہیں تھی۔

''سچ یار! تو نے اس سے کہہ دیا سب.....؟'' ارحم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تصدیق چاہی' صائم بدستور نیم کے درخت سے ٹیک لگائے خاموش

www.Paksociety.com

کھڑا رہا۔
''تمہارا اس طرح خاموش رہنا اظفر کی بات کی تصدیق کررہا ہے کہ تم نے واقعی اقرار جرم کیا ہے''۔ اس کا لہجہ غیر سنجیدہ تھا مگر اس کی یہ بات صائم کے دل پر جا لگی۔
''ٹھیک کہہ رہے ہو تم لوگ' محبت کا اعتراف کر کے جرم ہی تو کیا ہے میں نے''۔ اس کے چہرے کی از حد سنجیدگی اور لہجے کی نمی کو محسوس کر کے وہ سب یکدم ہی سنجیدہ ہو گئے۔
''اس معاشرے میں محبت جرم ہی تو ہے جہاں وفا' خلوص' ہمدردی' محبت سب کچھ مادہ پرستی کی اس دنیا میں کہیں کھو گیا ہے' بے حسی کی نذر ہو گیا ہے سب کچھ''۔ مضمحل انداز میں کہہ کر اس نے جوتے کی نوک سے پتھر کو ٹھوکر ماردی۔
''محبت جرم ہے اور جرم کی سزا ملتی ہے داد نہیں''۔ وہ بے حد ملول تھا اور رنجیدہ بھی۔ ان تینوں نے تاسف سے اک دوسرے کو دیکھا تھا' اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی ہلکی سی رمق بھی نہ تھی' اس کی اس کیفیت کا پس منظر یقیناً کوئی غیر معمولی ردعمل تھا' کچھ دیر تینوں ہی اس بات پر چپ سے رہ گئے کچھ دیر توقف کے بعد دانیال بولا تھا۔
''یار! لو تم اس قدر اداس کیوں ہو رہے ہو اللہ بہتر کرے گا' تم ابھی سے ہار مان گئے ابھی تو عشق کے امتحان اور بھی ہیں''۔
''ہاں! وہ کہتے ہیں ناں یار! ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا' آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا''۔ ارحم نے مزاح کے انداز میں شعر پڑھتے ہوئے دانیال کی بات کو آگے بڑھایا۔
''یار! تم ابھی سے ہمت و حوصلے کا دامن چھوڑ دو گے تو آگے کس طرح وقت کا سامنا کرو گے' ہمت نہ ہار میرے یار حوصلہ رکھ''۔ اظفر نے پیچھے سے آکر کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز دباؤ ڈالا' اس کی بات پر اس نے لمبی سانس کھینچی۔
''اب کچھ باقی نہیں بچا اظفر''۔
''یہ کیا کہہ رہا ہے تو.....؟'' ارحم نے تڑپ کر کہا۔
''ابھی بہت کچھ باقی ہے نا امیدی کیوں.....؟'' دانیال نے متاسف ہو کر اس کے چہرے کو دیکھا جہاں ملال و شکستگی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔
''جب کوئی مسافر لمبی مسافت طے کر کے منزل تک نہ پہنچ پائے اور بندگلی اس کا مقدر ٹھہرے تو امید باقی نہیں رہتی۔ تھک جاتا ہے انسان' اعصاب شل ہو جاتے ہیں' جسم بھی تھک جاتا ہے اور..... روح بھی''۔ اس کا لہجہ بہت رنجور تھا اک اک لفظ یاسیت کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا۔
''اتنی نا امیدی اچھی نہیں ہوتی صائم! مایوسی کفر ہے' تو کیوں اتنی جلدی شکست کھا گیا تو ایسا تو نہیں تھا''۔ اظفر نے مایوسی سے اس کے آزردہ چہرے کو دیکھا۔
''ہاں میں ایسا نہیں تھا''۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔
''اچھا ہوا کیا یہ تو بتا.....؟'' ارحم نزدیک آ کر بولا۔
''میری کیفیت جان لینے کے بعد بھی تمہیں اشتیاق ہے اس بات کا.....؟'' اس کی نم ہوتی آواز سن کر وہ شرمندہ ہو گیا کہ واقعی اسے ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔
''یار! بڑی بھوک لگ رہی ہے چل کر کچھ کھاتے ہیں''۔ اظفر نے ماحول کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے انہیں موضوع سے ہٹانے اور صائم کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔ ارحم نے تائید کی تو دانیال زبردستی صائم کو کھینچتے ہوئے ان دونوں کے پیچھے چل دیا۔

☆

''اماں! پلیز آپ انہیں منع کردیں''۔ پچھلے دو دن سے وہ فاطمہ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں' مگر ہر بار اس کا جواب نفی میں ملتا اور آج بھی وہ اسے راضی کرنا

چاہ رہی تھیں۔
''بیٹی! سمجھا کرو' تمہاری خالہ کے کوئی جاننے والے لوگ ہیں بتا رہی تھیں بہت عرصے سے انہیں جانتی ہیں اچھا خاندان ہے دیکھے بھالے لوگ ہیں اور.....''
''اماں پلیز! میں بار بار کی اس نمائش سے تنگ آ چکی ہوں''۔ فاطمہ کے لہجے سے بے زاری نمایاں تھی۔
''بیٹی! کیا کریں یہ وقت کا تقاضہ ہے ایسا تو کرنا پڑتا ہے انسان مجبور ہو تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کام کرنے پڑتے ہیں جو وہ نہیں کرنا چاہتا''۔ اک مجبور ماں کی بے بسی بول رہی تھی' وہ ان کے چہرے سے لہجے سے ان کی بے چارگی کو محسوس کر سکتی تھی مگر ان سے کہیں زیادہ وہ پریشان تھی۔
''مگر اماں! میں اب مزید ناگوار رویئے اور مغرور آنکھوں کو برداشت نہیں کر سکتی''۔ انداز التجائیہ تھا آنکھوں میں نمی تھی۔
''معاشرے کے دستور ہی ایسے ہیں کہ.....'' اماں نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر اس کے چہرے پر پھیلنے والی اداسی و مایوسی نے ان کے لبوں کو چپ کروا دیا۔ وہ بھی کیا کرتیں' بیٹی کی عمر ڈھلتی جا رہی تھی' گزرتا ہوا وقت انہیں خدشات و واہمات میں مبتلا کر رہا تھا' اس کے رشتے کے لئے آنے والے لوگ یا تو اس کی بڑھتی ہوئی عمر کو جواز بنا کر انکار کر جاتے یا پھر اس کی اعلیٰ تعلیم اس کی قسمت کے کھلنے والے در کو تالا لگا دیتی۔
''ٹھیک ہے اماں.....'' اس نے اماں کے ماتھے پر ابھرنے والی شکنیں دیکھ کر حامی تو بھر لی تھی مگر اسے قطعاً کوئی آس نہیں تھی' ہر بار کے انکار نے اس کی تمام امیدوں کو توڑ ڈالا تھا' ہر آنے والے لوگوں کو یا تو 16 سال کی کم عمر' چاند چہرہ' ستارہ آنکھوں والی دوشیزہ کی تلاش ہوتی جس کا خوبصورتی کے ساتھ ساتھ سلیقہ شعار' سگھڑ' نیک ہونا اس کی لازمی خوبیاں تھیں۔ ان سب کے بغیر وہ ان کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتی تھی' ایسے لوگوں کی نگاہ میں 33 سالہ فاطمہ بھلا کیسے جچتی' بڑھتی عمر کے ساتھ جس کا عام صورت ہونا قابل گرفت تھا اور مستزاد اس کی ایم ایس سی کی ڈگری سونے پر سہاگہ ہی تو تھی۔
ہر بار کے ٹھکرائے جانے کے احساس نے اسے از حد مایوس کر دیا تھا اپنی ذات کی بے قدری کی تکلیف وہ بار ہا سہہ چکی تھی اس میں اب مزید اپنی بے توقیری' بے مائیگی برداشت کرنے کا یارانہ تھا مگر اماں سے رضامند ہونے کے بعد وہ آنے والے کل کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆

''کیا بات ہے صائم! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری.....؟'' فاطمہ کہتے ہوئے اندر آئی۔
''صائم!'' اس کی آواز پر اس کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی تو وہ آوازیں دینے لگی۔
''اٹھو صائم کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس نے پریشان ہو کر سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور لائٹ آن کر دی۔
''آپا..... پلیز لائٹ آف رہنے دیں''۔ صائم نے بے چینی سے کروٹ لی' وہ اس کی بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کے بیڈ کے قریب آئیں۔
''اماں بتا رہی تھیں تم چار دن سے کالج نہیں گئے اور آج کل ٹیوشن بھی نہیں لے رہے' طبیعت خراب ہے تمہاری یا پھر کوئی اور مسئلہ ہے''۔ صائم اٹھ بیٹھا تو اک تشویش' بھری نگاہ انہوں نے اس پر ڈالی' ان کی نگاہوں سے الجھ کر وہ بول اٹھا۔
''کچھ نہیں ہوا مجھے' بس یوں ہی کالج نہیں جا رہا' ارحم اور دانیال لاہور گئے ہوئے ہیں تو میں کیا کروں گا کالج جا کر.....''
''اور ٹیوشن کیوں نہیں لے رہے.....؟'' بدستور نگاہیں اس پر رکھتے ہوئے پوچھا۔
''ٹیوشن وہ اس..... لئے''۔ اس کی سمجھ نہ آیا کیا

www.Paksociety.com

بہانہ بنائے۔
''صائم.....'' فاطمہ نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا چہرے پر غیر معمولی تاثرات اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر گئے۔
''کیا بات ہے صائم! مجھے نہیں بتاؤ گے.....؟'' اس نے نرمی سے پوچھا اور وہ جز بز ہو کر رہ گیا اب وہ کیسے بتاتا کہ وہ کیوں اتنا آزردہ ہے' اسے گہری سوچ میں مستغرق دیکھ کر اور اس کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں سے اس نے کافی حد تک اندازہ لگا لیا تھا کہ بات کس نوعیت کی ہے' کچھ دیر یوں ہی خاموشی سے گزر گئے۔ پھر کھوئے کھوئے لہجے میں صائم نے لب کھولے۔
''آپا! اک بات بتائیں کوئی شخص کسی منزل کی جانب سفر کرے' بہت لمبی مسافت طے کر لے اور جب.....'' فاطمہ بہت تعجب سے اس کی بات سن رہی تھی یاسیت کا عنصر اس کے لہجے میں نمایاں تھا۔
''اس منزل کی جانب پہنچنے والا ہو تو اسے معلوم ہو کہ یہ اس کی اصل منزل ہی نہیں تو پھر اس انسان کو کیا کرنا چاہئے.....؟'' فاطمہ نے اس کے لہجے میں موجود نمی اور درد کو محسوس کر کے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کس پریشانی میں مبتلا ہے۔
''تو پھر اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اسے سفر کی مزید تکان سے بچا لیا''۔ اس کے رسانیت سے کہنے پر صائم نے متعجب ہو کر دیکھا۔
''مگر وہ پچھتاوا اور دکھ جو اس سفر کے رائیگاں ہو جانے کا ہے وہ کیسے ذہن سے محو ہو سکتا ہے.....؟''
''پچھتاوا اور دکھ اسی صورت میں ذہن سے محو ہو سکتا ہے جب اس سفر کو رائیگاں نہ سمجھا جائے' بلکہ آئندہ زندگی میں اس سے سبق لے کیونکہ زندگی کا سفر بہت طویل ہے کئی اتفاقات حادثے رونما ہوتے ہیں کیا زندگی منجمد ہو جاتی ہے.....؟'' اس نے رک کر اس کے اداس چہرے کو دیکھ کر سوال کیا۔
''نہیں نا' وقت گزرتا جاتا ہے لیکن اگر ہم زندگی کی کسی ایک ناکامی پر مایوس ہو جائیں اور تھک کر بیٹھ جائیں تو زندگی کو کیسے گزاریں گے' مثبت سوچ کو اپنا کر اپنی پچھلی اور گزری ہوئی زندگی کو یاد رکھیں تو آگے کا سفر آسان ہو جاتا ہے' ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہم نے گزرا ہوا وقت رائیگاں کر دیا' کوئی سفر رائیگاں نہیں ہوتا اور ہر غلطی صرف پچھتاوا نہیں دیتی بلکہ ہمیں آئندہ کے لئے محتاط کر دیتی ہے غلطی ہمیشہ کچھ نہ کچھ سبق دیتی ہے' بس یہ بات یاد رکھنی چاہئے ہمیشہ''۔ وہ اسے کسی ٹیچر کی طرح سمجھا رہی تھی جیسے وہ اک نادان سا بچہ ہو اور وہ واقعی اس کے لئے چھوٹا بچہ ہی تو تھا' زمانے کی اونچ نیچ سے ناواقف' زندگی کے اسرار و رموز سے ناآشنا۔

☆

''آج تمہاری چچی آ رہی ہیں''۔ صائم کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا تب ہی اماں چلی آئیں' پتہ نہیں وہ خاص طور پر اسے کیوں بتا رہی تھیں۔
''اچھا.....'' اس نے سرسری سے انداز میں جواب دیا۔
''تم کہاں جا رہے ہو.....؟ آج گھر پر ہی رکو''۔ اسے شوز پہنتے دیکھ کر وہ بہ عجلت بولیں۔
''چچی تو آتی رہتی ہیں میرا موجود ہونا اتنا ضروری بھی نہیں ہے''۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔
''بیٹا! دو گھڑی رکو تو سہی''۔ اس کے ساتھ وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''اماں! مجھے دیر ہو رہی ہے''۔ وہ بہ عجلت آگے بڑھا۔
''میری پوری بات تو سن لو بیٹا!'' وہ پیچھے آئیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بات کرنے کا یہ موقع گنوا دیں۔
''جی بولیں اماں.....'' وہ رک کر پلٹا۔
''تمہاری چچی چاہ رہی ہیں کہ عائشہ کے لئے تم.....'' اس کو از حد تعجب ہوتا دیکھ کر ان کی آدھی بات

منہ میں ہی رہ گئی۔
کیا کہے وہ' کیسا ردعمل ظاہر کرے اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کیونکہ یہ بات اس کے لئے انکشاف سے کم نہ تھی۔
''تمہاری چچی عائشہ اور تمہاری بات طے کرنا چاہ رہی ہیں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں.....؟'' اماں تو گویا ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہ رہی تھیں۔
''اماں پلیز یہ معاملات ایسے نہیں کہ میں آج ہی اس کا فیصلہ کر لوں''۔ اس کے اس طرح کے ردعمل پر اماں خاصی مایوس سی ہو گئیں تب ہی وہ فوراً بولا۔
''اماں! میں نے عائشہ کے لئے کبھی اس طرح نہیں سوچا''۔
''تو اب سوچ لو نا بیٹا! وہ بہت اچھی لڑکی ہے' سلیقہ مند گھریلو اور.....'' اماں نے اس کی قصیدہ خوانی شروع کر دی۔ اماں کا از حد اصرار اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' یوں اچانک سے انہیں اس کے رشتے کا خیال کیسے آ گیا تھا۔
''اماں پلیز! میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ.....'' وہ الجھ سا گیا تھا۔
''میں ابھی تمہاری منگنی کرنا چاہ رہی ہوں شادی نہیں''۔ اماں اس کے انکار پر تپ کر بولیں۔
''آپ سمجھ نہیں رہیں اماں.....'' وہ زچ ہو گیا۔
''کیا سمجھانا چاہ رہے ہو تم.....؟ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا آخر تم اتنے خائف کیوں ہو رہے ہو''۔ وہ ناراض ہو گئیں۔
''اماں! میں کیسے سمجھاؤں آپ کو''۔ وہ بے زار سا چپ ہو گیا' ادھر اماں ناراضی میں خاموش ہو گئیں' اماں کی خفگی کو بھانپ کر وہ ان کے قریب آیا۔
''اماں!'' اس نے لاڈ سے کہہ کر دونوں بازوؤں کو تھام لیا۔
''میں نہیں چاہتا کہ آپا سے پہلے میرا رشتہ طے ہو یا منگنی ہو' میری اولین خواہش یہ ہے کہ پہلے آپا کا رشتہ طے ہو جائے''۔
''تو ٹھیک کہہ رہا ہے یہی بات ہے.....؟'' انہوں نے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔
''سچ اماں! یہی بات ہے بس''۔ اس نے بھرپور یقین دلانے کی کوشش کی۔
''کہتا تو ٹھیک ہے بیٹا!'' وہ قائل ہوتے ہوئے بولیں۔
''اب میں جاؤں اماں.....؟'' وہ اجازت طلب کرنے لگا۔
''ہاں بالکل بیٹا!'' پرسوچ لہجے میں وہ بولیں تھیں۔ اسے تھوڑا افسوس ہوا اس نے انہیں پھر اسی سوچ میں ڈال دیا تھا' جس کی وجہ سے وہ ہر وقت ہی پریشان رہتی تھیں۔
''اماں پلیز! آپ پریشان نہ ہوں فاطمہ آپا کے لئے اللہ بہتر کرے گا انشاء اللہ''۔ اس نے ان کے کاندھوں پر ہاتھ رکھا۔
''معلوم نہیں بیٹا کب کھلے گا میری فاطمہ کا نصیب''۔ ان کے لہجے کی یاسیت اور بے بسی پر اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔
''مایوسی اللہ کو پسند نہیں' بس آپ دعا کیا کریں' ماں کی دعا اللہ تعالیٰ کبھی رد نہیں کرتا''۔ اس کے کہنے پر جبراً انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆

ایک ہفتہ یوں ہی گزر گیا' اماں نے اس ایک ہفتے میں رشتے کی بابت کوئی ذکر نہ کیا۔ مگر اس دن وہ ٹیوشن دے کر واپس لوٹا چچی کے ہمراہ عائشہ کی موجودگی اسے الجھن میں مبتلا کر گئی۔
''السلام علیکم''۔ وہ سلام کر کے اندر جانے کو تھا۔
''کبھی ہمیں بھی ٹائم دے دیا کرو' ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو''۔ چچی جان کے شکوے پر وہ شرمسار ہو کر دھیمے قدموں سے چلتا ہوا ان کی جانب چلا آیا۔

www.Paksociety.com

''ایسی تو کوئی بات نہیں چچی جان''۔ وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور ہر بات میں اس کی تائید اور رائے لینا وہ ضروری سمجھتیں' وہ جتنا زیادہ ان سے کترا رہا تھا اسی قدر اسے ان کے ساتھ وقت بتانا پڑ رہا تھا' ہوں ہاں کے سوا وہ کر بھی کیا سکتا تھا' اس کی عدم دلچسپی اماں کو کھل رہی تھی مگر یہ بھی صائم کا احسان تھا کہ وہ چچی جان کے کہنے پر وہاں بیٹھنے پر رضامند تو ہو گیا تھا' عائشہ کے چہرے سے نمایاں ہوتی خوشی چیخ چیخ کر اسے یہ بتا رہی تھی کہ اس کی موجودگی عائشہ کے لئے باعث مسرت ہے' اس کا جھینپا جھینپا انداز صائم کو بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا۔

''آپ لوگ باتیں کریں میں فریش ہو کر آتا ہوں''۔ بالآخر اس نے وہاں سے اٹھنے کا بہانہ ڈھونڈ ہی نکالا' چچی اور عائشہ کو اس کا اس طرح سے حیلے بہانے سے فرار ہونا بہت کھٹکا تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہی وہ نیچے آیا تھا۔

''اماں! ایک کپ چائے ملے گی''۔ دونوں ہاتھوں سے گردن کو دباتے ہوئے اس نے فرمائش کی گردن کو دائیں بائیں گھمانا گویا تھکن کا اظہار تھا۔

''میں لاتی ہوں چائے''۔ اس سے قبل کے اماں اٹھتیں فاطمہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پھر کیا سوچا ہے تم نے.....؟'' فاطمہ کے چلے جانے کے بعد وہ فوراً اپنے پسندیدہ موضوع کی جانب آئیں' وہ خاموش رہا گویا اس نے سنا ہی نہ ہو' پاس پڑا ریموٹ اٹھا کر چینل سرچ کرنے لگا' اماں کی نگاہوں کا ارتکاز اسے جز بز کر رہا تھا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے بیٹا.....؟'' انہوں نے تھوڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔

''اماں! میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ.....'' وہ دوبارہ بات دہرانا نہیں چاہتا تھا۔

''جانتی ہوں میں مگر تمہاری چچی تمہارا فیصلہ جاننا چاہتی ہیں''۔

''اماں! پلیز اس فیصلے میں اتنی جلدی نہ کریں ابھی''۔

''میں نے بھی یہ بات سائرہ کو بتائی تھی کہ تم جب تک اس رشتے کے لئے رضامند نہیں ہو گے جب تک کہ فاطمہ اپنے گھر کی نہیں ہو جاتی''۔

''پھر.....؟'' سوالیہ نگاہیں جواب سننے کی منتظر تھیں۔

''وہ اس بات پر راضی ہے وہ آج اسی خاص مقصد کے لئے آئی تھیں''۔

اس کا دل زور سے دھڑکا' کہیں وہ اس کی منگنی کا دن تو طے نہیں کر گئیں اس خیال نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔

''فاطمہ کے لئے ایک رشتہ بتا رہی تھیں ان کی کوئی جاننے والی خاتون ہیں' اپنا نام سن کر چائے لاتی فاطمہ کے قدم دروازے کی دہلیز پر ہی رک گئے' صائم کے سانس بحال ہوئے کہ اس نے شکر ادا کیا کہ فی الوقت ایسا کچھ نہیں تھا جیسا وہ سوچ رہا تھا۔ پھر اک نیا امتحان' پھر نمائش' پھر رد کئے جانے کا تکلیف دہ احساس..... فاطمہ کے ذہن و دل میں پھر یہ باتیں گردش کرنے لگی تھیں۔

''یہ تو اچھی بات ہے اماں' آپ کو جو دن مناسب لگے بلا لیں انہیں''۔ صائم کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

''ہاں بیٹا! میں جلدی بلا لوں گی انہیں''۔

''مگر بیٹا! فاطمہ.....'' وہ اس بار بہت دکھ کا شکار تھیں۔ یہ بات انہیں معلوم تھی کہ اس بار فاطمہ کو قائل کرنا ناممکن کی حد تک مشکل تھا۔

''مجھ میں ہمت نہیں بیٹا کہ فاطمہ سے بات بھی کروں اس بارے میں''۔ ان کے لہجے میں یاسیت اتر آئی تھی۔ فاطمہ کا اپنی ماں کی بے چارگی پر دل بھر آیا' وہ مزید کچھ نہ سن سکی' وہاں سے واپس کچن کی جانب مڑ گئی۔

''آپ فکر نہ کریں اماں! میں کوشش کروں گا فاطمہ آپا کو راضی کرنے کی''۔ صائم نے ساتھ بیٹھی ماں کے

ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''وہ مان جائے گی نا بیٹا.....؟'' ان کی آس بھری نگاہوں میں ان گنت اندیشے تھے جن کو وہ بخوبی سمجھ رہا تھا۔

''ہاں اماں! کیوں نہیں آپ دعا کریں کہ اس بار آپا کی قسمت کھل جائے''۔

''ہاں کیوں نہیں بیٹا! انشاء اللہ میری بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے گی جلد''۔ وہ بے حد معصومانہ انداز میں بہ عجلت بولیں تو دکھ کی اک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی' ان کی خواہش فطری تھی پر قسمت نامہربان تھی یا معاشرے کے لوگوں کے ذہنوں میں پنپنے والے وہ معیار تھے جو اماں کی اس خواہش کو پورا ہونے ہی نہ دے رہے تھے وہ سوچ کر رہ گیا۔

☆

بے وقعتی کا احساس رگ و پے میں سرایت کر جائے تو نس نس تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہے' روا اختر ہمدانی کے تلخ اور حقارت آمیز لہجے میں کہے گئے جملے آج بھی اس کی سماعتوں میں گونجتے تھے' وجہ کوئی بھی تھی بہرحال اسے ریجیکٹ کیا گیا تھا اور رد کئے جانے کی تکلیف آٹھ ماہ ہو جانے کے باوجود بھی کم نہ ہوئی تھی اب تو اسے فاطمہ کے دل پر بیتنے والے دکھ کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا' فاطمہ واقعی بہت بہادر تھی جو ہر بار اپنی بے وقعتی کے درد اور اسی خوف و اندیشے کے ساتھ والدین کی رضا کی خاطر اس تکلیف کو سہنے کے لئے ہر بار تیار ہو جاتی تھی۔ صائم کو بہت ہمت درکار تھی اس بارے میں بات کرنے کے لئے وہ آج آفس بھی نہیں گئی تھی صبح سے چپ چپ تھی' اور اس کی یہ ہی خاموشی تو اسے خوف زدہ کئے دے رہی تھی' وہ نہ جانے اس بات پر کیسا ردعمل ظاہر کرے' بس یہ ہی سوچ کر وہ بہت ہچکچا رہا تھا مگر بہرطور پر بات تو کرنا ہی تھی۔

ڈرتے ڈرتے ادھ کھلے دروازے کو ناک کرتے ہوئے وہ اندر آیا' فاطمہ ہاتھ میں پین اور ڈائری پکڑے تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''صائم تم.....؟'' اس طرح سے باقاعدہ وہ کبھی اس سے بات کرنے اس کے کمرے میں نہیں آیا تھا کیونکہ کبھی اس کی ضرورت پیش ہی نہ آئی تھی۔

''سوری..... میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا''۔ وہ بے حد کنفیوژ تھا۔

''ارے! تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں کوئی بہت بڑی آفیسر ہوں''۔ وہ مسکرائی تو کچھ اس کی بھی ہمت بندھی۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔ وہ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''ہاں بولو.....؟'' وہ بھرپور طریقے سے اس کی جانب متوجہ تھی۔

''مجھے آپ کی کیفیات کا بخوبی اندازہ ہے آپا۔ اس معاشرے کی سوچ ہے اور معاشرے میں ان گنت برائیاں ہیں مگر ہمیں انہیں بھگتنا بھی پڑتا ہے اور سہنا بھی' کیونکہ یہ ہماری مجبوری ہے''۔ اس کی تمہید سے وہ جان گئی تھی کہ وہ اس سے کس سلسلے میں بات کرنے کے لئے آیا ہے۔

''میں آپ کو ہرگز پریشان نہ کرتا مگر میں مجبور ہوں آپا کہ اماں نے.....'' وہ شرمندہ بھی تھا اور پریشان بھی۔

''میں سمجھ رہی ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو''۔ اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

''مگر آپ.....''

''میں نے اس دن تمہاری اور اماں کی باتیں سن لیں تھیں''۔ اس کے انکشاف پر وہ متذبذب رہ گیا۔

''میں جانتی ہوں میں اماں' ابا اور تمہارے لئے بوجھ بن گئی ہوں' رکاوٹ بن گئی ہوں تم سب کی خوشیوں کے آگے''۔ جذباتی انداز میں کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی' یکدم اس کا یوں جذباتی ہو جانا صائم کے لئے

www.Paksociety.com

بہت حیران کن بھی تھا اور پریشان کن بھی۔

''اماں سے کہو کہ تمہاری منگنی کردیں میں شادی نہیں کروں گی اور نہ ہی میری قسمت میں شادی ہے''۔ اس کی آواز میں درد شامل تھا' وہ ششدر ہی تو رہ گیا بظاہر اتنی مضبوط دکھائی دینے والی آپا اندر سے کتنی ٹوٹ گئی تھیں۔

''آپا پلیز! آپ غلط نہ سمجھیں میں نے اماں کو صرف اس لئے ایسا کہا کہ میں ابھی منگنی نہیں کرنا چاہتا' اماں اور چچی جان نہ جانے کیوں میری منگنی کرانا چاہتی ہیں''۔ وہ الجھے الجھے لہجے میں بولا' اسے قدرے یقین ہوا کہ صائم سچ کہہ رہا ہے ورنہ تو وہ بدگمان ہوگئی تھی اس کی طرف سے۔

''مگر صائم! میں اب کسی نئے امتحان سے نہیں گزرنا چاہتی' میرا حوصلہ ٹوٹ چکا ہے' امیدیں بار بار ٹوٹ جائیں تو اپنے قدموں پر کھڑے رہنا بڑا دشوار ہو جاتا ہے''۔ آنکھوں میں آنے والی نمی کو تو وہ چھپا گئی تھی مگر لہجے میں موجود نمی کو وہ مخفی نہ رکھ سکی۔

''آپ اتنی کمزور تو نہ تھیں' آپ تو بہت حوصلہ مند تھیں آپ تو مجھے حوصلہ دیتی تھیں پھر اب''۔ اس نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''میں انسان ہوں صائم! فرشتہ نہیں ہوں میں''۔ اس کی آواز کی لرزش نے صائم کو ہراساں کردیا' وہ کس قدر کمزور پڑ گئی تھی' دکھ کی لہر نے اس کے پورے وجود میں سنسنی دوڑا دی تھی۔

''آپا پلیز! مایوسی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں' انسان کی آزمائش کسی بھی صورت میں ہوسکتی ہے' کیا معلوم یہ آزمائش ہو صبر اور برداشت سے ہی انسان کی آزمائش ہوا کرتی ہے آیا''۔ اس نے ملول سی نگاہوں سے اس کے سنجیدہ چہرے کی جانب دیکھا۔

''اللہ تعالیٰ ناراض ہوگیا تو ہم انسانوں کے پاس کیا بچے گا' وہ اپنی نعمتیں دے کر یا دکھ دے کر امتحان لے' ہر صورت میں ہمیں اپنے رب کا بندہ بن کر رہنا ہے''۔

کل تک وہ اسے سمجھاتی آئی تھی آج وہ کتنی بردباری سے اسے سمجھا رہا تھا' نم آنکھوں کے ساتھ اس نے مسکرا کر صائم کو دیکھا۔

''بہت سمجھداری آگئی ہے اب لگ رہا ہے تم واقعی بڑے ہوگئے ہو''۔

''اور مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کی آئی سائیڈ اب بالکل ٹھیک ہوگئی ہے''۔ اس نے فاطمہ کی ہی ٹون میں ہی جواب دیا تو وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔

☆

اور پھر وہی ہوا جس کا فاطمہ کو اندیشہ تھا' وہ لوگ بناء جواب دیئے چلے گئے تھے حالانکہ انہوں نے حتمی جواب نہ دیا تھا' تاہم ان کے چہروں سے انکار صاف واضح تھا' جسے سمجھنا اب فاطمہ کے لئے مشکل نہ تھا' اور تب سے ہی فاطمہ کو جیسے چپ سی لگ گئی تھی' بہت تنہا تنہا الگ تھلگ رہنے لگی تھی سب سے۔ اس وقت بھی وہ کھانے کے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ کر اپنے کمرے کی سمت جانے لگی تھی تب ہی ابرار صاحب کی آواز پر وہ چونک گئی۔

''بیٹا! ادھر آئیں''۔ وہ اس کی حد درجہ خاموشی سے کافی پریشان تھے' وجہ انہیں معلوم تھی مگر وہ اسے کرید کر اسے مزید دکھی نہ کرنا چاہتے تھے۔

''آپ کی جاب کیسی چل رہی ہے.....؟'' انہوں نے بات کا آغاز بہت ہلکے پھلکے انداز میں کیا۔

''ٹھیک چل رہی ہے''۔ سپاٹ لہجے پر وہ ذرا بھی نہ چونکے تھے جانتے تھے وہ کس کیفیت سے دوچار ہے۔

''پرموشن کے کوئی امکان ہیں یا.....؟'' بات برائے بات انہوں نے پوچھا۔

''امکانات تو اب ختم ہی ہوگئے ہیں بابا''۔ مایوس کن جواب سن کر وہ ملول ہوگئے' پر ظاہر نہ کیا کہ انہیں اس کے رویئے میں ہونے والی پریشان کن تبدیلی نے کتنا دکھی کیا ہے۔

''مایوسی اچھی بات نہیں بیٹا! گناہ ہے کفر ہے''۔

''اور جو کچھ دوسرے میرے ساتھ کررہے ہیں وہ گناہ نہیں' وہ ناپسندیدہ نہیں اللہ کے نزدیک''۔ اس کا نم لہجہ انہیں مزید پریشان کرگیا۔

''ہے بیٹا بالکل ہے' مگر دوسروں کے عمل کے ہم ذمہ دار نہیں ان کا عمل ان کے ساتھ ہے اور.....''

''مگر بابا! جو کچھ میرے ساتھ ہورہا ہے کیا اس کی قصوروار میں ہوں.....؟'' بھیگی آنکھوں اور نمی سے پر لہجے کے ساتھ اس نے سوال کیا' وہ اتنی نادان تو نہ تھی کہ اسے سمجھانے کی ضرورت پیش آتی اب وہ واقعی ٹوٹ کر بکھر رہی تھی' انہیں اندازہ ہورہا تھا کہ اب اسے سب کی سپورٹ درکار ہے۔

''نہیں بیٹا ہرگز نہیں' ایسا نہیں سوچتے' اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے' حکمت مخفی ہوتی ہے' انسان صرف ظاہری پہلو پر غور کرسکتے ہیں مگر دلوں کے بھید اور نیت سے تو اللہ ہی واقف ہے ناں' جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ انسان کے بھلے کے لئے ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ وہی راستہ نکالتا ہے جو ہمارے لئے مناسب ہو''۔ آنکھیں جھکائے وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش کررہی تھی وہ جانتے تھے وہ کس درد سے گزر رہی ہے مگر اسے اس طرح دیکھ کر وہ کتنے رنجور تھے یہ اسے معلوم نہ تھا شاید۔

''ہمت سے کام لو بیٹا! تم تو بہت بہادر ہو''۔ وہ چپ رہی وہ بچوں کی طرح اسے بہلا رہے تھے۔

''سب بہلاوے ہیں بابا! میں اب شادی نہیں کرنا چاہتی کسی سے بھی''۔ اس کا دل ناراض تھا شاید اس ساری دنیا سے۔ وہ سوچتی رہی اور بابا اسے نہ جانے کیا سمجھا رہے تھے وہ اب سن ہی نہ رہی تھی۔

☆

وقت گزرتا گیا' ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے اور مہینے سالوں پر محیط ہوگئے' صائم کا M.com کمپلیٹ ہوگیا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ فاطمہ کا ہنسنا بولنا بالکل ختم ہوکر رہ گیا تھا' اس کی چپ اور خاموشی ابرار صاحب اور رخسانہ کے دل پر گراں گزرتی تھی' اسے یوں زندگی سے اکتایا دیکھ کر بہت کڑھتے تھے' اماں کے چاہنے کے باوجود چچی نے عائشہ کا رشتہ کہیں اور طے کردیا تھا' صائم کی عدم دلچسپی کو اماں نے کچھ سمجھا ہو یا نہیں مگر چچی نے محسوس کرلیا تھا' اسی لئے چچی نے عائشہ کا رشتہ دوسری جگہ کرنے میں دیر نہ کی۔

☆

''اماں میں اب مزید تماشا نہیں لگانا چاہتی تین سال پہلے میں کسی کی نظر میں نہ بچ سکی تو اب.....'' اس نے کٹھور سے لہجے میں کہا تو اماں کا دل تڑپ گیا' اس قدر مایوس ہوچکی تھی کہ ذہن و دل کے کسی گوشے میں روشنی کی ایک کرن بھی نہ باقی رہی تھی' اس کی بات سن کر اماں کے لبوں پر بھی جیسے تالا پڑ گیا تھا۔

ابرار صاحب نے اسے پتہ نہیں کیسے قائل کیا تھا کہ وہ آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہوگئی تھی۔ اور اس بار اس کی توقع اور سوچ و گمان کے برعکس جواب ملا تھا۔ آنے والے لوگ اسے پسند کر گئے تھے ثاقب اختر' ابرار صاحب کے باس کم دوست کے بیٹے تھے' رخسانہ خوشی سے نہال تھیں بدیر ہی سہی ان کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا شرف پا گئیں تھیں' وہ سجدہ ریز تھیں کہ فاطمہ کے نصیب کے در کھل گئے تھے' ادھر فاطمہ کی کیفیت عجیب تھی اسے تاحال یقین نہ آرہا تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے یا ایسا ہوچکا ہے.....؟ وہ یقین کرتی تو بھرپور طریقے سے خوش ہوتی نا' بعض مرتبہ مایوسی کی کیفیت میں گمان حقیقت میں تبدیل ہوجاتا ہے اور حقیقت گمان کی صورت دکھائی دینی لگتی ہے' اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اسے لگ رہا تھا یہ سب محض خوش فہمی ہے یا پھر غلط فہمی جس کی حقیقت جلد ہی آشکار ہوجانی تھی۔

☆

ابرار صاحب کا انکشاف رخسانہ کے لئے دھماکے

www.Paksociety.com

سے کم نہیں تھا۔
''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ.....؟'' انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔
''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اختر صاحب نے مجھ سے ایسا ہی کہا ہے''۔ پریشان کن لہجے میں وہ انہیں یقین دلانے کی سعی کرنے لگے تھے۔
''مگر ایسا تھا تو انہوں نے پہلے کیوں نہ کہی یہ بات.....؟'' وہ برہم ہورہی تھیں اختر صاحب کی انوکھی فرمائش پر۔
''پتہ نہیں.....'' الجھن بھری حالت میں وہ پیشانی مسلنے لگے۔
''آپ کو اپنا اعتراض ان پر واضح کردینا چاہئے تھا کہ ایسا ممکن نہیں اور اس طرح تو بالکل ممکن نہیں' جس طرح انہوں نے اس رشتے کی آڑ میں اپنا مسئلہ حل کرنا چاہا ہے''۔
''پلیز رخسانہ! یہ معاملے جذباتی ہونے کے نہیں ہوتے ہیں عقل وشعور سے تدبیر کرنے کے ہوتے ہیں''۔ ابرار صاحب کو ان کا جذباتی ردعمل پسند نہ آیا تھا۔
''اختر صاحب! میرے بیٹے سے اپنی معذور بیٹی کا رشتہ جوڑنے کی فرمائش کررہے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں میں جذباتی نہ ہوں''۔ وہ کچھ اور بھی طیش میں آگئیں۔
''کس قدر مفاد پرست لوگ ہیں' دوسروں کی مجبوری کا کس طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے سب خوب معلوم ہے انہیں''۔ ان کا پارہ ہائی ہورہا تھا' بس نہ چل رہا تھا ابھی انہیں بے نقط سنا آئیں۔
''اس بات کا ذکر انہیں پہلے ہی دن کردینا چاہئے تھا''۔
''رخسانہ! یہ معاملہ جذبات سے حل نہیں ہوگا' غور وفکر سے کوئی حل نکالنا ہوگا''۔ پریشان وہ بھی تھے مگر شاید کسی مصلحت کے تحت خاموش تھے۔
''آپ خود سوچیں کیا ہوسکتا ہے اس مسئلے کا حل.....؟'' ان کے کہنے پر وہ گہری سوچ میں غرق ہوگئے' کچھ پل ماحول پر خاموشی چھائی رہی۔
''ایک اولاد کی خاطر دوسری اولاد کو قربان کردینا کہاں کا انصاف ہے ابرار صاحب''۔
''مگر تم جانتی ہو فاطمہ کی قسمت کا بند دروازہ اب کھلا ہے انہیں صاف انکار کرنا اپنے ہاتھوں سے اس دروازے کو قفل لگانے کے مترادف ہوگا''۔
''آپ کیا چاہتے ہیں ہم فاطمہ کے مستقبل کی خاطر صائم کو اس کی بھینٹ چڑھادیں''۔ اس خدشے پر ان کا دل دھڑکا تھا۔ ان کی نگاہوں میں شکایت بھرا استفسار تھا۔
''اور کوئی حل' کوئی تدبیر بجھائی بھی تو نہیں دے رہی''۔ مجبوری ان کے لہجے میں جیسے رچ بس گئی تھی' بیٹی کے باپ تھے' بیٹی کو اپنے گھر میں خوش دیکھنے کے لئے انہیں اگر اپنا آپ بھی قربان کرنا پڑتا تو شاید وہ اس سے بھی دریغ نہ کرتے۔
''صائم سے بات کرکے دیکھو شاید وہ راضی ہو جائے''۔ ابرار صاحب ان کی کیفیت سے بے نیاز کتنی آسانی سے مشورہ دے رہے تھے' یہ تو کوئی ان کے دل سے پوچھتا کہ وہ کیا محسوس کررہی تھیں اس وقت۔ ماں کا دل تو موم کی طرح ہوتا ہے کہ ذرا سی محبت کی لو پڑے تو وہ پگھل جاتا ہے' وہ ان سے اکلوتے لاڈلے بیٹے کی اتنی بڑی خوشی کو قربان کردینے کو کہہ رہے تھے' وہ انہیں اس وقت چٹان کی طرح سخت گیر دکھائی دے رہے تھے' جنہیں اپنی دوستی اور تعلقات کے آگے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔
''آپ کیوں اپنے بیٹے کو قربان کردینے کو تیار ہو گئے' صرف اس لئے کہ آپ کو اپنا عہدہ بچانے اپنے تعلقات کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے.....؟'' وہ بدگمان ہورہی تھیں ان سے۔
''تم نے ایسا کیوں سوچا رخسانہ.....؟'' انہوں

نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔
''میں اتنا سنگدل نہیں ہوں کہ اپنی نوکری اور دوستی کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنے عزیز بیٹے کی زندگی کو مشکل میں ڈال دوں''۔ انہیں بہت دکھ ہوا کہ انہوں نے ان کے لئے ایسا سوچا۔
''میں تو صرف فاطمہ کی خاطر.....'' اس سے آگے ان سے بولا نہ گیا' آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔
''میں جانتی ہوں آپ فاطمہ کے لئے کتنے پریشان رہے ہیں''۔ انہوں نے نزدیک آکر ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔
''مگر فاطمہ کے لئے صائم کو مشکل میں ڈالنا بھی تو ٹھیک نہیں ہے''۔ انہوں نے پھر اپنی بات دہرائی' وہ کسی صورت نہ چاہتی تھیں کہ صائم پر اس سمجھوتے کے لئے دباؤ ڈالا جائے۔ اس رات نہ تو ابرار صاحب کی پلکیں جھپکیں نہ ہی رخسانہ سوسکیں' پوری رات سوچ بچار' خدشات وواہمات کے درمیان گزر گئی۔

☆

''تم سوچ سمجھ کر جواب دینا بیٹا! ہم نہ تمہارا برا سوچتے ہیں نہ ہی کچھ غلط چاہتے ہیں''۔ اماں نظر نہ ملا پا رہی تھیں اس سے۔ اتنی بڑی قربانی دینے کے لئے کہہ رہی تھیں اس سے' مگر کتنے ہلکے پھلکے الفاظ میں' جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔
''ہاں بیٹا! تم جتنا چاہو وقت لے لو سوچنے کے لئے''۔ ابرار صاحب بھی نادم سے تھے جیسے گزارش کررہے ہوں۔ اسے بہت تاسف نے آن گھیرا' اتنی مجبوری وبے چارگی کبھی اس سے قبل نہ ان کے لہجوں میں تھی نہ چہروں پر۔
''پلیز اماں' بابا اس طرح مت کہیں مجھ سے''۔ وہ تڑپ کر بولا۔
''فاطمہ کی خوشی تمہارے فیصلے سے مشروط ہے صائم بیٹا''۔ ابرار صاحب کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی ملتجیانہ ہوگیا تھا۔
''بیٹا! تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کررہا تم جو بھی فیصلہ کرو کسی بھی دباؤ کے بغیر آزادی سے کرنا''۔ اماں نے اس کے دائیں بازو کو پکڑا' وہ ہکا بکا ان کے اوپر کئے ہوئے چہروں کو دیکھنے لگا۔
''فاطمہ کی خوشی اب تمہارے ہاتھ میں ہے بیٹا''۔ بابا کا درخواست گزار لہجہ اس کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر گیا۔ اسے شاید سوچنے کے لئے وقت درکار ہی نہ تھا فیصلہ وہ کرچکا تھا' مگر فی الوقت وہ ان کو یوں ہی کمرے میں حیران پریشان چھوڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

☆

''صائم تم جانتے ہو کتنا بڑا فیصلہ ہے یہ.....؟'' فاطمہ شدید حیرت میں مبتلا تھی۔
''جانتا ہوں''۔ اس کا پرسکون ٹھہرا ہوا لہجہ اسے مزید حیران کرگیا۔
''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم نے اتنا بڑا فیصلہ اتنی آسانی سے کیونکر کیسے کرلیا۔ ایک ڈس ایبل لڑکی کے ساتھ عمر گزارنا آسان نہیں ہے صائم''۔ وہ اس فیصلے کی حقیقت جاننا چاہتی تھی جو اس کے پس منظر میں کارفرما تھی۔
''جانتا ہوں نہ یہ فیصلہ آسان تھا اور نہ ہی نبھانا آسان ہوگا''۔ اس کا لہجہ پراعتماد تھا۔
''تو پھر.....کیوں.....؟'' اس کی الجھن بڑھ رہی تھی اس نے ایک گہری سانس خارج کی وہ سمجھ رہی تھی کہ صائم وضاحت سے اس کی الجھن دور کرے گا مگر اس نے مکمل خاموشی اختیار کرلی۔
''تم میری وجہ سے اگر خود کو مشکل میں ڈال رہے ہو تو میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ پلیز مجھ پر احسان مت کرو' اپنی زندگی کو دشوار مت بناؤ اپنے ہاتھوں سے''۔ اس کی آواز میں لرزش آگئی وہ یوں ہی بات بات پر رنجیدہ ہوجایا کرتی تھی اب۔
''کیسی بات کررہی ہیں آپا آپ.....؟'' وہ اس کی بات پر تڑپ گیا۔

www.Paksociety.com

''میں کسی پر احسان نہیں کر رہا' میں کسی کو دکھ نہیں دینا چاہتا' امی' بابا سب خوش ہیں اس فیصلے پر میرے لئے یہ ہی بہت ہے اور اگر آپ بھی خوش رہیں گی تو میں سمجھوں گا کہ مجھے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی مل گئی''۔ وہ سچے دل سے یہ سب کہہ رہا تھا اس کا مستحکم لہجہ' اس کی آنکھیں اس کی سچائی کی گواہی دے رہی تھیں۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی خاموش رہ گئی۔

''بس میں چاہتا ہوں آپ خوش رہیں اب کبھی اداس نہ ہوں''۔ وہ قریب چلا آیا' اس کے گرم ہاتھوں کو تھام کر وہ محبت سے بولا' اس کی آنکھیں فرط جذبات سے نم ہوگئیں۔

''اللہ ہر ایک کو تم جیسا بھائی دے''۔ آہستگی سے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکال کر اس نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ اٹھایا۔

''اور ہر بھائی کو آپ جیسی بہن''۔ اس نے کہا تو وہ نم آنکھوں سے مسکرادی۔

☆

اور پھر وہ دن بھی آن پہنچا' جب رخسانہ اور ابرار صاحب بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہوگئے' بیٹیاں والدین کے لئے بوجھ بن جاتی ہیں جب تک ان کے نصیب کے در وا نہیں ہوتے' مگر یہ تو کوئی والدین کے دل سے پوچھے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دل پر پتھر رکھ کر خود سے کیسے جدا کرتے ہیں دل کا بوجھ تو ان کے جدا ہونے کے بعد بڑھتا محسوس ہوتا ہے مگر بہرحال یہ نظام قدرت ہے' وقت کے ساتھ جب خدشات واہمہ بن کر اڑ جاتے ہیں تو دل مطمئن و شاد خود بخود ہو جاتا ہے۔

☆

اس کی زندگی کس کے ساتھ جڑ رہی ہے یہ اسے نکاح نامے پر سائن کرتے وقت معلوم ہوا تھا' اسے حیرت و صدمے نے شدید ترین جھٹکا دیا تھا مگر اس وقت جب وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا' ردا اختر ہمدانی آج اس کی شریک حیات بن کر اس کی زندگی میں شامل ہوگئی تھی وہ کبھی اس کی چاہت تھی مگر اب نہیں..... اب وہ اَن چاہی تھی' من چاہے اور اَن چاہے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے' جیسے ریت کا ایک زرہ اور صحرا۔ جیسے پانی کا ایک قطرہ اور وسیع سمندر۔

''یہ تم ہی ہو نا مس ردا اختر ہمدانی.....؟'' اس نے بیڈ کے گرد گھومتے ہوئے اس کے سراپے کا جائزہ لیا' وہ سہم کر سمٹ گئی۔

''مجھے غور سے دیکھو مس ردا اختر میں وہی شخص ہوں جس کی تم نے تذلیل کی تھی' مذاق اڑایا تھا میری ذات کا' آج وہی شخص تمہارے سامنے ہے' وقت نے سب کچھ بدل دیا ہے آج تم میرے سامنے ہو مگر کیا حیثیت اور کیا رتبہ رکھتی ہو.....؟'' اس نے تمسخرانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''چاہوں تو دو منٹ میں اپنی زندگی سے نکال پھینکوں''۔ اس نے چٹکی بجائی اس کی نگاہوں میں خوف کے سائے لہرا گئے دل انجانے خدشے سے کانپ اٹھا۔

''بہت گھمنڈ تھا ناں تمہیں ان پیسوں پر''۔ اس نے بلیک کوٹ کی اندرونی جیب سے 5 ہزار کے کئی کرارے نوٹ نکالے اور چلتا ہوا اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

''کیا خرید سکتی ہو مس ردا اس دولت سے.....؟'' کڑک دبیاٹ دار آواز اس کے کانوں پر جیسے ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

''کیا خرید سکو گی کاغذ کے ان حقیر پرزوں سے''۔ اس نے نوٹ ایک ایک کر کے اس کی جھولی میں گرا دیئے۔

''صحت.....؟ محبت.....؟ یا ہمدردی.....؟ کیا خرید سکتی ہو تم.....؟ نعمت.....؟ جذبات' احساسات' اپنی ساری دولت بیچ کر کچھ خریدنا چاہو تو نہیں خرید سکتیں تم''۔ اس کا طنزیہ لہجہ اس کے وجود کو ڈھیر کر رہا تھا' جو سر کبھی فخر سے تنا ہوا ہوتا تھا آج ندامت و بے بسی سے

جھکا ہوا تھا گود میں دھرے ان نوٹوں سے اسے نفرت ہونے لگی تھی۔

''وقت کسی کا دوست نہیں ہوتا مس ردا اختر ہمدانی جو چیز آج ہماری دسترس میں ہے وہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہی رہے وقت کی روانی میں وہ بہہ جاتی ہے' دانستہ یا نادانستہ طور پر ہم اسے گنوا بیٹھتے ہیں مگر ہمیں خبر تک نہیں ہو پاتی۔ کل تک تم وقت کو اپنے تابع سمجھتی تھیں مگر یہ تمہاری نادانی تھی وقت کسی کا غلام نہیں ہوتا' وقت سے زیادہ ظالم شاید اس دنیا میں اور کوئی شے ہے ہی نہیں' جو کبھی انسان کو انمول اور کبھی بے مول بنا دیتی ہے''۔ بے مول و بے وقعت ہی تو ہوگئی تھی وہ۔ آنسو تواتر سے اس کے رخسار بھگونے لگے۔

''مجھے معاف کر دو صائم! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی تھی جو میں نے تمہاری محبت کی قدر نہ کی''۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ وہ اس کے رونے سے قطعی متاثر نہ ہوا' اس کی بات کو نظر انداز کر کے وہ پھر کہنا شروع ہوا۔

''تمہیں یاد ہوگا مس ردا اختر! میں نے کہا تھا تم سے کہ ایک نہ ایک دن وقت یہ بات ضرور ثابت کر دے گا کہ محبت بڑی نعمت ہے یا دولت۔ آج دولت محبت کے آگے ڈھیر ہوگئی''۔ ردا نے چونک کر سر اٹھایا۔ حیرانی اس کی بھیگی آنکھوں میں موجود تھی۔

''کس کی محبت نے زیر کیا ہے دولت کو جانتی ہو تم.....؟'' اس نے رک کر ایک نخوت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

''بہن اور ماں باپ کی محبت فاتح ٹھہری ہے' میں نے صرف اور صرف.....'' اس نے زور دے کر کہا۔

''اپنوں کی خوشی کے لئے تم سے شادی کی ہے''۔ اس کے الفاظ خنجر کی طرح دل میں پیوست ہوتے محسوس ہوئے تھے لگ رہا تھا جیسے وہ زمین میں دھنستی چلی جا رہی ہو۔

''میں چاہوں تو ابھی تمہیں آزاد کر دوں''۔ اس کے جارحانہ عزائم اس کو خوف زدہ کر رہے تھے وہ جیسا کہہ رہا تھا اس پر عمل کرنے میں دیر نہ لگاتا۔

''خدا کے لئے صائم! مجھے معاف کر دو میں.....''

''بس.....'' اس نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں تمہاری ایک بات بھی نہیں سننا چاہتا''۔ کاٹ دار آواز میں وہ غرایا۔

''پلیز صائم! اتنے ظالم نہ بنو' جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی' جو کچھ کیا وہ غلط تھا مگر اب میری زندگی کا ہر فیصلہ تمہارے ساتھ وابستہ ہے''۔ وہ التجا کرنے لگی جیسے سانسوں کی ڈور اسی کے ہاتھ میں ہو۔

''کیوں اب کیا ہوا مس ردا! برداشت نہیں ہو رہا ناں اپنا ٹھکرایا جانا''۔ استہزائیہ مسکراہٹ بدستور اس کے چہرے پر موجود تھی۔

''پلیز صائم! میرے ساتھ اس طرح نہ کرو' انتقام نہ لو مجھ سے کہ میں زندہ درگور ہو جاؤں''۔ سہمے ہوئے لہجے میں خدشات ہی خدشات تھے۔

''مجھے تمہاری دولت سے نہ تو پہلے کوئی غرض تھی نہ اب ہے' میں تم سے انتقام نہیں لے رہا' تم سچ سمجھو یا جھوٹ میں نے سائن کرتے وقت تمہارا نام سنا تھا' مجھے نہیں معلوم تھا کہ وقت تمہیں اس طرح میرے سامنے لا کھڑا کرے گا''۔ وہ آنکھیں پھاڑے حیرت سے اس انکشاف کو سن رہی تھی۔

''مگر یاد رکھنا مس ردا اختر ہمدانی! ہم جیسے لوگ.....'' اس نے دانت کچکچائے۔

''ایک بار کوئی معاہدہ کر لیں تو مرتے دم تک نبھاتے ہیں''۔ اس کے لہجے کی سچائی نے اس کا سر ہمیشہ کے لئے جھکا دیا تھا۔ اس کا وجود کسی گہری کھائی میں گرتا محسوس ہوا۔ آج اسے معلوم ہوا تھا کہ کچھ غلطیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی سزا لوگ نہیں دیتے' وقت تجویز کرتا ہے وقت نے اسے مات دے دی تھی۔

☆

www.Paksociety.com

سعدیہ عابد

افسانہ

وقت گزاری

''رابی! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا''۔ رابیل غفار اور ماہم صدیقی اس کو روتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ رابیل نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی رونے کی وجہ پوچھنے کی اور وہ دونوں ہی پریشانی کے باوجود اس کی خاموشی

سے۔ چڑنے لگی تھیں۔ ماہم تو باقاعدہ واک آؤٹ کا سوچ رہی تھی' سامان اٹھا کر آگے بڑھتی کہ اس کا ٹوٹا بکھرا لہجہ قدم جکڑ گیا' اس نے بے حد چونک کر اپنی دوست کو دیکھا تھا مگر وہ اُن دونوں کو ہی کب دیکھ رہی ہے۔ روتی جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔

''ماہی! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا' وہ جسٹ ٹائم پاس کر رہا تھا' وہ میرے جذبات سے کھیل رہا تھا''۔ وہ دُکھ سے اس کے برابر بیٹھی تھی اور وہ سسکی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو متفکرانہ نہ سمجھ آنے والے انداز میں دیکھا اور اسے پانی پلایا۔

''اب تم آرام سے کہو جو کہنا ہے''۔ رابیل نے نرمی سے کہا تھا اور ماہم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے دیکھنے پر مسکرا کر ساتھ ہونے کا اشارہ دیا تھا۔

پارسا خان کا تعلق اپر ہائی کلاس سے تھا۔ والدین کی ہی نہیں ننھیال کی بھی اکلوتی ولاڈلی تھی۔ پارسا کو اللہ نے دولت' عزت' چاہت اور حسن سے بے تحاشا نوازا ہوا تھا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود اس میں غرور و تکبر نام کو نہیں تھا۔

دو ہی دوستیں پانچویں کلاس سے اس کے یونیورسٹی تک ساتھ تھیں جبکہ دونوں کا ہی تعلق مڈل کلاس فیملی سے تھا۔

پارسا کے تایا کے بیٹے کی شادی تھی جس میں شرکت کے لیے وہ اسلام آباد گئی تھی اور شادی سے ایک ماہ پہلے ہی چلی گئی تھی۔ پڑھائی کا حرج ہوا تھا' وہ جانا بھی نہیں چاہ رہی تھی مگر تایا' تائی اسے خود لینے آئے تو اُسے جاتے ہی بنی۔

اسلام آباد میں رہتے ہوئے اس کا تیسرا دن تھا جب اس کی شجاعت مرتضیٰ سے ملاقات ہوئی تھی۔ شجاعت مرتضیٰ' پارسا کے تایا کا پڑوسی تھا' اس کے علاوہ تایا زاد ذیشان خان کے جگری دوست مسرت مرتضیٰ کا چھوٹا بھائی تھا۔ شجاعت کی شخصیت کافی سحر انگیز تھی اور یونیورسٹی و کالج میں مغرور لیلیٰ کے نام سے پہچانے جانے والی پارسا خان' شجاعت مرتضیٰ کو پہلی ہی نظر میں دل دے بیٹھی۔ شجاعت مرتضیٰ اپنی خوبصورتی سے واقف تھا اور خوبصورتی کیش کروانے کا ماہر بھی۔ اس نے نامحسوس طریقے سے پارسا کی جانب پیش رفت کی تھی۔ سادہ سی معصوم پارسا خان اس کو سمجھ نہ سکی اور آتے جاتے چٹکلوں کے بعد نامحسوس طریقے سے وہ اس کی باتوں کا جواب دینے لگی اور اسی لیے اس کا وہاں خوب دل لگ گیا تھا' وہ اُن دنوں بہت خوش تھی۔ وہ فون پر شجاعت سے بات کرنے لگی تھی' شادی میں اس کی' کی گئی تعریف پر خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرتی' محبت نے اور مکر و فریب نے اپنے پَر پھیلا دیئے تھے' وہ اس کی طرف محبت سے اٹریکٹ ہو رہی تھی' نئے نئے خواب بُن رہی تھی اور وہ جس نے اُس جیسی کتنی ہی لڑکیوں کو خواب دکھائے تھے وہ اس کے ساتھ محض وقت گزاری کر رہا تھا' باقی لڑکیوں کی طرح پارسا خان کے ساتھ بھی فلرٹ کر رہا تھا۔ پارسا اپنے جذبات' قول و فعل میں سچی تھی اس لئے اس نے اپنی مدر کو وہاں سے آتے ہی بتا دیا تھا اور انہوں نے ہی کہا تھا کہ وہ شجاعت سے کہے کہ اپنے پیرنٹس کو لے کر آئے کہ مسز خان نے شجاعت کی اور اس کی فیملی کی بابت کافی معلومات اکٹھی کر لی تھیں۔ کوئی کمی نہیں تھی' فیملی پڑھی لکھی' ہم پلہ تھی تو انہوں نے بیٹی کی حمایت میں کھڑے ہونے کا عندیہ دے دیا تھا اور جب اس نے شجاعت سے بات کی تھی تو وہ کافی دیر تک ہنستا رہا تھا اور اس کا دل بیٹھنے لگا تھا اور وہ کچھ ہی دیر میں اُس کا دل' وجود زلزلوں کی زد پر لے گیا۔

''واٹ ربش پاری! ایک تو تم لڑکیاں چند دن ہنس کر بات کیا کر لو نوبت شادی تک لے جاتی ہو' شادی کو اتنا اہم کیوں سمجھتی ہو تم لڑکیاں؟''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں' مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا''۔

''سیدھی سی بات ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کرنے والا' تو اپنے پیرنٹس کو تمہارے گھر کیوں بھیجوں؟ ضرورت ہی نہیں ہے مجھے اور ویسے بھی اگر جس سے بھی میں بات کرتا ہوں ان سب کے گھر میرے پیرنٹس جانے لگے تو صبح و شام بلاناغہ بھی جانا چاہیں تو نہ جا سکیں

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

کہ میں اتنی ڈھیر ساری لڑکیوں سے بات کرتا ہوں''۔ وہ طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولا تھا۔

''آ.....آ.....آپ.....''اس سے کچھ کہا ہی نہیں گیا۔

''دیکھو پاری! میں تم سے محبت نہیں کرتا' شادی بھی نہیں کروں گا کہ میں محض وقت گزارنے' زمانے کی ٹینشن بھلانے' خود کو ریلیکس کرنے کے لیے تم سے بات کرتا ہوں اور تم یہ شادی کی پخ نہ لگاؤ تو ساری عمر تم سے بات کرسکتا ہوں کہ مرد و عورت میں محض میاں بیوی کا رشتہ قائم نہیں ہوتا' ہم دوست بن کر رہیں گے' منظور ہے تو ٹھیک وگرنہ مجھے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے کہ میں تو بات ہی اُس سے کرتا ہوں جو با آسانی خود ہی مجھ سے بات کر لیتی ہے کہ لڑکیوں کو پھنسانے' منانے میں مجھے نہ وقت ضائع کرنا پڑتا ہے نہ میں کرتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک لڑکی بھاؤ دکھا رہی ہے تو مجھے اس جیسی دس مل جائیں گی اور میں کوئی پاگل ہوں کہ ایک کے پیچھے دس کو گنواؤں۔ سچ پاری! اگر تم میرے بڑھنے کا پوزیٹو رسپانس نہ دیتیں تو میں ہرگز بھی تم پر ٹائم برباد نہ کرتا' مگر مجھے افسوس ہے کہ تم محض ڈیڑھ ماہ میں نا جانے کیا کچھ سوچ بیٹھیں جبکہ میں تو ڈیڑھ سال سے لڑکیوں سے منسلک ہونے کے باوجود اس طرح نہ سوچ سکا۔ سچ کہتے ہیں لوگ کہ تم لڑکیاں بہت بے وقوف ہوتی ہو''۔ اس کے دل و دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی اور وہ بہت کچھ کہنے کی چاہ میں ایک لفظ ادا نہیں کرسکی تھی۔ اس نے روتے سسکتے ہوئے ساری تفصیل ان دونوں کو بتا دی تھی جسے سن کر وہ دونوں بھی انگشت بدنداں رہ گئی تھیں۔

''کیوں ہوا میرے ساتھ ایسا؟ میں نے تو کبھی کسی لڑکے سے بات نہیں کی تھی' اپنی طرف بڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی نہ کی تھی تو کبھی ان کا دل بھی نہیں توڑا تھا' کبھی انہیں بے عزت نہیں کیا تھا کہ میں ریزرو رہتی تھی تو مجھے اس طرح کسی کی بے عزتی کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا' میں نے تو بس اپنے گرد حصار باندھا ہوا تھا مگر شجاعت مرتضیٰ کو دیکھتے ہی وہ حصار ٹوٹ گیا۔ کتنے دل سے میں نے اسے چاہا' ہر نماز میں اُس کو مانگا' مما کو سب کچھ بتایا کہ میں کسی کی نگاہ میں مجرم نہیں بننا چاہتی تھی' سچی پاکیزہ محبت کی تھی اور بس.....مگر اُس نے مجھے سب کی' میری نظروں میں مجرم بنا دیا۔ وہ میرے ساتھ وقت گزاری کر رہا تھا اور اس کو یہ موقع میں نے خود دیا' میں اگر اس کی پیش رفت پر دھیان نہ دیتی تو وہ کبھی مجھ سے روابط نہ بڑھاتا' میں نے خود اسے اپنے جذبات سے کھیلنے کا موقع دیا' مگر میں تو محبت کر رہی تھی ماہی! اور وہ رابی! وہ میرے ساتھ فلرٹ کر رہا تھا۔ میں اس کی اَن گنت دوستوں کی طرح محض ایک دوست تھی' ایک ایسی دوست جس سے دوستی کی آڑ میں وعدے وعید کیے جاتے ہیں' ساتھ جینے مرنے کی قسمتیں کھائی جاتی ہیں لیکن شادی نہیں کی جاتی کہ اس کا ماننا ہے کہ مرد و عورت کے درمیان محض صرف میاں بیوی کا نہیں دوستی کا بھی رشتہ ہوتا ہے اور وہ میرا دوست ہے' دوست رہ سکتا ہے اگر میں اس کے ساتھ دوستی' دوستی' محبت' محبت کھیلتی رہوں' میں نے اپنے سچے و کھرے جذبات اس پر لٹائے جو میرا کچھ نہ تھا' میں نے اپنے سچے و کھرے جذبات اس سے شیئر کیے جو میرا کچھ نہ تھا' نہ بن سکتا ہے کہ وہ محض وقت گزاری کر رہا تھا''۔ پارسا خان بے طرح سسک رہی تھی اور وہ دونوں آنسو بہاتی مہر بہ لب تھیں کہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں کہ ان کے پاس کچھ کہنے کو تھا ہی نہیں کہ چند بری خصلت لڑکیوں اور لڑکوں نے تمام لڑکیوں و لڑکوں کو مجرم بنا دیا ہے' کسی کے کیے کی سزا کسی اور کو ملتی ہے۔

وقت گزاری کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ گناہ کے مرتکب ہونے کے ساتھ دل شکنی کا بھی سبب بن رہے ہیں کہ پارسا خان کوئی بری لڑکی نہ تھی مگر اسے بروں کی صف میں کھڑا کر دیا گیا کہ اس زمانے میں محبت محض وقت گزاری بن کر رہ گئی ہے' سچی محبت اور جذبات کی قدر کرنے والے ہی نہیں ہیں اور ایک اور محبت وقت گزاری کی نذر ہوگئی ہے۔

☆

www.Paksociety.com

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 13_

سلسلے وار ناول

کبھی عشق دوبارہ کرنا

ڈیڈی کو خوشی دے کر وہ مغموم اور افسردہ ہوگئی تھی' ممی کے گلے لگ کے وہ بہت روئی تھی' پہلی دفعہ اس نے اپنی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ کیا تھا' پھر ڈیڈی بھی تو اس کی مرضی اور پسند کو اہمیت دیتے تھے' اس دفعہ ڈیڈی نے جیسے صرف ایک فارمیلٹی نبھائی تھی' اس کی مرضی پر چھوڑا تو تھا مگر کچھ بھی اس کی مرضی اور پسند پر نہیں ہوسکا تھا' حمدان کی بے رُخی' سرد مہری اور انکار نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا تھا' وہ اسے چاہ کر بھی بھول نہیں سکتی تھی' وہ اس کے حواسوں پر چھایا ہوا تھا۔ دو دن سے اپنے بیڈ روم میں ہی بند تھی' آفس بھی جانے سے منع کر دیا تھا' سیل بھی پتہ نہیں کہاں ڈالا ہوا تھا' دو دن سے ہاتھ تک نہیں لیا' یکدم ہی خیال آیا سیل تلاش کیا' سائیڈ ٹیبل سے نیچے کہیں پیچھے کی سائیڈ پر گر گیا تھا' اُٹھا کر چارجنگ پر لگایا' بیٹری بھی ختم تھی' بیڈ روم اس کا بے ترتیب پڑا تھا' صرف کھانے کے لئے روم سے مارے باندھے نکلتی تھی' ڈیڈی تو جیسے جان کے اس سے نگاہیں چُرا رہے تھے۔ موبائل کچھ چارج ہوا تو آن کیا' کچھ ہی منٹ میں اتنے ڈھیر سارے میسجز آئے' سیل مسلسل بجے جا رہا تھا' عدین کے بائیس میسج تھے' جس میں یہی تھا۔

''کہاں ہیں' جواب کیوں نہیں دے رہی ہیں؟ باجی پلیز! کچھ تو بولیں''۔ اریشما حیران رہ گئی' عدین نے مختلف ٹائم میں اتنے میسج کئے تھے' جلدی جلدی اس نے عدین کو دو تین میسج کئے' مگر اس کا جواب نہیں آ رہا تھا' کیوں؟ وہ پریشان ہوگئی' کال کرنے کے لئے سیل چارجنگ سے باہر نکالا' بیل مسلسل جا رہی تھی' وہ کال پک نہیں کر رہا تھا' اسے یقین تھا عدین ناراض جب ہوتا ہے اسے غصہ بھی بہت آتا ہے اگر اس کے میسج کا کوئی جواب نہیں دیتا ہے' تین چار دفعہ وہ ٹرائی کر چکی تھی' تھک ہار کر سیل دوبارہ چارجنگ پر لگا دیا' اسی وقت میسج آیا' اریشماء نے چونک کر دیکھا' عدین کا ہی تھا۔

''پورا پورا دن غائب رہتی ہیں' کل سے کتنے میسج کئے ہیں' کال کی' مگر آپ کا سیل آف تھا' اب میں بھی کال ریسیو نہیں کروں گا''۔ عدین کا ناراضی بھرا میسج تھا۔ اس نے میسج ٹائپ کیا اور سینڈ کر دیا' کچھ دیر میں کال کی جو اس نے بہت دیر میں ریسیو کی۔

''کیا بات ہے' تم کال کیوں ریسیو نہیں کرتے ہو؟'' اریشماء کو اس پر غصہ آ گیا۔

''میں بزی ہوں''۔ بے رخی سے جواب دیا۔

''میں کال بند کر دوں؟'' اسے پھر غصہ آیا۔

''مرضی ہے آپ کی''۔

''عدین! کیا ہو گیا ہے' میں کل سے کتنی ٹینشن میں ہوں' تمہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہوگا''۔ وہ تھکی تھکی روہانسی ہو کر گویا ہوئی' ناراضی بھی دکھا رہا تھا' کل سے دسیوں میسج جو کر چکا تھا اور اریشماء کا کچھ اتا پتہ نہیں چل رہا تھا۔

''تم تو ایسے نہیں بولو بھائی!'' اسے عدین کا ایسا انداز افسردہ کرنے لگا۔

''پھر کیسے بولوں' کل سے پاگلوں کی طرح آپ کو میسج کئے جا رہا ہوں اور آپ پتہ نہیں کیوں سیل آف کر کے بیٹھی ہوئی ہیں' وہ تو میں نے آپ کو کال کی تو پتہ چلا سیل آف ہے''۔

''میں بہت اُداس ہوں عدین!'' وہ رونے والی ہی ہونے لگی۔

''پلیز رونا نہیں' آپ کال آف کریں' میسج پر بات کریں''۔ عدین کو اندازہ ہو گیا وہ رونے کا بہانہ تلاش کرے گی اور اس سے رونا برداشت نہیں ہوتا تھا۔

''مجھ سے میسج پر بات نہیں ہوتی ہے''۔ وہ تیز لہجے میں گویا ہوئی۔

''ایسا کریں' آج آپ آرام کریں' کل فریش موڈ کے ساتھ مجھے میسج کیجئے گا''۔

''عدین! تم کیا مجھے بچی سمجھتے ہو؟ تم سے میں بہت بڑی ہوں''۔ اسے جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔

''میں آپ کو بچی نہیں سمجھ رہا' آپ کی ٹینشن کو کم کرنا چاہتا ہوں' اس طرح رو رو کے مجھ سے بات کریں گی تو مجھے کوفت ہوتی ہے''۔ وہ نرم سے لہجے میں اسے سمجھانے لگا۔

''جب تک تمہیں نہیں بتاؤں گی میرا دل ہلکا نہیں ہوگا''۔

''دل ہلکا ایسے بالکل نہیں ہوگا' جو بھی بات ہے آپ کل کیجئے گا میں سب سنوں گا' مگر اس ٹائم نہیں' کیونکہ آپ اتنا روئیں گی' پھر مجھے غصہ آئے گا' آپ جانتی ہیں مجھے''۔ وہ اسے پھر سمجھانے لگا۔

''او کے کل بات ہوگی' ذہن تو فریش کریں اور سونے کی کوشش کریں''۔

''ہاں جیسے مجھے بہت جلدی نیند آتی ہے''۔ وہ چڑ گئی۔

''مگر مجھے تو آ رہی ہے نیند''۔ وہ منہ بنانے لگا۔

''تم ہو ہی سونے کی دوکان' اور تمہارا بھائی اجنبیت کی دیوار''۔ یہ کہہ کر سیل بند کر دیا' چہرہ چھپا کے روتی رہی' اتنا بڑا فیصلہ کر تو لیا تھا' مگر دل راضی نہیں تھا' حمدان کی جگہ وہ تیمور کو سوچ بھی کیسے سکتی تھی' وہ مر تو جائے گی' مگر تیمور کے حوالے خود کو نہیں کرے گی' وہ چاچو' چاچی سب کی فطرت جانتی تھی' مگر ڈیڈی کو جیسے کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ ممی تک جانتی تھیں چاچو کی چالاک فطرت' اور وہ تیمور کو بھی سمجھتی تھیں' شادی کر کے اسے اس گھر میں قبضہ جمانا تھا' اریشماء کو آج اپنی بے بسی پر بہت رونا آ رہا تھا' حمدان نے اسے صاف جواب دے دیا تھا' کوئی راہ نہیں تھی' ڈیڈی نے رشتہ پکا کر دیا تھا' کسی دن بھی منگنی بھی ہونے والی تھی اور وہ جانتی تھی' ڈیڈی شاندار انداز میں فنکشن کریں گے۔

☆

عدین نے امّی اور مصباح کو بتا دیا تھا' اریشماء کی منگنی ہو رہی ہے اور وہ ذرا بھی خوش نہیں ہے' وہ بھائی جان کو پسند کرتی ہیں' اس کا اظہار اس نے عدین سے کر دیا تھا۔

''بہت رو رہی تھیں''۔

''کیا تھا اگر ہم ایک دفعہ بات ہی کر لیتے؟'' مصباح کو ملال و دکھ ہو رہا تھا' اریشماء اسے بھی بہت اچھی لگتی تھی۔

''آہستہ بولو' ڈرائنگ روم میں ہے' ٹی وی دیکھ رہا ہے''۔ امّی نے شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھی' مگر اندر بیٹھا حمدان بھی جیسے اُلجھا ہوا تھا' وہ چینل پر چینل سرچ کر رہا تھا' اریشماء کا حسرت بھرا لہجہ اسے بار بار ڈسٹرب کر رہا تھا' اس کی نگاہوں میں جو بے چینی' دکھ' افسردگی تھی حمدان سے کچھ بھی مخفی نہیں تھا' مگر وہ اپنی حیثیت کی وجہ سے اس کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا تھا' پھر اس نے روحیل سکندر کی باتوں سے بھی اندازہ کر لیا تھا' وہ جیسے اریشماء کا رشتہ اس سے کبھی بھی نہیں کرنا چاہتے' بلکہ تیمور ہی ان کے لئے اہم ہے' کیونکہ وہ ان کا بھتیجا تھا اور پھر غیر پر بھروسہ کیسے کر سکتے تھے' ان کی بیٹی آسائشوں کی عادی وہ کہاں یہاں ایڈجسٹ کر سکتی تھی۔ اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا' صوفے پر وہ ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹ گیا' دل کی دنیا میں بہت ہلچل تھی۔

''اریشماء باجی! بہت رو رہی تھیں اور ہمارے بھائی جان پتہ نہیں کیوں اپنا دل اتنا پتھر کر کے بیٹھ گئے ہیں''۔ عدین کو تو اریشماء کا چہرہ پریشان کر رہا تھا' جو بار بار نگاہوں میں آ رہا تھا۔

www.Paksociety.com

''حمدان سمجھتا ہے جب ہی وہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور پھر ٹھیک ہی تو کیا' ہم لوگ کہاں ان کے مقابلے کے ہیں''۔ امی نے ان دونوں کی ہی نفی کی اور سمجھایا' وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ دونوں بہن بھائی حمدان کو کچھ بولیں۔

''امی! اریشماء تو اب یہاں آئیں گی بھی نہیں''۔

''ایسا کچھ وہ نہیں کریں گی' آئیں گی وہ ضرور یہاں' اس گھر کے علاوہ وہ جاتی بھی کہاں ہیں؟'' عدین گویا ہوا۔

اسی وقت حمدان نے امی کے بیڈروم میں دیکھا' وہ لوگ چپ ہوگئے' عدین نے اپنا سیل پاکٹ میں رکھ لیا' وہ چلتا ہوا اندر آ گیا۔

''امی! ایک کپ چائے بنادیں' سر میں بہت بھاری پن ہو رہا ہے''۔ اس نے آہستگی سے کہا' مصباح اور عدین کی گہری نگاہیں اس پر تھیں' اتنا تو انہیں بھی اندازہ ہو رہا تھا' حمدان کے دل کی بے چینی کیسی ہے۔

''کوئی ٹیبلٹ وغیرہ لے لو دودھ کے ساتھ' چائے نہیں پیو''۔ انہیں رات میں چائے پینا پسند نہیں تھا۔

''آج چائے کا موڈ ہو رہا ہے''۔ وہ یہ کہہ کر روم سے نکل گیا' لہجے میں جھنجھلاہٹ سی تھی' تینوں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے' ڈھیلے اعصاب کر کے وہ دھڑ سے بیڈ پر لیٹا' آفس سے جب سے آیا تھا اُلجھا ہوا تھا' نیکسٹ فرائیڈے کو اریشماء کی انگیجمنٹ تھی' روحیل سکندر نے ساری ذمہ داری اس پر ڈال دی تھی اور حمدان نے سعادت مندی سے یہ سب قبول کرلیا تھا' وہ ایسا تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے۔ سیل کی بیپ نے اسے چونکا دیا' اریشماء کی کال تھی' کافی دیر تک سیل کو دیکھتا رہا' شاید بند ہو جائے مگر اریشماء بھی مستقل مزاج تھی' بار بار ٹرائی کیا۔

''یس!'' گھمبیر اور سرد آواز میں گویا ہوا۔

''آپ جاگ رہے تھے''۔ وہ خوش ہوگئی۔

''سونے کی تیاری تھی' کہیئے کیا کام ہے؟'' وہ آواز اور لہجے کو نرم بنا کے گویا ہوا تاکہ وہ مشتعل نہ ہو جائے۔

''کچھ دیر مجھ سے بات کرسکتے ہیں؟'' وہ اتنی افسردہ اور دھیمی ہو رہی تھی' حمدان نے آنکھیں بند کر کے اسے محسوس کیا' وہ اتنی نرم و نازک کانچ کی طرح تھی' بالکل صاف شفاف' جو دل میں ہوتا وہی اس کے لب و لہجے میں بھی واضح ہوتا۔

''اس وقت بات.... ٹائم دیکھئے بارہ بجنے والے ہیں''۔ اس نے فہمائشی لہجے میں اس کی توجہ ٹائم پر مبذول کروائی۔

''اچھی باتیں کرنے کے لئے کوئی بھی ٹائم ہوسکتا ہے''۔ لہجہ ذومعنی اور حسرت بھرا تھا۔

''اریشماء! لگتا ہے آپ ابھی تک نارمل نہیں ہوئی ہیں''

''ہوں.... بالکل ٹھیک کہا حمدان! آپ نے تو''۔ وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ استہزائیہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں اگر ایب نارمل ہوگئی تو یاد رکھیئے گا' اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے''۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس کسی طرح بھی اس پر نکالنا چاہتی تھی۔

''اریشماء! آپ نفسیاتی باتیں نہیں کریں''۔ وہ تو حواس باختہ ہوگیا' پہلو بدل کر بیٹھ گیا' اس وقت اریشماء کو سمجھانا اور وہ بھی کال پر' سمجھانا بڑا مشکل تھا' وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا' وہ بار بار اس کی جانب رخ کر رہی تھی' اور اسے اسی بات کا ڈر تھا' اگر تیمور کے سامنے کوئی ایسی ویسی جذباتی حرکت کردی تو وہ تو روحیل سکندر کی نظروں میں

بھی گر جائے گا' اسے کچھ تو کرنا ہوگا' یا جاب چھوڑنی ہوگی یا پھر ٹرانسفر کروانا ہوگا۔

''حمدان! آپ بنادیں گے مجھے نفسیاتی' پلیز ایک دفعہ میرے متعلق سوچیئے تو' میں نہیں رہ سکتی تیمور کے ساتھ' میرا دم گھٹ جائے گا' مرجاؤں گی''۔ وہ تو روہانسی ہوگئی آواز بھی بھرا گئی۔

''آپ اس وقت آرام سے سوئیے' ہم کل بات کریں گے' کسی اچھی سی جگہ پر''۔ وہ تو گھبرا گیا۔

''آپ مجھے ٹال رہے ہیں''۔ وہ مشتعل ہوگئی۔

''آپ سمجھنے کی کوشش تو کریں''۔

''سمجھ آپ نہیں رہے ہیں' ٹھیک ہے' آپ کو ضد ہے تو مجھے بھی ہوگئی' میں صرف آپ کے سپنے دیکھتی ہوں' اگر کوئی میرے جسم و جاں کا مالک ہے تو حمدان وہ آپ ہیں''۔

''شٹ اپ....!'' وہ تو دھاڑ اُٹھا۔ امی کے قدم چوکھٹ پر رُک گئے' حمدان نے موبائل آف کیا اور تکیہ کے نیچے رکھ دیا' دماغ تو پہلے ہی بھاری تھا' اب تو دل پر گھبراہٹ ہوگئی' واش روم میں چلا گیا' امی نے ساری گفتگو سن لی تھی۔

☆

وہ اتنی سمجھدار' ریزروی تھی پتہ نہیں کہاں سے اس میں اتنی سرکشی اور ضد آ گئی تھی' وہ خود پر حیران تھی' یہ تو نہیں تھی اس کی شخصیت' سمجھ بوجھ رکھنے والی' ہر معاملے کو کتنے اچھے طریقے سے وہ ہینڈل کرتی تھی' حتیٰ کہ حمدان تک کو اس نے ہینڈل کرلیا تھا' جب وہ ڈیڈی کی گاڑی کے آگے آیا تھا' کتنی مشکل سے باتوں میں الجھا کے ہوسپٹل میں روکا' پھر اسے جاب پر بھی لگایا' وہ اتنی ڈیسنٹ طبیعت کی تھی' پھر وہ ایسی کیوں ہوگئی تھی؟ چہرہ تکیہ میں چھپا کے رونے لگی' اپنی شخصیت گم ہونے کا ملال بھی تھا اور اپنے جذباتیت بھرے انداز پر بھی دکھ تھا' ان سب کا ذمہ دار وہ حمدان کو ٹھہرا رہی تھی۔

''حمدان احمد! تم نے میری شخصیت بدل دی ہے' اور تم اپنی شخصیت کو سنبھالے بیٹھے ہو' میرا تو نقصان کردیا' تمہاری نظروں میں گر تو میں گئی' کتنی سوبر میری سوچیں تھیں' سب تم نے بگاڑا ہے''۔ وہ لب کچل رہی تھی' اتنا بڑا نقصان اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا' پھر تیمور کو جب جب سوچتی اسے اور بھی غصہ آتا' ڈیڈی اتنے خوش تھے ایک دفعہ بھی اس سے نہیں پوچھا' پھر دوبارہ اس نے یہ دل سے فیصلہ کیا ہے یا نہیں۔

''ڈیڈی! آپ نے مجھے لاڈنخروں میں پالا' اعلیٰ تعلیم دلوائی' ہر طرح کی آزادی دی' مگر جب جیون ساتھی کا فیصلہ کرنے کا وقت آیا' وہ آپ نے خود کرلیا''۔ اسے یہی دکھ غم احساس سب مارے ڈال رہا تھا۔

''ممی بے چاری' وہ تو میری طرف دیکھتے ہوئے ڈرتی ہیں''۔ اسی وقت دروازے پر ناک ہوئی' اریشماء چونک گئی' جھٹ چہرہ صاف کیا' ضرور ممی ہوں گی اور وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو جائیں گی۔

''اریشماء بیٹا! آپ ابھی تک سوئی نہیں''۔ فوزیہ روحیل اندر آ گئی تھیں۔

''ممی! مجھے نیند ہی نہیں آ رہی''۔ وہ تکیہ درست کر کے پیچھے ہوئی' فوزیہ روحیل نے اس کا چہرہ جانچ لیا تھا' وہ رو رہی تھی' اور ان کا دل تو پہلے ہی بے چین تھا۔

''جب ہمت نہیں تھی تو اب رونا بے کار ہے''۔ ان کے لہجے میں بھی دکھ اور افسردگی پنہاں تھی' انہیں تو یہ بھی نہیں پتہ تھا' ان کی بیٹی پسند کسے کرتی ہے' جو اتنا خود کو ہلکان کئے ہوئے ہے' کون تھا جو اسے دکھ دے گیا' اور اس نے اپنے دل و دماغ کے خلاف اتنے بڑے فیصلے پر رضامندی دے دی' مسز روحیل اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر

www.Paksociety.com

بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں' اریشماء کی آنکھیں بھرا گئیں۔

''مجھے بتاؤ گی کون تھا جسے میرے بیٹی نے پسند کیا تھا؟'' اریشماء نے کروٹ لی' دل میں جو بسا ہوا تھا وہ اسے چاہ کر بھی بھلا نہیں سکی تھی' حمدان کی باتیں' رویہ اسے ہرٹ کر رہا تھا۔

''اریشماء بیٹا! مجھے بھی تو بتاؤ کون ہے وہ؟''

''ممی! کوئی فائدہ نہیں بتانے کا''۔ آواز بھرا گئی۔

''کہتے ہیں دل کی باتیں کر لینے سے دل میں جو بوجھ ہوتا ہے وہ کم ہو جاتا ہے' میں اندازہ کر سکتی ہوں میری بیٹی کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہے' وہ اتنی مجبور ہو گئی ہے اپنے باپ کے آگے' کمزور پڑ گئی ہے' ضرور کوئی ایسی بات ہے جو تم نے اتنا بڑا فیصلہ اپنی مرضی کے خلاف کیا ہے''۔ مسز روحیل کی بھی آنکھوں میں نمی آ گئی' وہ ماں تھیں اور ان کی ایک ہی تو اولاد تھی' اس کی خوشی نہیں پوری ہو رہی تھی' تکلیف انہیں ہی ہو رہی تھی' کتنی دفعہ روحیل سکندر سے بھی بات کرنا چاہی' مگر وہ اپنے بھتیجے کی محبت میں جیسے کچھ سننا ہی نہیں چاہتے تھے' وہ سمجھ رہے تھے ان کی بیٹی کے لئے ان کا بھتیجا ہی بیسٹ رہے گا' جبکہ وہ تیمور کی فطرت کو سمجھتی تھیں' اسے اریشماء سے محبت وغیرہ کچھ نہیں تھی' وہ گھر اور آفس پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔

''جب وہ مجھے مل ہی نہیں سکتا' دل کی باتیں کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں''۔ کچھ دیر پہلے حمدان کی باتوں نے اسے اور اُداس اور غمگین کر دیا تھا۔

''کیا پتہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسے ہی رکھا ہو' کیونکہ جب محبت میں شدت زیادہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ بھی ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے''۔ وہ اس کے دل میں امیدیں باندھ رہی تھیں' اریشماء حیرانگی سے چونک کر اٹھ کر بیٹھ گئی' ممی اور ایسی باتیں.... وہ تو سمجھی تھی ممی اسے یہی کہیں گی تم بھول جاؤ' وہ تو اس کی محبت کو اور ہی آگے تک لے جانے کی بات کر رہی تھیں۔

''ممی! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں' کیونکہ میں چاہتی ہوں میری بیٹی جسے چاہتی ہے' اگر وہ بہت اچھا ہے تو اسے تمہارا نصیب بنا دے''۔ انہوں نے اریشماء کا ماتھا چوم لیا' وہ ممی کے گلے سے لگ گئی' اسے نہیں پتہ تھا ممی اس کے دل کے درد کو اتنی گہرائی سے سمجھیں گی۔

''جلدی سے بتاؤ کون ہے وہ خوش نصیب جس کے لئے میری بیٹی اتنی اُداس ہے؟ اپنی خوبصورتی کو بھی خراب کرنے پر تلی ہوئی ہے' رو رو کے''۔ لہجے میں بشاشت رکھ کر اسے دیکھا۔ اریشماء جھینپ گئی' جب بھی اس ستم گر کے بارے میں سوچتی اور بے چین ہو جاتی۔

''حمدان احمد!'' نگاہ نیچی رکھی ہوئی تھی۔

''حمدان....!'' حیران تو وہ ذرا بھی نہیں ہوئی تھیں بلکہ مسکرا رہی تھیں۔

''مجھے تو بہت پہلے پتہ تھا''۔

''کیا.... ممی آپ!'' اریشماء حیران ہوئی۔

''ہاں مجھے سب خبر تھی' مگر پہلے میں پسند نہیں کر رہی تھی' مگر میں نے تمہارا جھکاؤ شروع سے حمدان کی طرف دیکھا ہے''۔ مسز روحیل نے ذرا بھی اچنبھا اور حیرانگی ظاہر نہیں کی تھی۔

''تم نے حمدان سے بات کی کیا کہتا ہے؟''

''وہ پتہ نہیں ممی! میری طرف توجہ ہی نہیں دیتا' مجھے ہرٹ کر کے رکھا ہوا ہے''۔ اس نے آہستہ آہستہ سب کچھ بتا دیا۔ مسز روحیل گہری سوچ میں پڑ گئیں' وہ اسے اپنے گلے سے لگا کر تھپکی دینے لگیں' ان کی جان تھی' وہ اس کی خوشی کے لئے کچھ تو کریں گی' پھر حمدان جیسا خوددار نوجوان اس زمانے میں بہت مشکل سے ملتا ہے۔

☆

خود کو سنبھالنے میں اس نے تین دن لگائے' رو رو کے وہ آدھی ہو گئی تھی' مگر رونے سے ٹینشن اس کی ختم نہیں ہوئی تھی' وہ وہی تھی' ڈیڈی بہت خوش تھے' وہ جیسے اس سے پوچھنے کی دوبارہ غلطی بھول کے بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اریشماء نے خود کو مضبوط بنانے کی پوری کوشش کی ہوئی تھی' حمدان کے سامنے خود کو کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی' آفس تو چھوڑ ہی رہی تھی' مگر ممی نے سمجھایا تو آنے پر راضی ہو گئی' خود کو مصروف بھی رکھنا چاہتی تھی۔ لیمن کلر کے پرنٹڈ شرٹ اور دوپٹہ اور پلین ٹراؤزر میں وہ شاٹ کٹ بالوں کو کیچر میں مقید کئے خاصی سنجیدہ اور خاموش لگ رہی تھی' حمدان اس کی خاموشی نوٹ کر رہا تھا جو اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی' روحیل سکندر سے وہ کسی بات پر ڈسکس کر رہی تھی' اور وہ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

''حمدان! آپ وہاں کا وزٹ کر لیں' دیکھ لیں کام ٹھیک طرح تو ہو رہا ہے یا نہیں؟'' روحیل سکندر اپنی گفتگو سے فارغ ہو کر مخاطب ہوئے۔

''سر! آپ مس اریشماء کو بھیج دیں' یہ بھی دیکھیں وہاں ان کے ڈیزائن کئے پروجیکٹ پر کیسا کام ہو رہا ہے''۔ حمدان نے انہیں یاد دلایا۔

''مجھے جب دیکھنا ہوگا میں دیکھ لوں گی' آپ کو ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ اگلی پچھلی تمام باتوں کا بدلہ لینا چاہتی تھی' اسے بھی غصہ آ گیا تھا' حمدان کو زچ کرتی رہے گی وہ اگر اسے اگنور کر رہا ہے تو وہ اسے ٹینشن دیتی رہے گی۔ حمدان سے ایسا سرد رویہ اتنی ناگواریت وہ سمجھ تو رہے تھے' حمدان نے اسے ہرٹ کیا ہے' اور وہ جوابی طور پر غصہ ہی دکھا رہی ہے۔

''اریشماء بیٹا! آپ حمدان کی بات کا غلط مطلب لے رہی ہیں''۔ انہیں حمدان پر جیسے ترس آیا۔

''سر! کوئی بات نہیں' میڈم کی مرضی جب بھی دل کرے یہ چلی جائیں''۔ وہ اکثر اسے کبھی میم' میڈم اور مس کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

''ڈیڈی! میں جو بہتر سمجھتی ہوں وہ کہا ہے' انہیں پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے' یہ اپنے کام سے کام رکھیں''۔ وہ حمدان کے سرد پڑتے چہرے کو دیکھنے لگی' مگر وہ پھر بھی تحمل کا مظاہرہ ہی کر رہا تھا' اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی جو آج اتنی سادگی میں بھی دلکش لگ رہی تھی' سرخ و سپید رنگت' غازوں کی سرخی' گلاب کی پنکھڑی ہونٹ' حسن سے تو وہ مالا مال تھی' حمدان نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی دلکشی میں کھو گیا تھا' کتنے دنوں سے وہ بھی دل کی عدالت میں کھڑا تھا' وہ پرائی ہونے جا رہی تھی' اور اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی' اتنی سنجیدہ طبیعت کا تھا اس پر بھی کسی صنفِ نازک نے اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

''اوکے''۔ وہ سر اُٹھا کے گویا ہوا۔

''حمدان بیٹا! آپ کل سے اپنے کام پر لگ جائیے' تین دن بعد اریشماء کی انگیج منٹ ہے' ساری ذمہ داریاں آپ نے سنبھالنی ہیں' کیونکہ مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے''۔

''آپ بے فکر رہئے' تمام کام بہت اچھے طریقے سے انجام دوں گا''۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

www.Paksociety.com

''ڈیڈی! آپ انگیج منٹ کے فنکشن کا کوئی کام ان سے نہیں کروایئے''۔ یکدم ہی وہ گویا ہوئی' وہ دونوں ہی چونک کر دیکھنے لگے' حمدان تو سمجھتا تھا وہ کبھی بھی نہیں چاہے گی' میں ایسا کوئی کام کروں' کونسا حمدان کا بھی دل تھا وہ کچھ کرے' وہ تو اس کی انگیج منٹ میں بھی نہیں جانا چاہتا تھا' مگر پھر یہ سوچا کہ اگر نہیں جائے گا تو اریشماء سوچے گی وہ اسے پسند کرتا ہے' جب ہی کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا' ایسی خوش فہمی میں اسے ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

''کیوں....؟'' وہ گویا ہوئے۔

''انہیں پروجیکٹ کو دیکھنے دیں' میں بھی نہیں جاسکتی' آپ کی بھی مصروفیت ہے''۔ اریشماء نے خود ہی ریزن بھی دیا اور بات کو سنبھالا' وہ خود بھی چاہتی تھی حمدان یہ سب نہیں کرے اور اگر وہ انگیج منٹ میں آئے گا تو وہ کہیں خود پر کنٹرول نہ کھودے اور ڈیڈی کی سب کے سامنے انسلٹ ہو جائے' مگر تیمور کو حمدان کی جگہ دینا کتنا مشکل ہے۔

''ہوں.... یہ بھی ٹھیک ہے''۔ روحیل سکندر کی بھی سمجھ میں آ گیا۔ حمدان ان سے اجازت لے کر روم سے نکل گیا' مگر ذہن منتشر ہو گیا' اریشماء کا ایسا رویہ جانے کیوں دل کو دکھ اور افسوس کیوں ہو رہا تھا' جبکہ وہ تو یہی چاہتا تھا' پھر اب جبکہ اریشماء نے خود ایسا کہا تو پھر کیوں مضطرب ہو رہا تھا؟ چیئر پر بیٹھ گیا تھا' مانیٹر اسکرین آن تھی' حالانکہ بہت کام تھا اور اسے اریشماء سے ڈسکس بھی کرنا تھا' ذہن کو جھٹکا اور اپنے کام میں لگ گیا' لنچ تک وہ بہت بزی رہا' جب اریشماء ناک کر کے روم میں آئی تو اس نے سرسری نگاہ اٹھائی' اس کی مخصوص مہک حمدان کے اطراف میں پھیل گئی' وہ اور ڈسٹرب ہو گیا' اریشماء اس کی پشت کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''حمدان! آپ خود کو بہت مضبوط سمجھتے ہیں؟'' طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''میں اس وقت آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا''۔ لہجہ سپاٹ اور ناگوار تھا۔

''کیوں نہیں دے سکتے؟ سچ نکل جائے گا آپ کے منہ سے''۔ وہ سینے پر بازو لپیٹ کے اس کے سامنے آ گئی' نگاہوں میں تنقید تھی' وہ ایک نظر ڈال کر رہ گیا۔

''جو سچ تھا میں آپ کو دس ہزار مرتبہ سمجھا چکا ہوں' مجھے آپ کی ذات سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے' آپ خواہ مخواہ خود کو میری نظروں میں گرا کر بے وقعت کر رہی ہیں''۔ لہجہ تیز اور درشت ہو گیا۔

''محبت کا اظہار کرنا خود کو گرانا ہوتا ہے؟''

''پلیز اسٹاپ اِٹ!'' وہ زچ ہو گیا' روز کی انہی باتوں سے وہ چڑنے لگا تھا۔

''اگر آپ کا دل صاف ہے' تو مجھ سے بات کریں' بچ کیوں رہے ہیں؟'' اریشماء جز بزسی ہو گئی۔

''بچ نہیں رہا' آپ غلط سوچتی ہیں' ہمیشہ میرے متعلق''۔ نرم لہجے میں گویا ہوا۔

''میں تو ہمیشہ اچھا ہی سوچتی ہوں آپ کے متعلق' مگر شاید آپ مجھے غلط سمجھتے اور سوچتے ہیں''۔ لہجے میں محرومی' حسرت اور افسردگی سب ہی عیاں تھی' حمدان پہلو بدل کر رہ گیا' اریشماء بالکل سادہ بات کرتی تھی' اسے اس کی یہی سادگی اور دلکش بنائے ہوئے تھی۔

''میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں' اور آپ میری باس ہیں' اور میں آپ کے متعلق ایسا ویسا غلط سوچنے کی جرأت کر بھی نہیں سکتا''۔ اس نے جواب میں یہ کہا۔ اریشماء لب بھینچ کر رہ گئی' آنکھیں چھلکنے کو تیار ہو رہی تھیں' مگر وہ رو رو کے خود کو بے وقعت نہیں کرے گی' بہت آنسو بہا لئے' اب اسے سب برداشت کرنا ہے' جب سے ممی نے اس کی امیدیں بڑھائی تھیں اسے گونا گوں سکون مل گیا تھا۔

''پھر آپ کو میں نظر کیوں نہیں آتی؟''

''مجھے آپ سے زیادہ بہت کچھ ایسا نظر آ رہا ہے جو شاید آپ کو ابھی نظر نہیں آ رہا ہے''۔ حمدان نے ذو معنی لہجے میں اسے جتایا۔

''میں سب سمجھتی اور جانتی ہوں' اگر آپ میرا ساتھ دیتے تو جو کچھ آپ کو نظر آ رہا ہے اس کا ہم مل کر مقابلہ کرتے''۔

''مس اریشماء! ایسی باتوں کا اب کوئی فائدہ نہیں' آپ نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہیں' سچے دل سے تیمور کو قبول کریں' صرف تیمور کو سوچیئے' آپ کے ذہن میں پھر آس پاس کی چیزوں کا خیال تک نہیں آئے گا''۔ اس نے مدبرانہ انداز میں اسے سمجھانے کی پھر کوشش کی۔

''کسی کو مشورہ دینا بہت آسان ہوتا ہے اور جب عمل کرنے کی خود کی باری آتی ہے' سب سے کٹھن اور مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے' سوچیئے گا میری بات کو' آپ کیا مجھے بھول سکیں گے؟ مجھے تیمور کے ساتھ دیکھ سکیں گے؟'' وہ بولتی جا رہی تھی اور حمدان گنگ سا اس کی سنے گیا' وہ ہر بات کتنی آسانی سے کہہ دیتی تھی جبکہ وہ ناپ تاپ کے گفتگو کرنے والا شخص تھا اسے تو آگے کی فکر تھی' اگر اریشماء نے جذبات میں آ کر کچھ اُلٹا سیدھا کر دیا تو یہ تو حمدان کے لئے بھی شرمندگی کی بات ہو گی' اسے اریشماء کو نارمل کرنا تھا۔

☆

اس نے شیبا کا ایڈمیشن کروا دیا تھا' شہران کو اس نے اچھی طرح سنا کے اس سے پیسے بھی لے لئے تھے' وہ پتہ نہیں کیوں حرما سے دب گیا تھا' یہی سب کے لئے حیران کن تبدیلی بھی تھی' پہلے گھر میں ایک ڈرے سہمے رہتے تھے' شہران جب بھی گھر میں ہوتا' بہنیں ڈری ہوئی رہتی تھیں' مگر بسمہ پھر بھی شہران سے فری تھی' اسے تڑتڑ جواب دے کرلا جواب کر دیتی تھی' شہران واحد بسمہ کو کچھ نہیں کہتا تھا' یا اب حرما جب سے اس گھر میں آئی تھی وہ ادب و لحاظ میں رہنے لگا تھا' چیخ و پکار کچھ کم ہو گئی تھی' مگر محمد احمد سے اس کی طنزیہ تکرار چلتی ہی رہتی تھی' کب سے وہ کچن میں تھی اور وہ روم میں تھا' آج بہت خوش بھی تھا۔ اسے مقامی کالج میں لیکچرار کی جاب مل گئی تھی' تنخواہ بھی ٹھیک ٹھاک تھی' حرما کو وہ یہ خبر سنانا چاہتا تھا مگر وہ ایسی مصروف تھی کہ ایک دفعہ بھی روم میں نہیں آئی تھی۔

''بسمہ.... بسمہ!'' اس نے صحن میں گزرتی بسمہ کو آواز دی۔

''جی بھائی جان!'' وہ دوڑ کے اندر آئی۔

''اپنی بھابی کو اندر بھیجو''۔ اسے یوں بلانا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا' مگر جب صبر نہیں ہوا تو بلانا پڑا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی' وہ وارڈ روب کھول کے کپڑے نکالنے لگا' آج حرما نے وہ بھی نہیں نکالے تھے' کچھ ہی دیر میں اورنج پرنٹڈ کاٹن کے کپڑوں میں ملبوس تھکی تھکی اندر آئی' اپنا حلیہ اس نے بالکل گھریلو سا بنا لیا تھا' ذرا بھی خود پر توجہ نہیں دیتی تھی' پھر ذیشان بھی خود نہیں بولتا تھا' کیونکہ ابھی وہ برسر روزگار نہیں ہوا تھا' اسے خود سے کوئی شاپنگ بھی نہیں کروائی تھی' حمیرا بیگم نکاح پر جو چند سوٹ لے کے گئی تھیں' وہی وہ پہنتی تھی یا پھر گھر سے رخصت ہوتے وقت اس کی امی نے ایک سوٹ کیس دیا تھا' جس میں اس کے کپڑے اور ضرورت کی چند چیزیں تھیں۔

''سوری میں کچن میں ہی لگی رہی' آپ کے کپڑے نکالنا بھول گئی''۔ حرما کو شرمندگی ہوئی۔

''کچھ وقت مل سکتا ہے' آپ کے اس مظلوم شوہر کو؟'' لہجے میں شوخی وارفتگی سموئے اسے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھا۔

(جاری ہے)

www.Paksociety.com

ثنا خان صنعا

مکمل ناول

پیار کی گلابی وادیوں میں

پارک میں صبح صبح کا دل کش سا نظارہ ماحول کی رعنائی کو بڑھا رہا تھا‘ جہاں کچھ عورتیں واک کررہی تھیں تو کچھ بزرگ ہاتھوں میں تسبیح تھامے محو گفتگو تھے‘ وہیں کچھ شریر سے بچے باغ میں لگے امرود کے درخت پر پتھر مارتے اور جو پھل نیچے گرتا اس پر چھینا جھپٹی کرتے فضا میں نٹ کھٹ سا شور بیدار کرتے‘ تو پرندے کیوں پیچھے رہتے وہ بھی اپنے اپنے راگ الاپنے میں سب سے آگے آگے تھے‘ وہیں مہیرہ بھی جاگنگ کرتی اس ماحول میں خود کو فٹ کیے ہاتھ میں رجسٹر تھامے رٹے لگانے میں منہمک تھی‘ ایک نظر رجسٹر پر ڈالتی پھر چہرہ دوسری سمت کرکے اسے ریپیٹ کرتی‘ پارک میں موجود تقریباً سبھی لوگ اس کی طرف متوجہ تھے کہ محترمہ میں سکون نام کی کوئی چیز کیوں نہیں‘ کبھی اس حصے میں جاتی جہاں اپنی شیٹ بچھا کے فروٹس‘ جوسز بکس رکھے ہوئے تھے وہاں جاکے سیب اٹھاتی پھر بھاگتی ہوئی رٹا لگانے میں محو ہوجاتی تو کبھی رجسٹر پٹخ کے جوس پینے بیٹھ جاتی‘ کبھی بچوں کو دیکھتی ان کی شرارتوں پر مسکراتی‘ کچھ یاد آنے پر پھر سے بکس پر واری صدقے جاتی اور خود کو کتابی کیڑا ظاہر کرتی۔

”گڈ مارننگ مہیرہ ہاؤ آر یو......؟“ ابھی وہ جوس کا دوسرا گلاس اٹھا کے پینے ہی لگی تھی جب اپنے قریب اسے عمیمہ کی پھولی پھولی سانس میں قدرے بھاری سی آواز سنائی دی تو مہیرہ نے اپنے عنابی لبوں پر دھیمی سی مسکان سجائے فائن کہتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ اس کے پاس دھم سے بیٹھ گئی اور سیب کھانے لگی۔

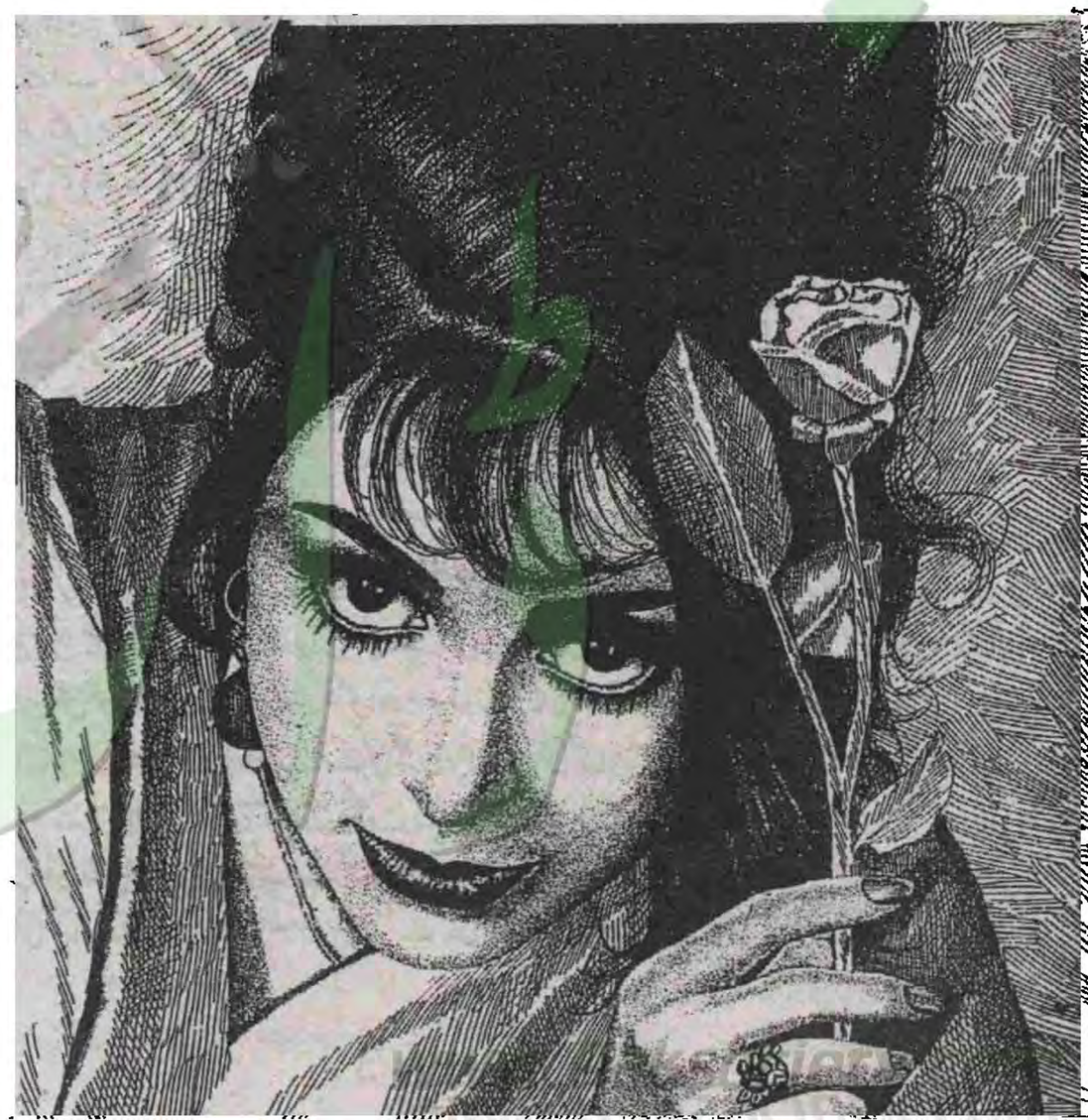

''پیپر کی تیاری کیسی رہی.....؟''مہیرہ نے تھرماس میں سے اس کے لئے جوس نکالتے ہوئے پوچھا جو سیب کھاتے ہوئے رجسٹر چیک کررہی تھی۔

''فنٹاسٹک یار! تمہیں پتہ تو ہے کہ میں اپنی ٹائم کچھ نہیں کرتی تمہاری طرح''۔عمیمہ نے مسکراتی آنکھوں سے کہتے ہوئے مہیرہ کو چھیڑا مگر وہ اس کی بات ناک پر بیٹھی مکھی کی طرح اڑا گئی۔

''اور تمہیں یہ بھی پتہ ہے کہ تم چاہے چار ماہ پہلے تیاری شروع کرو مگر مہیرہ عدیل نہیں بن سکتیں کیونکہ میں رسک لیتی ہوں اور ہمیشہ کامیاب رہتی ہوں' انڈر اسٹینڈ مائی فرینڈ''۔ بائیں آئی برو کو اوپر اٹھاتی وہ اک ادا سے چہرہ اونچا کئے عمیمہ کو شوخی سے دیکھنے لگی۔

''یس جی آئی نو چلو اب جلدی سے گھر کی راہ لیں' ریڈی ہو کے کالج بھی نکلنا ہے''۔عمیمہ نے جلد ہی اس سے ایگری ہو کے سامان سمیٹنا شروع کردیا ایک تو آج پہلا پیپر تھا دوسرا مہیرہ سے بحث میں کوئی جیت نہیں سکتا تھا۔

☆

''مگر تمہاری بات اس مرتبہ نہیں مانی جائے گی' سمجھے تم''۔سردار جہانداد ملک نے سختی سے اپنے سامنے بیٹھے سپوت کو ڈپٹا۔

''لیکن آغا جان! اس میں حرج ہی کیا ہے آپ خوامخواہ بات کو انا کا مسئلہ بنا رہے ہیں''۔فضیل ملک نے جھنجھلا کر کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا مگر مقابل اس کے والد تھے۔

''فضیل کی ماں! اسے کہو یہاں سے چلا جائے ورنہ.....''سردار صاحب نے کھردرے لہجے میں اپنی زوجہ سے کہا جو پاس بیٹھی ان کی تکرار سن تو رہی تھیں مگر اس ماحول سے انجان بنی بیٹھی تھیں۔

''فضیل پتر! ابھی تم باہر جاؤ پھر بات ہوگی شاباش''۔انہوں نے آنکھوں سے اسے سمجھاتے ہوئے پچکارتے ہوئے کہا تو وہ چپ کر کے باہر نکل گیا۔

''سردار صاحب! یہ اب بچہ نہیں ہے' سنبھالیں خود کو اس طرح تو آپ خود اسے ضدی بنا رہے ہیں تسلی رکھیں''۔ رینا بیگم نے انہیں پانی پلایا اور سمجھانے لگیں۔

''مگر وہ نالائق پیار سے مانتا بھی تو نہیں ہے''۔اپنی چادر کا کونہ جھٹک کر پھر سے کندھے پر ڈالا۔

''مان جائے گا' مجھے تھوڑا ٹائم دیں ویسے اس کی بات بھی غلط نہیں اور نہ ہی ناجائز اگر ہم پہلے.....''

''خاموش اب ایک لفظ نہیں اگر اس کی ضد ہے تو پھر یاد رکھے وہ کہ ہم اس کے باپ ہیں بات سمجھے.....''رینا بیگم کے مزید کچھ کہنے سے پہلے انہوں نے غصے سے دھاڑ کے انہیں خاموش کروادیا اور خود کمرے سے نکل گئے تو رینا بیگم سر جھٹکتے ہوئے سوچ میں ڈوب گئیں کہ کیا کریں.....؟

☆

''دیکھو! اس میں مضائقہ کیا ہے فضیل آغا جان جو کہتے ہیں وہ کرلو پھر رومیل تم سے دو سال چھوٹا ہے اس طرح تو.....''

''اپنے یہ چینی کے بھاؤ جتنے مہنگے مشورے دماغ کی کسی سیف لاکر میں لاک کر کے رکھو کبھی تمہارے اپنے کسی کام آئیں گے ہونہہ..... رومیل چھوٹا ہے''۔فضیل نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور تنک کے بات کے آخر میں اس کی نقل اتاری' تو گل نے منہ پھلا کر دوسری طرف کرلیا۔

''گل پلیز..... ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ یار میں ابھی اپنے گروپ کے ساتھ کشمیر جانا چاہتا ہوں وہاں جہاد کریں گے

ہم نوید کے دس فون آچکے ہیں وہ صرف میری وجہ سے رکے ہوئے ہیں ورنہ کب کے نکل جاتے' تم آغا جان کو سمجھاؤ کہ رومیل کی شادی کردیں' مجھے کافی ٹائم بھی لگ سکتا ہے آنے میں''۔گل کو تفصیل بتاتے ہوئے وہ اٹھ کے دراز سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''اور تم کشمیر جہاد کرنے ماں باپ کی بناء اجازت کے جاؤ گے.....؟''گل نے حیرت سے فضیل کو دیکھا جو جلدی جلدی سے ڈائری میں کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

''یا گل ہوں ناں میں کہ انہیں انفارم کردوں اور وہ تو جیسے مجھے بخوشی بھیج دیں گے تف ہے تم پر مس گل لالہ! اور ویسے بھی ابھی تو ٹریننگ ہے جب مکمل سیکھ لی تو اجازت سے ہی جاؤں گا اب آیا اس تربوز میں''۔پہلے تو اس پر کف ملتے کہا پھر اس کا سر پکڑ کے ہنسی دباتے استفسار کیا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک کے چادر درست کرنے لگی' مگر لب خاموش ہی تھے۔

''اچھا اب لاسٹ والی پکی سوری کہ میں تربوز کے بجائے اس کا کوئی اور ڈیسنٹ سا نام رکھ دوں گا مگر تم وعدہ کرو کہ آغا جان سے بات کروگی''۔فضیل نے ڈائری سائیڈ پر رکھی جس میں وہ نمبر فیڈ کررہا تھا اور گل کے سامنے آتے ہی اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کی تو گل نے جھٹ سے سامنے ریک میں رکھی اپنی سینڈل اٹھا کر اس کے ہاتھ پر رکھی اور بھاگ گئی فضیل نے پہلے سینڈل کو گھورا پھر اسے دوسری طرف اچھال کے بیڈ پر رکھی ڈائری اٹھالی۔

☆

''مام ابھی ایگزام سے فارغ ہوئی ہوں پلیز جانے دیں ناں ٹرپ پر مجھے''۔مہیرہ چہرے پر دنیا جہان کی مسکینیت طاری کرتے ہوئے سراپا التجا بنی ندا بیگم کو ان کے ارادے میں ناکام بنا رہی تھی کیونکہ وہ بھیجنا نہیں چاہتی تھیں اور یہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔

''جانو پلیز تنگ مت کرو' آپ کے پپا بھی اداس ہوجائیں گے اور میں خود بھی' اچھا ایسا کرتے ہیں کہ ہم تینوں چلتے ہیں کیسا.....؟''ایپرن باندھتے ہوئے انہوں نے تجویز دی جو کہ مہیرہ کو ذرا نہ بھائی کیونکہ پپا کی میٹنگز ہی ختم نہیں ہورہی تھیں اور وہ اپنے کالج گروپ کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔

''مام! ہم بھی چلیں گے لیکن مجھے کالج ٹرپ کے ساتھ جانا ہے' یہ تو موقع بار بار نہیں ملے گا اور پھر حناطہ آپی ہیں ناں آپ ان سے کانٹیکٹ میں رہیں گی تو بوریت آپ کو دور سے دیکھتی بھاگ جائے گی''۔وہ شیلف پر بیٹھی ابلے ہوئے چنے کھا رہی تھی۔ مام کے جواب پر کھسکتے ہوئے ان کے قریب آکے اس نے پوچھا تو ان سے اس کا لاچار اور اترا چہرہ دیکھا نہ گیا۔

''اچھا بابا جاؤ' تیاری پکڑو میں تمہارے پپا سے بات کرلوں گی خوش''۔

''وہ مارا''۔فضا میں مکالہراتے ہوئے چٹاچٹ مام کے رخساروں کو چومتی وہ پل میں غائب کچن سے۔

☆

''سو گریٹس..... عمیمہ کتنے جاذب نظر دل میں اتر جانے والے مناظر ہیں میرا دل کررہا ہے گاڑی رکوالیں یہاں''۔مہیرہ مسحور کن احساس میں ڈوبی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسائے کھڑکی سے ناک چپکائے بیٹھی تھی۔ پورا گروپ بہت خوش تھا کچھ لڑکیاں مہندی لگا کے دوران سفر اسے یادگار بنا رہی تھیں تو کچھ موویز بنانے میں مشغول تھیں' صاف ستھری سڑک کے اطراف میں لگے درخت جو کہ ہوا سے لہراتے ہوئے بہت خوبصورت لگ رہے تھے وہیں نیلے گگن پر اکا دکا اٹکھیاں کرتیں چند بدلیاں ہری بھری اوپر نیچے آتی ڈھلوان سطح جس پر کچھ پرندے مختصر قیام کے لئے

www.Paksociety.com

بیٹھے وہاں کی رونق بڑھا رہے تھے۔ پھر ایک خوبصورت سے پبلک پوائنٹ پر وہ اترے' وہاں خوب انجوائے کیا کھایا مہیرہ منہ دھونے واش روم جانے لگی تو اس کے کلاس فیلو آذر نے اسے روکا۔

''مہیرہ! ایک منٹ بات سنو''۔ اور وہ رک کر اسے دیکھنے لگی وہ کمال پھرتی سے واش روم میں جا گھسا پھر دروازے سے منہ نکال کے بولا۔

''تم ایک منٹ واسق کی کوئی بھی بات سنو میں آیا''۔ چٹکی بجاتے شرارت سے دروازہ بند کر گیا تو عمیمہ واسق اور مہیرہ اس کی چالاکی پہ ہنس پڑے۔

''چلو بچوں جلدی سے واپسی کی تیاری کرو''۔ میڈم کی پکار پر سب نے لبیک کہا اور گاڑی میں بیٹھنے لگے۔

''گاڑی تک جاتے ہوئے موبائل کا ٹارچ جلا لو اور روشنی مجھ پر اور واسق پر رکھنا مہیرہ!'' عمیمہ' نشاط' عنبر' آذر' واسق اور مہیرہ بس میں جانے لگے تو آذر کی بات پر پرس سے چیونگم نکالتی مہیرہ نے الجھتی نظروں سے آذر کو دیکھا۔

''اصل میں رات کافی ہوگئی ہے اور میرا واسق کا رنگ بھی کالا ہے سو مجھے ڈر ہے کہیں ہم اندھیرے میں گم ہو جائیں اور تم ہمیں یہیں بھول جاؤ''۔ شرارت سے چمکتی آنکھیں مگر لہجے میں بھولپن لاتے ہوئے وہ سب کو ہنسنے پہ مجبور کر گیا' کیونکہ آذر کا رنگ صاف تھا واسق کا سانولا' واسق کو چڑ بھی بہت تھی کہ کوئی اسے کالا نہ کہے مگر آذر کے سامنے بے بس سا ہو جاتا جیسے ابھی ہوا تھا۔

☆

''میں نے کہہ دیا اب کچھ کہا تو مجھ سے بات مت کرنا''۔ فضیل کے کپڑوں کی تہہ لگاتے ہوئے رینا بیگم نے تنبیہ کی تو کچھ کہنے کے لئے اٹھتا فضیل واپس بیٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے جو آپ کی مرضی''۔ بالآخر وہ ہتھیار پھینک کے ہونٹ بھینچ گیا۔

''جیتے رہو! خدا ہر قدم پر کامیابی دے میرے بیٹے کو''۔ رینا بیگم نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے دعاؤں کے پھول فضیل پر نچھاور کئے اور کمرے سے باہر آتے ہوئے وہ ملازمہ کو آواز دینے لگیں۔

''رافعہ اری اور رافعہ! کہاں مرگئی جلدی آ''۔ خود اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتیں وہ سردار صاحب کے پاس آ بیٹھیں جو ٹانگوں تک کمبل اوڑھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

''جی وڈیری حکم کریں''۔ گھر کی ڈسٹنگ کرتی رافعہ بی بی ہانپتی کانپتی وارد ہوئی اور مودب ہو کر پوچھنے لگی۔

''ایسا کرو ابھی سردار شجاعت کے گھر جاؤ اور انہیں پیغام دو کہ ہم کچھ دیر میں گل بی بی کی رسم ادا کرنے آ رہے ہیں''۔ ان کی آمد پر کوئی نوٹس نہ لینے والے سردار جہانداد ملک نے ان کی بات سن کر مخمصے میں پھنسے انہیں دیکھا اور ٹی وی آف کر دیا تو رینا بیگم انہیں حیران دیکھ کر مسکرائیں۔

''جی سردار صاحب! اپنا فضیل مان گیا منگنی کے لئے''۔

''ارے واہ نیک بخت! بلاؤ ذرا اس گدھے کو خوامخواہ میرا بلڈ پریشر ہائی کئے ہوئے تھا''۔ خوشی سے ان کی آواز بھیگ گئی کیونکہ سردار شجاعت ان کے چھوٹے بھائی تھے جن کی پانچ بیٹیاں تھیں اور ایک سب سے چھوٹا بیٹا جو کہ 9th کا اسٹوڈنٹ تھا ان کی بڑی خواہش تھی کہ دو بھتیجیاں ان کی بہوبنیں' ان کے تین بیٹے ایک بیٹی تھی جسے وہ بیاہ چکے تھے۔

''جی آغا جان! آپ نے یاد کیا''۔ فضیل ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تو انہوں نے اپنی بانہیں پھیلا دیں' وہ بھی ننھے بچے کی طرح ان میں سما گیا۔

''شہوار بیٹا! جلدی کرو پھر فضیل نے بھی جانا ہے''۔ رینا بیگم نے اپنی بیٹی سے کہا جو فائنل تیاری میں تھی۔

''چلیں مما جی! میں ریڈی ہوں' اسامہ کہاں ہے.....؟'' کان میں جھمکا ڈالتی وہ پورچ تک آئی۔

''ہاں وہ فضیل کے پاس ہے بے فکر رہو''۔ سارا سامان چیک کرتے ہوئے انہوں نے ڈرائیور سے چلنے کو کہا۔

پھر گل کو انگوٹھی پہنائی گئی خوب ہنگامہ برپا کیا' پھر شہوار گل کو زبردستی اپنے ساتھ لے آئی۔

''اچھا بیٹا! اپنا خیال رکھنا یاد سے فون کرتے رہنا''۔ رینا بیگم نے دھاگہ اس کے دائیں بازو پر باندھتے ہوئے رقت بھرے لہجے میں کہا پھر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کافی دعائیں پڑھ کے اس پر پھونکیں ماریں' گاڑی تک جاتے جاتے فضیل نے بیلوں کی اوٹ میں کھڑی گل کی آنکھ سے آنسو اپنی پور پہ سمیٹا تو وہ سٹپٹا سی گئی۔

''مجھے آنسوؤں کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے سمجھیں' چلو جلدی سے آنسو صاف کرو اور مسکراؤ''۔ گل کے رخسار کو تھپتھپاتے ہوئے شوخ ہوا تو گل نے اسے بری طرح گھورا۔

''بدتمیز پیچھے ہٹو آغا جان دیکھ رہے ہیں''۔ تو وہ ہنس پڑا پھر سب سے ملتے ہوئے وہ گاڑی میں جا بیٹھا۔ گل بے دھیانی میں کافی دیر ہاتھ ہلاتی رہی حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

''گل جی! وہ جا چکا ہے آپ واپس آ جائیں مراقبے سے''۔ شہوار نے اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے اس کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ برستی آنکھوں سے شہوار کو کہنے لگی۔

''وہ جلدی آ جائے گا ناں.....؟''

''اوں ہوں..... ٹینس نہیں یار دعا کرو کہ وہ کامیاب رہے اور خیریت سے پہنچے''۔ اس کے آنسو پونچھتے گلے سے لگائے وہ خود بھی اندر سے افسردہ تھی۔

☆

کشمیر پوائنٹ پر گھومتے ہوئے وہ سب بے حد خوش تھے پھر آگے جا کے انہوں نے آزاد کشمیر میں اسٹے کیا' وہاں کی خوبصورتی جتنی سنی تھی اس سے بڑھ کے دیکھی' بہتی ٹھنڈی آبشاریں تازہ پھلوں کے باغات دور تک نظر آتی ہریالی' کھٹا کھٹ سب کے کیمرے اور موبائل ان مناظر کو ساکت قید کرنے میں مصروف تھے' کوئی ٹھنڈی آبشاروں سے کھیلتے ہوئے پانی اک دوجے پر ڈالنے لگے تو کوئی پہاڑیوں پر چڑھ کے دوربین سے نظارے لیتے محظوظ ہو رہے تھے مہیرہ بھی سب کی مووی بنا رہی تھی۔ پھر وہ پہاڑی سلسلوں کی سمت آ گئی وہاں اس نے اپنی خود کی مووی بنائی پھر بادام کے درختوں سے بادام توڑے وہیں اس نے ایک قریبی ہوٹل پر تندور میں روٹی لگاتے پٹھانوں کی بھی مووی بنائی' یکدم اس کی نگاہ ایک قدرت کے شاہکار پر جم سی گئی جہاں اک چھوٹی سی ندی پہاڑیوں کے درمیان سے بہہ رہی تھی' اس کے دونوں اطراف بہت شوخ رنگ کے پھول کھلے تھے جن پر رنگ برنگی تتلیاں اڑتی ہوئی یوں محسوس کروا رہی تھیں جیسے پکڑن پکڑائی کھیل رہی ہوں' وہ اردگرد سے بے خبر کیمرہ تھامے لبوں پر دلفریب سی مسکان لئے آنکھوں میں الوہی سی چمک پیدا کئے وہ آگے کو بڑھی دفعتاً اس کی سینڈل پاؤں سے سلپ ہوئی تو ایک نسوانی چیخ چاروں اور گونج اٹھی جس جگہ مہیرہ تھی وہاں اِکا دُکا لوگ تھے انہوں نے آواز کا تعین کرنا چاہا مگر نہ کر سکے۔

''مقصود بھائی! آپ نے نسوانی چیخ سنی''۔

''ہاں یار سنی تو ہے مگر گونج چاروں طرف سے آئی ہے' ایسا کرو دو دو لڑکوں کا گروپ بنا کے اس پہاڑی کے چاروں طرف جاؤ میں یہاں سے جاتا ہوں کم آن''۔ مقصود نے تین دو لڑکوں کی ٹولیاں بنا کر چاروں طرف بھیج دیں

www.Paksociety.com

اور خود بھی گہرائی میں اترنے لگے۔

☆

''میڈم! مہیرہ کہاں ہے.....؟ ایک گھنٹہ ہوگیا نظر نہیں آئی'' ۔عمیمہ پریشان سی میڈم عذرا کے پاس آئی۔

''یہاں قریبی ایک ہوٹل ہے جس کے پاس پہاڑی آبشاریں ہیں وہاں تک کا کہہ کر گئی تھی کمال ہے ابھی تک آئی نہیں چلو آؤ پتہ کریں'' ۔میڈم سراعجاز کے پاس آئیں تو وہ بھی گھبرا گئے۔

''کہاں جاسکتی ہے اکیلی بچی شام کے سائے بھی گہرے ہورہے ہیں' اللہ رحم کرنا ہم پر' کسی کی امانت ہے' سب لڑکوں سے کہو اسے ڈھونڈیں اور ہاں اس کے موبائل پر ٹرائی کیا.....؟'' سراعجاز کے کہنے پر وہاں ایک کھلبلی سی مچ گئی' سب ادھر ادھر بھاگنے لگے' مگر 4 گھنٹے کی تگ ودو کے بعد بھی وہ کوئی سراغ نہ لگا سکے کیونکہ رات کافی گہری ہوگئی تھی اور صبح انہیں نکلنا تھا' تمام گروپ اداس اور سہما سہما تھا' عمیمہ تو رو رو کے ہلکان ہوگئی سب نے بہت سی دعائیں مانگیں' صبح پھر تلاش میں نکلے مگر بے سود کیونکہ وہاں پہاڑیوں کے اطراف میں اتنی گہرائی تھی کہ دیکھتے ہی چکر آنے لگتے اور انہیں معلوم بھی نہ تھا کہ وہ کس طرف گئی ہے' ملول سے وہ سب واپس ہولئے' میڈم اور سراعجاز کی ہوائیاں اس وقت اڑ گئیں جب ندا بیگم یہ سن کر کہ ''مہیرہ کہیں کھائی میں گر گئی کہاں گری یا گئی معلوم نہیں' ہم نے بہت تلاش کیا مگر.....'' وہ بے ہوش ہوگئیں حنظلہ اور حناطہ نے رو رو کر اسپتال سر پر اٹھالیا وہ کل ہی دوبئی سے آئیں تھیں کہ مہیرہ کو سرپرائز دیں گے مگر انہیں کیا پتہ تھا کہ خدا نے ان کے لئے ایک اذیت ناک سرپرائز رقم کر رکھا ہے' پپا خود میں حوصلہ پیدا کئے وہاں پہاڑیوں پر جا نکلے۔

دس دن کی تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی سراغ نہ ملا تو وہ حوصلہ ہارنے لگے' ندا بیگم کا تڑپنا بیٹیوں کا سسکنا ان سے دیکھا نہ جاتا' وہ بھی دن رات دعا کرتے۔

''اے خدا اگر وہ کہیں گر کے مرگئی تو اس کی باڈی ہی مل جائے کم سے کم ہمیں سکون تو مل جائے'' ۔مگر ان کی دعا ابھی قبولیت کے شرف سے محروم تھی۔

☆

''سنو گڑیا! یہ لو پانی پیو شاباش آنکھیں کھولو' ۔مہیرہ کو محسوس ہوا کہ کہیں دور سے اسے آواز آرہی ہے' اس کے رخساروں کو کوئی ہولے ہولے تھپتھپا رہا ہے' وہ آنکھیں کھولنے کی کوششیں کرتی مگر اس کی آنکھیں روشنی سے چندھیا رہی تھیں پپوٹے اتنے بھاری ہوگئے تھے سوزش کی وجہ سے کہ اٹھانا محال لگ رہا تھا' صرف پلکیں تھیں جو جنبش کر رہی تھیں۔ مقصود بھائی نے شکر کا سانس لیا اور چمچ کی مدد سے پانی اس کے منہ میں ڈالا وہ تقریباً چار گھنٹوں بعد ہوش میں آئی تھی' اس کے دائیں بازو میں اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ حرکت نہ کر سکے گا' گردن میں بھی بری طرح اکڑاؤ آگیا تھا' پورے جسم میں درد اس قدر شدید تھا کہ وہ ضبط کے باوجود بند آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے کو بہنے سے نہ روک پائی۔

''مام..... مام.....'' بالکل بے آواز اس کے ہونٹوں نے جنبش کی اور درد میں ماں کو پکارا مگر اس کی آواز کوئی نہ سن سکا۔

''سسٹر آنکھیں کھولو ہمیں بتاؤ آپ کون ہو آپ کا نام کیا ہے ہم آپ کو آپ کے گھر چھوڑ کے آئیں'' ۔اس نے ہزار ہمتیں مجتمع کر کے اپنی آنکھیں کھولیں وہاں موجود مقصود بھائی کے ہمراہ کھڑے فضیل کا دل اس کی بڑی بڑی سنہری آنکھیں دیکھ کر ڈانواڈول ہوا' حقیقتاً فضیل نے اتنی بڑی اور پرکشش آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔

''میں..... کہاں..... ہوں.....؟'' درد کو دبائے دقت سے اس نے پوچھا۔

''گڑیا آپ اس وقت کشمیر کے ایک گاؤں میں ہو جلدی سے کوئی نمبر اور گھر کا ایڈریس بتاؤ'' ۔مقصود بھائی نے پانی سائیڈ پر رکھ کر نرم لہجے میں پوچھا۔

''نمبر..... ایڈریس.....؟'' غائب دماغی سے انہیں دیکھتے ہوئے اس نے الجھ کر پوچھا تو اس کے انداز پر دونوں ٹھٹک گئے۔

''جلدی بتائیں محترمہ! کون ہیں آپ' آپ کا نام کیا ہے.....؟'' اب کے فضیل نے روکھے اور کرخت انداز میں دریافت کیا تو مہیرہ سہم سی گئی۔

''مجھے..... نہیں..... پتہ میں..... کون ہوں.....؟'' وحشت زدہ چہرہ لئے وہ بے بسی سے بولتی رو پڑی تو فضیل اور مقصود بھائی نے ایک دوجے کو دیکھا۔

''سنیں سسٹر! آپ ہمیں ایک کھائی سے ملی ہیں اور ہم مجاہد ہیں یہاں سے گزر ہو رہا تھا کہ آپ بے ہوش ملیں ابھی آپ ایسا کریں کہ میرے گھر چلیں یہ ہمارے ایک دوست کا گھر ہے جو نزدیک تھا تو یہیں آپ کو لے آئے' میرے گھر میں ایک آپ جیسی بہن ہے اور ماں ہے ابھی وہیں لے کے چلتے ہیں آپ کو'' ۔مقصود بھائی نے اپنے مخصوص نرم سے لہجے میں تمام روداد اسے سنائی مگر اس کی سنہری آنکھوں میں ابھی تک ایک انجانہ سا خوف کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

''آپ مجھے میرے گھر..... پہنچا دیں گے'' ۔رندھے لہجے میں کہتی وہ فضیل کو بے چین سا کر رہی تھی وہ اپنی اس نئی اور پریشان کن کیفیت پر خود کو بار بار ڈپٹ رہا تھا۔

''ہمارے پاس آسمان سے وحی نہیں اتری جو آپ کو آپ کے گھر پہنچا دیں' نام تک یاد نہیں تو کہاں چھوڑ کے آئیں جو مقصود بھائی نے کہا ہے وہ کرلیں'' ۔اپنی کیفیت کو سختی کے پردے میں چھپائے وہ مہیرہ پر برستا مقصود بھائی کو حیران اور مہیرہ کو پشیمان کر گیا۔

''کول ڈاؤن یار'' ۔

''اٹھو سسٹر! تھوڑا سا چلو پھر گاڑی میں بیٹھتے ہیں یہاں کا رستہ ٹھیک نہیں تو گاڑی نہیں آسکتی'' ۔وہ میکانکی انداز میں اٹھی مگر دوسرے لمحے آہ کہہ کر پھر سے بیٹھ گئی۔

''فضیل یار! ایک طرف سے تم سہارا دو اسے'' ۔مقصود بھائی کے اس نئے آرڈر پر وہ اف کر کے رہ گیا' پھر مہیرہ کا بازو اپنے شانے پر رکھے وہ دانت پر دانت جمائے سختی سے لب بھینچے چلنے لگا پھر جلد ہی وہ گاڑی تک پہنچ گئے۔

''کیا.....؟ اچھا تم فکر مت کرو نوید سے کہنا میں ابھی نکلتا ہوں پیچھے کی پرواہ مت کرو تم خدا حافظ'' ۔مقصود بھائی کے موبائل پر دانیال کی کال آئی' ان کے چند مجاہد شہید ہوگئے تھے جواباً ان لوگوں نے بھی ان کے کیمپ پر حملہ کیا مگر اسلحہ کم پڑنے کی صورت میں نوید نے مقصود بھائی کو بلایا جوان سب مجاہدوں کے سردار تھے۔

''فضیل! تم اسے لے کر گھر جاؤ' مجھے نوید کے پاس جانا ہے' میں رات تک تمہیں کال کر کے بتا دوں گا کیا صورتحال ہے اللہ نگہبان'' ۔گاڑی رکوا کر وہ اتر گئے تو فضیل نے سر ہلا دیا۔ پھر گاڑی گھر سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی' فضیل نے سہارا دے کر اسے گاڑی سے نکالا تو اس وقت صحیح معنوں میں اس کا دل کانوں میں دھڑکنے لگا' نجانے کون سی کشش تھی جو اسے مہیرہ کی طرف متوجہ کر رہی تھی' حالانکہ وہ اور گل بچپن سے ایک دوجے کو چاہتے تھے دو دن پہلے وہ ہر طرح سے مطمئن تھا اپنی زندگی سے مگر اب.....

www.Paksociety.com

''مجھ سے نہیں چلا جارہا اب''۔ گاڑی سے نکل کر دو قدم ہی چلی تھی جب تھک کر وہ فضیل کے کندھے پر سر ٹکا گئی فضیل ساکن رہ گیا۔

''بس ہمت کرو اب تو وہ سامنے ہے گھر''۔ فضیل نے اسے خود سے دور کرتے متوازن لہجے میں کہا تو مہیرہ بخار درد کی شدت کی تاب نہ لاسکی اور ٹوٹی ہوئی شاخ کی مانند فضیل کے سینے سے جا لگی' اس نے گھبرا کر مہیرہ کا چہرہ اونچا کیا مگر وہ بے سدھ تھی اس نے بنا کچھ سوچے اسے بانہوں میں اٹھایا اور گھر کی جانب چل پڑا۔

☆

دروازہ کھلا ہی تھا جب وہ مہیرہ کو لئے اندر داخل ہوا' کشمالہ گندم صاف کررہی تھی اور بی جان صاف ہوئی گندم بوریوں میں بھر رہی تھیں' فضیل کو دیکھا تو جلدی سے اس کے پیچھے آئیں وہ اسے بیڈ پر لیٹا کر سیدھا ہو ہی رہا تھا کہ وہیں رک گیا کشمالہ نے دیکھا کہ مہیرہ کے بال اس کے بٹن میں پھنس چکے ہیں' فضیل نے بہت چاہا کہ نرمی سے نکل جائیں مگر وہ نہ نکلے تو کشمالہ نے قینچی سے ذرا سا کٹ لگا دیا۔

''یہ کون ہیں بھیا.....؟'' وہ بغور لڑکی کا جائزہ لینے لگی' جس کے مہرون گولڈن بال کندھوں تک تھے' ستواں ناک' بند آنکھیں اور باریک سے ہونٹ' بخار کی شدت سے سرخ پڑتا چہرہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔

''مجھے تو خود نہیں پتہ کون ہے' ہم راستے سے آرہے تھے جب یہ ایک کھائی میں گری ملی' مقصود بھائی نے گھر بھیج دیا مجھے لگتا ہے یادداشت چلی گئی ہے اس کی''۔ اپنے کالر کو درست کرتے اس نے کشمالہ سے کہا تو اس کے ہاتھ میں باریک نفیس سا گولڈ کا بریسلیٹ آ گیا' اس نے وہ ہتھیلی پر رکھا تو چین کے دونوں طرف انگلش میں مہیرہ لکھا ہوا تھا جو چونکور سا لاکٹ تھا' گھڑی نما فضیل نے یونہی چیک کیا' تو لاک کھل گیا' اس میں ہنستی مسکراتی مہیرہ کی تصویر آویزاں تھی' پھر جلدی سے وہ بریسلیٹ اس نے پاکٹ میں ڈالا اور برآمدے میں بی جان کے پاس آ گیا۔

''فضیل پتر! کس کی بچی ہے کہاں سے لارہے ہو.....؟'' چھاج ایک طرف رکھ کے انہوں نے بھی سوال پوچھا تو اس نے وہی تفصیل انہیں بتادی بی جان اپنی ٹھوڑی پکڑے سر کو دائیں بائیں ہلانے لگیں۔

''نجانے کس کے جگر کا ٹکڑا ہے کیا بیت رہی ہوگی اس کی ماں پر گھر والوں پر یا خدایا رحم فرما''۔ اس نے ڈاکٹر صبیحہ کو دیکھا تھا وہ اپنے کلینک پر بیٹھی تھیں۔

''میں انہیں بلا کر لاتا ہوں''۔ فضیل اٹھ کر چلا گیا تو وہ کمرے میں آ گئیں جہاں کشمالہ اس کے پاس بیٹھی تھی' تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آ گئی' چیک اپ کیا پھر دوائی دی۔

''صبح میرے کلینک لائیں لگتا ہے دماغ میں گہری چوٹ آئی ہے''۔ ڈاکٹر کہہ کر چلی گئیں۔

☆

''پاپا آپ اوصاف اور معصب سے کہہ دیں کہ ہم ابھی نہیں آسکتے' مما کی حالت بھی ٹھیک نہیں''۔ حناطہ نے ندا بیگم کی چادر اچھی طرح ان پر پھیلاتے ہوئے عدیل صاحب سے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

''بیٹا! ایسا نہ ہو وہ برا مان جائیں دو ماہ ہو گئے''۔ پپا کے کہنے پر حناطہ ان کے سینے سے لگی رونے لگی۔

''مہیرہ کہاں ہوگی.....؟ کس حال میں ہوگی.....؟ یہ بات مجھے سونے نہیں دیتی تو پپا آپ کی اور مما کی کیا حالت ہوگی' مجھے بہت فکر ہے آپ کی اور مما کی''۔ حناطہ کی بات نے ان کے دل پہ برچھی جلائی تھی مگر وہ اپنا دکھ بیٹیوں پر عیاں نہ کرتے۔

''بس چپ کر جاؤ میری جان! دعا کرو کہ اگر وہ زندہ ہے تو محفوظ ماتھوں میں ہو اور اگر.....'' اس کے بعد پپا خاموش ہو کے آنسو پینے لگے۔

☆

رپورٹ کے مطابق مہیرہ کی ایک وین ڈیمیج ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ ماضی بھول گئی تھی۔

''ہرے..... زیادہ اسمارٹ بننے کی کوششیں کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں سمجھے.....؟'' مہیرہ نے چھکا مارا مگر بدقسمتی سے وہ کیچ ہو گیا' لیکن وہ آؤٹ ہونے کو تیار نہ تھی سو غصے سے بیٹ زمین پر دے مارا۔

''واقعی دیدی آپ سے برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا کب سے کھیل رہی ہو مگر چار مرتبہ بھی آؤٹ ہونے پر ناٹ آؤٹ کہلوا دیتی ہو مجھے نہیں کھیلنا''۔ ننھے کیلاش نے بال زبردستی اپنی پینٹ کی جیب میں گھساتے ہوئے ناراضی سے کہا تو کشمالہ ہنس پڑی۔

''مالا دیدی آپ تو آؤٹ ہو جاتی ہو مگر مہیرہ آپی کیوں نہیں مانتی بھلا یہ کوئی تک ہے''۔ کیلاش کے برابر کھڑے سورج نے بھی تنک کے کہا۔

''او جلدی سے بھاگو بھیا آ گئے''۔ بناء اپنی باری کھیلے پسینے اور تھکن سے بے حال فاطمہ نے انہیں خبردار کیا اور دوڑ لگا دی تو کشمالہ نے بھی اپنا دوپٹہ درست کیا اور مہیرہ کا دوپٹہ مضبوط گرہ کی وجہ سے کھل نہیں رہا تھا کمر سے۔

''کیسی ہیں ہماری بہنا.....؟'' مقصود بھائی نے صحن سے بچوں کو رفو چکر ہوتے دیکھا تو چلتے ہوئے ان کے پاس آ رکے پھر دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ہم ٹھیک ہیں بھیا! بی جان آپ کو بہت یاد کرتی تھیں' ہم بھی کرتے تھے مگر وہ تو بہت کرتی تھیں''۔ بالآخر گرہ کھل گئی تو دوپٹہ سر پر الٹا سیدھا ڈال کے مہیرہ نے جواب۔

''ہم ہم..... تبھی تو ہم آ گئے ویسے جن بچوں کے ساتھ یہاں کرکٹ کھیلی جارہی تھی ان میں کچھ ہندو بھی تھے.....؟'' مقصود بھائی کے سوال پر فضیل نے بھی دونوں کو دیکھا' کشمالہ سٹپٹا گئی وہ مطمئن کھڑی تھی۔

''جی بھیا! کیلاش اور سورج تھے ہمارے ساتھ' دونوں بہت معصوم اور پیار کرنے والے بچے ہیں''۔ کشمالہ کی نسبت اس نے بنا جھجکتے جواب دیا۔

''او کے مگر آئندہ ان کے ساتھ زیادہ فری نہیں ہونا نہ ہی وہ گھر آئیں گے''۔ فضیل نے دوٹوک کہا' مہیرہ کے لب کھلتے دیکھ کر کشمالہ اس کا ہاتھ تھامے کچن میں گھس گئی۔

''چھوڑو میرا ہاتھ' مالا یہ کیا بات ہوئی وہ تو معصوم ہیں گر ہندو ہیں تو ان کا کیا قصور ہیں تو بچے''۔

''اسی معصومیت کا فائدہ اٹھاتے ہیں وہ درندے' کسی بھی کرکٹ بال یا فروٹ باسکٹ میں بم فٹ کروا کے ان کے ہاتھ مسلمانوں کے گھر بھجواتے ہیں پھر چند لمحوں بعد بلاسٹ کر دیتے ہیں ایسے واقعات تین مرتبہ رونما ہو چکے ہیں کشمیر کے اس حصے میں' اب یقیناً سمجھ آ گئی ہوگی''۔ فضیل کو معلوم تھا وہ کچن میں ضرور کچھ نہ کچھ کہے گی' اسی لئے مقصود بھائی کو کمرے میں بھیج کر وہ کچن میں آ گیا۔

''کک..... کیا..... بھیا.....؟'' کشمالہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا چہرے کا رنگ مہیرہ کا بھی بدلا جسے فضیل نے فوراً محسوس کیا۔

''ایسا ہی ہے آئندہ احتیاط کرنا اب اچھی سی چائے پلوا دو کشمیری.....'' کشمالہ کا دھیان چائے پر لگا کے وہ ایک چور نظر مہیرہ پر ڈالے باہر نکل گیا۔

☆

www.Paksociety.com

''گل پتر! کتنا عرصہ ہوگیا فضیل کا کوئی فون آیا نہ کوئی خیر خبر تمہیں کچھ معلوم ہے.....؟'' رینا بیگم نے اداس سے لہجے میں گل کو مخاطب کیا جو خود بھی اندر سے عجیب ویرانی محسوس کر رہی تھی۔

''آٹھ ماہ ہوگئے تھے اسے گئے گنتی کے چند فون کئے آخری مرتبہ دو مہینے پہلے کال آئی تھی سرسری سی نہ آنے کی کوئی بات نہ اور کچھ خاص''۔

''نہیں بڑی امی! میرے پاس بھی کوئی فون نہیں آیا''۔ نظریں جھکائے وہ دھیمے سے گویا ہوئی۔

''اگر تم لوگ مجھے بتا دیتیں کہ وہ کس جگہ کس مقصد کے لئے جا رہا ہے میں کبھی اسے نہ جانے دیتی''۔ آنسو صاف کرتے وہ خود پر کف ملنے لگیں۔

''بڑی امی! اس نے مجھے اور شہوار کو اپنی قسم دی تھی اگر اس دن بھی آپ سن نہ لیتیں تو کبھی نہ بتاپاتی''۔ وہ بھی رونے لگی تو بڑی امی نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''بس دعا کرو وہ جلد خیر و عافیت سے لوٹ آئے''۔ گل نے بلند آواز میں آمین کہا۔

☆

''کیا چھپا رہی ہو مہیرہ بی بی.....؟'' کشمالہ چائے لے کر کمرے میں آئی تو مہیرہ نے سرعت سے کچھ چھپانا چاہا جسے کشمالہ تاڑ گئی۔

''چھوڑو یار! کچھ نہیں شکر ہے تم چائے لے آئیں''۔ مہیرہ نے بات آئی گئی کرنا چاہی کہ کمال چالاکی سے کشمالہ نے وہ چیز اس کے ہاتھ سے اچک لی۔

''اوئے ہوئے.....'' کشمالہ نے معنی خیزی سے وہ تصویر دیکھی اور وسل کی شیپ میں لب سکوڑے مہیرہ مسکراتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ کر دائیں پاؤں کا انگوٹھا پکڑے جھولنے لگی۔

''کتنی گھنی ہو سچی شکل سے دنیا جہاں کی معصوم اور بے خبر لگتی ہو مگر اندر سے پوری ہو''۔ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کشمالہ نے شرارت سے کہا تو مہیرہ بنا کہے اس کے کندھے پر سر ٹکائے کھلکھلانے لگتی۔

''ماشاء اللہ آج تو بہت خوش ہیں میری سسٹرز''۔ بنا آہٹ کئے مقصود بھائی ان کے کمرے میں آئے اور مٹھائی کا ڈبہ بیڈ پر رکھ دیا جو ساتھ لائے تھے۔ کشمالہ کے ہاتھ سے تصویر جھپٹ کے مہیرہ نے اپنی مٹھی میں دبائی اور دوپٹہ اوڑھ لیا۔

''مالا کہہ رہی تھی کہ جلد ہی مقصود بھیا کی شادی ہے تو ہم پلان کرتے ہوئے خوش ہو رہے تھے''۔ تصویر والے ہاتھ کو مزید دوپٹہ میں چھپاتے ہوئے وہ مقصود بھائی سے مذاق کرنے لگی۔

''میری شادی.....؟'' حیرت سے اپنی طرف انگلی کئے انہوں نے کہا۔

''نہیں جی تو کیا آپ شادی نہیں کریں گے.....؟ ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں ان کا کیا ہوگا''۔ کشمالہ نے لاڈ سے اپنا سر ان کے بازو پر ٹکا دیا۔

''اچھا جی یہ بعد کی بات ہے پہلے تم یہ مٹھائی کھاؤ ہمارا دوسرا بڑا مشن بھی کامیاب رہا' جس میں سب سے زیادہ ہاتھ فضیل کا تھا' وہ بے حد دلیر اور نڈر جوان ہے بلکہ اب تو وہ ہمارے گروپ کا حوصلہ ہے' آئی ایم پراؤڈ آف مائی برادر''۔ ایک جوش سے وہ فضیل کا تذکرہ کرنے لگے پھر مٹھائی ان کے منہ میں ڈالی۔

''دعا کرنا تیسرا مشن بھی کامیاب ہو جائے پھر کافی تسلی رہے گی اس جگہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو اس کے بعد تم دونوں چڑیوں کو اپنے اپنے آشیانے پر پہنچا کر شہادت کی آرزو کریں۔ گی خدا کے حضور''۔ دونوں کو بازوؤں میں لیتے ہوئے انہوں نے پیار سے کہا۔

''خدا آپ کو لمبی زندگی دے بھیا! ابھی تو ہمیں آپ کی بہت ضرورت ہے''۔ کشمالہ' مہیرہ نے ایک ساتھ کہا تو وہ ان کا سر تھپتھپانے لگے۔

☆

''مگر کیوں فضیل.....؟ میں' میں پوری زندگی انتظار کر سکتی ہوں تمہارا' خدا کے واسطے ایسا مت کہو' تمہارے کشمیر چلے جانے کا سن کر آغا جان اسی دن سے بیمار اور چپ چپ سے ہیں بڑی امی بھی ہر وقت اداس رہتی ہیں اور مجھے بھی کیا اپنے ماضی میں دفن کر دیا' بولو فضیل مجھے جواب دو' کیا تمہیں ہماری یاد نہیں تڑپاتی' ماں باپ سے دوری برداشت کر لی تم تو چند ماہ کا کہہ گئے تھے ناں پھر کیوں.....؟'' ایکدم اپنے اندر کا غبار لفظوں کی صورت باہر نکالتے ہوئے گل ہانپ سی گئی شدو مد سے روتے ہوئے وہ بے قراری سے پھوٹ پڑی۔ فضیل کے دل نے پلٹا کھایا اسے اپنے ماں باپ یاد آنے لگے مگر منظر بدلا اور ہندو فوجی اس کی نظروں کے سامنے جوان لڑکیوں کی چادر کھینچتے نوجوان لڑکوں کو اذیت دیتے نظر آنے لگے تو جہاد کے جنون نے اس کے اندر جڑیں مضبوط کر لیں۔

''غور سے سنو گل! مجھے شادی کرنی ہی نہیں کیونکہ ہتھیار اب میرا جیون ساتھی ہے اگر تم سے میری شادی ہو بھی جاتی ہے تو کیا معلوم بہت جلد میں مر جاؤں تو پھر کیوں میں تم جیسی اچھی لڑکی کو انتظار کی سولی پر لٹکاؤں' مجھے پتہ ہے اس وقت تمہارے ذہن میں شدید طیش ابھر رہا ہوگا میری باتوں سے' جب ٹھنڈے دل سے سوچو گی تو سب ٹھیک لگے گا' ہاں اس وقت فراڈیا دھوکے باز اور بہت کچھ سمجھ رہی ہوگی' بس ایک گزارش ہے کسی بھی اچھے انسان سے تم شادی کر لینا زندگی تنہا نہیں گزاری جاتی اور امی جان' آغا جی سے کہنا مجھے معاف کر کے صرف دعاؤں میں یاد رکھیں خدا حافظ''۔ اپنی بات کہہ کر لائن کاٹ دی تو گل موبائل دور پھینک کر ہذیانی سی ہوگئی' انگوٹھی اتار کے پھینک دی' فضیل کے تمام گفٹس اور سوٹ غصے میں پھینک دیئے' کپڑے وارڈ روب سے نکال کر کمرے سے باہر پھینک دیئے پھر وہیں زمین پر بیٹھی چلانے لگی' کمرے میں پھیلی اشیاء کی طرح وہ بھی بکھر گئی تھی۔

☆

''بی جان! ہماری گلی کے آخر میں جو اسکول ہے میں وہاں ایڈمیشن لے لوں.....؟ میرا دل کرتا ہے پینٹنگ سیکھنے کو پھر وہاں اور بھی بہت سے کورسز ہیں''۔ چاول چنتے ہوئے وہ سیڑھیوں سے اٹھ کر بی جان کے برابر آ کے براجمان ہوگئی جو مہیرہ کے لئے ایک فراک پر کڑھائی کر رہی تھیں۔

''لے لو بچے' مجھے کیا اعتراض ہے' اچھا ہے کچھ سیکھ جاؤ گی تو آگے کام آئے گا تمہارے''۔ انہوں نے گھٹنوں پر پھیلا فراک سمیٹا تو مہیرہ خوش ہوگئی ان کے اتنی جلدی راضی ہونے پر۔

''یو گریٹ بی جان.....'' چاول ایک طرف رکھے وہ ان کے گلے کا ہار بن گئی تو بی جان نے نرم سی مسکان لبوں پر سجائے اس کے سر کو چوما اور ڈھیروں دعائیں دیں۔

''بی جان! میری ماں بھی مجھے ایسے ہی پیار کرتی ہوگی.....؟'' ان کے جھریوں بھرے ہاتھ اپنے گالوں پر رکھے وہ کھوئے سے انداز میں بڑبڑائی تو واش روم سے فریش ہو کر نکلتا فضیل برآمدے میں رک کر اچنبھے سے دیکھنے لگا۔

''ہاں بچے! مجھ سے کہیں زیادہ تم سوچو تو سہی اپنے والد کا نام' والدہ کا نام یا گھر کا پتہ ہم تمہیں بھجوا دیں گے ان کے پاس بچے''۔ بی جان نے پیار سے اسے سوچنے پر اکسایا کہ وہ کچھ سوچے تو وہ بھی کسی کے جگر کا ٹکڑا ان تک پہنچا دیں۔

www.Paksociety.com

"میں جب بھی کچھ سوچنے لگتی ہوں تو میرے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگتی ہیں آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ہے' مجھے کیوں بتایا آپ لوگوں نے کہ میں کہیں سے ملی ہوں مجھے بے خبر ہی رکھتے آپ لوگ' کبھی کبھی مجھے پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے دل کرتا ہے اڑ کر اپنے ماں باپ کے پاس جاؤں' وہ کیسے ہوں گے میرے بہن بھائی سب مجھے یاد کرتے ہوں گے"۔ آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اٹک گیا اور ایک نہ رکنے والا پانی کا سمندر آنکھوں سے ڈھلک کر مژگانوں پر رواں ہو گیا' سامنے کھڑے فضیل کی حالت پھر بے اختیار سی ہو گئی' وہ اسے اپنے کندھے سے لگا کر حوصلہ دینا چاہتا تھا' مٹھیاں بند کئے وہیں ایستادہ سوائے سوچ کے وہ عمل پیرا نہ ہو سکتا تھا اپنی سوچ پر۔

"مہیرہ کو کیا ہوا لالہ.....؟" بی جان کی کمزور اور ناتواں گرفت میں روتی مچلتی مہیرہ کی آواز سن کر کبوتروں کو دانہ ڈالتی کشمالہ بھی وہیں آ کر فضیل سے پوچھنے لگی۔ جو یک ٹک برآمدے کی دہلیز پر کھڑی مہیرہ کو دیکھ رہا تھا۔ کشمالہ کی بات سن کے کندھے اچکائے اور رخ موڑے کمرے میں جا گھسا تو وہ مہیرہ کو بی جان کی گود سے اٹھا کر اپنی طرف رخ کئے پوچھنے لگی۔

"دیکھو چپ کر جاؤ ورنہ میں شروع ہو جاؤں گی اور مجھے تو کوئی جلدی جلدی چپ بھی نہیں کروا سکتا"۔ اپنے دوپٹے سے اس کے آنسو صاف کئے تو بی جان نے اسے وجہ بتائی وہ اپنا ماتھا پیٹ کے رہ گئی۔

"آپ کا بھی جواب نہیں جب رکھ ہی لیا ہے تو کیا تک بنتی ہے ماضی کریدوانے کی' اس طرح ذہن پر زور ڈالنا نقصان دہ ہے اس کے لئے' ڈاکٹر نے کہا بھی تھا ویسے بھی یہ ہمارے پاس خدا کی مرضی سے آئی ہے ورنہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کے وہ یہاں کیسے ہوتی' بی جان! خدا نے جو کیا ہے اس میں مہیرہ کی بہتری شامل ہے اور اگر تم نے بھی آج کے بعد اس چھوٹے سے دماغ پر زور دیا تو مجھ سے اچھا کوئی نہیں"۔ آخری دھمکی پر مہیرہ کے ہونٹوں کی کلیاں کھل اٹھیں تو وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی بہت پیاری لگی۔

"تم واقعی اچھی ہو اس بات پر غور کروں گی کہ کتنی اچھی ہو"۔

"جلدی کرو مقصود بھائی آنے والے ہیں آج وہ تمہارے ہاتھ کی بیسنی روٹی کھائیں گے اور تم ملکہ جذبات بنی یہیں جم گئی اٹھو"۔ مہیرہ کو اٹھاتے وہ برآمدے سے صحن میں آئی تو اپنا چہرہ سامنے لگے شیشے میں دیکھ کر مسکرا کر رہ گئی۔

☆

"میرا دل کر رہا ہے چلو تھوڑے سے توڑتے ہیں"۔ رس بھرے مالٹے دیکھ کر مہیرہ کی رال ٹپک پڑی۔

"نہیں اگر کوئی آ گیا تو شور ہو گا' بھیا غصہ کریں گے اگر انہیں بھنک بھی پڑ گئی' ہم بازار سے منگوا کر کھائیں گے"۔ کشمالہ نے اسے ڈرا دیا جو بیکار رہا۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا اگر خطرہ محسوس ہوا تو ہم بھاگ نکلیں گے تم بس ڈرو نہیں پلیز....."

"واٹ آ بیوٹی....." مہیرہ' کشمالہ کو قائل کر ہی رہی تھی جب ایک فوجی خباثت سے مسکراتے ہوئے بولا کشمالہ تو کشمالہ اب تو مہیرہ بھی سہم گئی اور الٹے قدم ہوتے ہوتے مہیرہ نے کشمالہ کی کلائی تھامی پھر ایک دم بھاگ پڑیں اور گھر کے دروازے پر آ کر سانسیں بحال کیں۔

"اف کتنی کمینگی سے دیکھ رہا تھا"۔ مہیرہ نے نادیدہ پسینہ صاف کیا کشمالہ اس فوجی کو کوسنے لگی۔

"کون تھا کیا ہوا خیریت تو ہے.....؟" ان کی پچھلی طرف سے مقصود' فضیل اور علی آ گئے تھے تو چند لفظ فضیل کی سماعت ہوئے۔

"جی لالہ! وہاں یہ اتنا بڑا کتا تھا جان بچا کے آئے ہیں"۔ اس سے پہلے کہ مہیرہ سچ بولتی کشمالہ نے فراٹ جھوٹ بولا۔

"ویسے اتنی دوپہر کو تم گئی کہاں تھیں.....؟" مقصود نے علی کو اندر بھیجا بیٹھک میں' انہیں بغور دیکھ کر سوال پوچھا۔ لیمن اور ریڈش براؤن ایک جیسے کپڑے کانوں میں آویزے اور نیچرل سی لپ اسٹک لگائے وہ دونوں گڑیا سی لگ رہی تھیں۔

"بتایا تو تھا آپ کو رات کہ اسماء کی شادی ہے' رات میں کوئی فنکشن نہیں آج مہندی تھی"۔ مہیرہ نے تیسری انگلی میں ڈالی انگوٹھی کو اتارتے چڑھاتے جواب دیا تو مقصود بھائی نے انہیں جانے کا اشارہ کیا مہیرہ اپنی دھن میں ایک دم مڑی تو پاؤں مڑنے کی وجہ سے فضیل پر آ گری اس نے جلدی سے تھام کر گرنے سے بچایا' مہیرہ بھی گرنے کے خوف سے اس کا سر دبوچے کھڑی تھی' پھر اس سے الگ ہوتی' مارے شرمندگی کے جلدی سے کمرے میں آئی تو دوسری سینڈل وہیں رہ گئی۔

"مہیرہ گڑیا! زیادہ چوٹ آئی ہے تو ڈاکٹر کے پاس....." مقصود بھائی جیسے ہی کمرے میں آ کر پوچھنے لگے وہ پہلے ہی زور و شور سے رونے میں مصروف دونوں ہاتھوں میں پاؤں تھامے بیٹھی تھی تو بات درمیان میں چھوڑ کر اس کے پاس آ بیٹھے' جیسے ہی پاؤں چیک کرنے کو ہاتھ بڑھایا وہ چلا اٹھی۔

"بھیا! ہاتھ مت لگائیں بہت درد ہے پاؤں میں"۔ روتے ہوئے بچوں کی طرح اس نے اپنا پاؤں دور کیا' اس حرکت پر فضیل کے لبوں نے بھولی بسری مسکان چھوا اگلے پل پھر سے سنجیدگی کی چادر اوڑھ گئے۔

"اچھا بابا نہیں لگاتا ہاتھ مگر چوٹ دکھاؤ تو سہی"۔ مقصود بھائی نے ہاتھ پیچھے کرتے دلار سے پوچھا' اس نے سوں سوں کرتے بہت احتیاط سے پاؤں دکھایا جہاں ایڑی اور ٹخنا نیلے ہو کر سوج گئے تھے۔

"یہ دودھ پیو پھر بی جان تمہارے پاؤں پر ٹکور کریں گی' تیل وہ بنا چکیں' دوائی ڈال کے"۔ کشمالہ نے دودھ میں ہلدی ڈال کر بھرا گلاس اسے دیا' وہ سسکیاں لیتی گھونٹ بھرتی رہی پھر بی جان کے ٹکور کرنے پر وہ کبھی چیختی کبھی ہونٹ کچلتی مساج کروانے لگی۔

☆

رات کو مقصود بھائی اس کی دوائی لائے تھے جیسے ہی کھانا کھایا تو کشمالہ اسے دوائی کھلا کر چلی گئی اور یہ بھی جلد ہی سو گئی' بی جان کا بی پی رات کو ہائی ہو گیا تو کشمالہ ان کے پاس سو گئی تھی' رات کے دوسرے پہر فضیل بے چین سا پانی پینے اٹھا' مہیرہ کے کمرے سے کراہنے کی آوازیں آئیں اس نے تیزی سے مہیرہ کے کمرے کا رخ کیا وہ درد سے دوسرا پاؤں ادھر ادھر کر رہی تھی۔

"مہیرہ! بہت درد ہو رہا ہے.....؟" اس کے قریب بیٹھ کر پیار سے پوچھا' مہیرہ گولیاں کھانے کی وجہ سے سوئی جاگی کیفیت میں تھی اسے پتہ نہ چلا کہ فضیل ہے۔

"بی جان! بہت درد ہے پاؤں میں آہ....." درد سے بے حال مہیرہ نے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ فضیل نے پانی گلاس میں ڈالا' پاس رکھی ٹیبلٹ میں سے بخار کی ٹیبلٹ اسے کھلائی پھر اس کا سر دبانے لگا' بخار کی گرماہٹ اسے دور سے محسوس ہو رہی تھی' آنکھیں رونے سے سوج گئی تھیں' آہستہ آہستہ وہ ریلیکس ہو کر سانس گہرے لینے لگی تو فضیل اس پر چادر ٹھیک کرتا باہر آ گیا۔

☆

چھن سے آواز ابھری اور پوری گندم صحن میں بکھر گئی بی جان نڈھال سی ہو کر چارپائی پر ڈھے سی گئیں۔

www.Paksociety.com

''بی جان.....'' بکھری گندم پر ایک نظر ڈال کر کشمالہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا دل ایکدم بیٹھ سا گیا تھا۔

''میرے مقصود پر خدا مہربان ہوگیا وہ شہید ہوگیا''۔ ایک بے لگام آنسو ان کی آنکھ سے ٹپک کر دامن میں جذب ہوگیا' کشمالہ منہ پر ہاتھ رکھے سر نفی میں ہلانے لگی۔

''رونا نہیں گڑیا! وہ بہت خوش ہیں جہاں وہ ہیں اگر ہم روئیں گے تو انہیں تکلیف ہوگی''۔ اپنی سرخ آنکھوں کو ان سے چھپائے وہ کشمالہ کو تسلی دینے لگا' پھر مقصود بھائی کی ڈیڈ باڈی کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچا کر وہ گھر آیا سامنے صحن کے وسط میں دونوں ہاتھوں میں چہرہ لئے متورم سی وہ اس حد تک سوچ میں گم تھی کہ اسے فضیل کے آنے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔

''اندر چلو سردی ہو رہی ہے بیمار پڑ جاؤ گی''۔ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر فضیل نے بلند آواز میں کہا تو اس کا ارتکاز ٹوٹا۔

''کچھ دیر میں چلی جاؤں گی''۔ بھیگی سی آواز میں کہتی وہ چہرہ گھٹنوں پر رکھے نچلے ہونٹ کا کنارہ چبانے لگی' فضیل نے محسوس کیا خنکی کافی بڑھ گئی ہے وہ شال اور سوئٹر کے بغیر بیٹھی تھی۔

''بے وقوفی مت کرو اور خبردار جو مقصود بھائی کے لئے روئیں وہ زندہ ہیں اور زندہ لوگوں کو رویا نہیں جاتا چلو اٹھو کمرے میں جاؤ''۔ اکھڑ انداز میں گھرک کر وہ اسے اٹھانے لگا تو اس کے غصے کو دیکھتے ہوئے اپنا بازو اس کے آہنی شکنجے سے آزاد کرواتی وہ اندر بڑھ گئی' فضیل ہونٹوں پر مٹھی ٹکائے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

☆

''بی جان! آج نوروز کی شادی ہے آپ مہیرہ اور کشمالہ کو بھیج دیں کچھ بہل جائیں گی''۔ پڑوس میں رہتی پشمینہ نے کشمیری طرز کے بنے فراک میں پرمژدہ سی بی جان سے کہا۔

''لے جاؤ مگر جلدی آنا''۔ انہیں جواب دے کر وہ پھر سے ڈھیلی چارپائی کسنے لگیں کہ دروازہ بہت بری طرح سے دھڑ دھڑایا گیا' پشمینہ کو مہیرہ اور کشمالہ کے پاس بھیج کر وہ دروازہ کھولنے آئیں۔

''کون ہے.....؟''

''دروازہ کھولو مائی! یہاں کوئی فضیل رہتا ہے اس سے کچھ کام ہے ہمیں' بلاؤ اس کو''۔ دروازہ کھلتے ہی ایک بھارتی فوجی نے درشتگی سے کہتے ہوئے دروازے کو ٹھوکر سے کھولتے کہا۔ تین مسلح افراد ان کے صحن میں کھڑے تھے۔

''یہاں کوئی فضیل نہیں رہتا' میرا ایک ہی بیٹا تھا وہ دو ماہ پہلے شہید ہوگیا فضیل کہیں اور.....''

''چٹاخ''۔ ان کی بات جاری ہی تھی کہ ایک فوجی نے الٹے ہاتھ کا تھپڑ انہیں رسید کیا وہ تو پہلے ہی ناتواں سی تھیں تھپڑ سہار نہ سکیں اور فرش پر جا گریں۔

''زیادہ چالاکی نہ دکھا مائی! یہ فضیل تیرے بیٹے کا ساتھی ہے ہمیں پکی خبر ملی ہے بتا کہاں ہے''۔ تیسرے درمیانے قد کے ایک فوجی نے بگڑتے تیوروں سے کہا۔

''تم.....تم لوگ تلاشی لے لو میرے گھر کی' بے شک پہرے دار بٹھا دو مگر یہاں فضیل نہیں رہتا یقین کرو میرا''۔ خوف کو چھپائے وہ پھنسی پھنسی آواز میں یقین دلانے لگیں۔

''اگر ہمیں پتہ چلا کہ وہ یہاں آیا ہے' تو پھر ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا''۔ لہجے سے فوجی نے کہا۔

''اچھا ہم چلتے ہیں مگر ہوشیاری نہیں کرنا سمجھیں''۔ دروازے کو زوردار ٹھوکر رسید کرتے وہ خشمگیں نظروں سے وارن کرتے چلے گئے۔ مہیرہ جلدی سے آئی اور انہیں اٹھا کر کشمالہ کے سہارے چارپائی پر ڈال دیا۔

''مہیرہ! احمد سے کہو کہ فضیل کو میرا پیغام دے کہ جلد سے جلد مجھ سے ملے وہ''۔ مہیرہ کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کئے وہ اسے دیکھنے لگیں۔

''جی میں کہلواتی ہوں''۔

☆

''وہ تو ٹھیک ہے بی جان! احمد بھی تو مجاہد ہے اور اس وقت وہ بھی مشن پر ہے''۔ جیسے ہی اسے پیغام ملا وہ فوراً آیا انہوں نے فوجیوں کی بات اور واقعہ گول کر کے کشمالہ کے رشتے کا کہا جو مقصود اپنی خوشی سے کر گیا تھا' اب بی جان کی بات سن کر وہ شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔

''تم احمد سے کہو جتنی جلدی ہو سکے اپنی امانت لے جائے میں اب مزید حفاظت نہیں کر سکتی' مقصود تھا تو اور بات تھی پھر مجھے مہیرہ کا بھی سوچنا ہے''۔ تھکے سے انداز میں کہتیں وہ فضیل کو افسردہ کر گئیں۔

''بی جان! تو کیا آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں.....؟'' ان کے ہاتھوں کو تھامے وہ ناراضی سے گویا ہوا۔

''پگلا ہے تو جھلا اگر بیٹا نہ سمجھتی تو ہر بات ہر دکھ تجھ سے کہتی.....؟ میرے دو بیٹے ہیں بڑے کا مقام ذرا الگ ہوتا ہے پھر تم دو تھے یعنی گیارہ کے برابر' اب تم ایک ہو' میں تمہیں اتنی جلدی کھونا نہیں چاہتی' حوصلہ ختم ہوتا جا رہا ہے مجھ میں''۔ شکستہ لہجہ فضیل کو مزید دکھی کر گیا حالانکہ وہ مضبوط اعصاب کی ایک دلیر عورت تھیں مگر تھیں تو ایک عورت ہی۔

''ٹھیک ہے بی جان! میں شام تک احمد کے ہمراہ آتا ہوں''۔ کرسی دھکیلتے وہ اٹھ کر ان کے سامنے جھکا' انہوں نے بہت سی دعاؤں کے ہمراہ اسے رخصت کیا جاتے جاتے اچانک سے اس کے دل میں ایک خواہش نے انگڑائی لی کہ ایک نظر مہیرہ کو دیکھے کافی دن ہوئے اس سے سامنا نہ ہوا تھا' کشمالہ کپڑوں کی سیٹنگ کر رہی تھی تو وہ سمجھ گیا مہیرہ چھت پر ہوگی' چھت پر بائیں جانب منڈیر کی طرف رخ کئے وہ یقیناً مہیرہ تھی' دبے قدموں وہ اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا' اگلے پل حیرت سے ساکت رہ گیا' پھر طیش کے عالم میں وہ تمام تصویریں جو مہیرہ کے ہاتھ میں تھیں لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں مہیرہ اپنے پرکیف سے خیالوں کی وادیوں میں غوطہ زن بہت دور نکلی ہوئی تھی اس اچانک افتاد پر ہراساں ہو کر پلٹی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے فضیل کو تکنے لگی جو ایک جنوں کی کیفیت میں تصویریں پھاڑ رہا تھا۔

''اسٹاپ اٹ ..... چھوڑو یہ کیا کر رہے ہو تم.....؟ تم ہوتے کون ہو میری ذاتیات میں انٹرفیئر کرنے والے.....؟'' حواس ٹھکانے آتے ہی مہیرہ نے بپھر کر اس سے تصویریں جھپٹنا چاہیں مگر بجلی کی سی تیزی سے وہ فضیل نے اس کی پہنچ سے دور کر لیں۔

''یو شٹ اپ..... بند کرو یہ بکواس' کس کی اجازت سے تم میرے کمرے سے یہ تصویریں لائیں بولو.....؟ تمہیں شرم نہیں آئی' میرا خیال بھی آج کے بعد تمہارے ذہن میں نہ آئے انڈر اسٹینڈ''۔ مہیرہ پہلے تو دم سادھے رہی پھر بھیگی سرد سی آواز میں فضیل سے مخاطب ہوئی۔

''زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں' آپ نے کب نوٹ کیا کہ میں آپ میں انٹرسٹڈ ہوں کون سی بے ہودہ حرکتیں کی ہیں میں نے' کون سے لو لیٹر پکڑے گئے ایسی کونسی واہیات ادائیں آپ کو دکھائی ہیں جو مجھے شرم آئے مجھے پتہ ہے میں آپ کو کبھی بھی اچھی نہیں لگی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو منہ میں آئے آپ کہہ دیں' شرم تو آپ کو آنی چاہئے''۔

www.Paksociety.com

"چٹاخ....." تھپڑ کی آواز بڑی زوردار تھی مہیرہ دہکتے گال پر ہاتھ رکھے ٹکر ٹکر فضیل کو دیکھنے لگی۔

"یو ایڈیٹ! مجھ پر ہاتھ کیوں اٹھایا.....؟" وہ غصے سے پاگل ہو کر فضیل پر چڑھ پڑی پھر اس کے ناخنوں سے فضیل کے چہرے پر کافی خراشیں آئیں' فضیل اس حملے کے لئے تیار نہ تھا پہلے تو وہ بچاؤ نہ کر سکا اس کا پھر ایک جھٹکے سے اسے دور کرتے کندھوں پر شال درست کرنے لگا۔

"مہیرہ..... فضیل لالہ..... یہ سب کیا ہے.....؟" ہانپتی کانپتی کشمالہ شور کی آواز سن کر اوپر دوڑی آئی سامنے کے منظر نے اسے وحشت زدہ کر دیا۔

"اسے سمجھاؤ مالا! اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے"۔ کشمالہ سے کہتا وہ سائیڈ سے گزر گیا مہیرہ انہی ٹکڑوں کے پاس بیٹھ کے بے آواز رونے لگی۔

☆

شام کو کشمالہ کا نکاح ہوا اور ساتھ ہی رخصتی بھی کر دی گئی' مہیرہ بی جان کے پاس آئی جو اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھیں' جلتی آنکھوں بوجھل قدموں کے ساتھ ہولے ہولے چلتی وہ ان کے پاس زمین پر بیٹھ گئی' انہوں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اپنا چہرہ اس پر رکھ لیا۔

"ابھی تو مالا گئی ہے تو تمہارا آسرا ہے جب تمہیں رخصت کروں گی نجانے میرا کیا حال ہوگا.....؟" بی جان کی بات سن کر ایک ویران بنجر سی کیفیت اس کی روح میں اتر گئی۔

"میں آپ کو چھوڑ کے کہیں نہیں جانے والی"۔ ان کی گود میں مزید سر رکھے وہ اٹل لہجے میں بولی۔

"اچھا بابا ٹھیک ہے جیسے تم خوش....." بی جان نے ہنس کر اس کا سر چوما مگر اتنی جلدی مکمل خوشی ابھی کاتب تقدیر نے ان کی قسمت میں نہ رکھی تھی۔

کبوتروں اور پرندوں کو دانہ پانی ڈال کر بی جان سیڑھیاں اتر رہی تھیں کہ پہلی سیڑھی سے وہ پھسلتی ہوئی فرش پر آ گریں اور گرتے ہی ٹھنڈی پڑ گئیں' مہیرہ گھر میں اکیلی تھی اس کی سانسیں بھی بی جان کے ساتھ ہی سینے میں اٹک گئیں اس کا دم گھٹ رہا تھا وہ چیخ کر رونا چاہتی تھی مگر آواز قید ہو کر رہ گئی تھی وہ اپنے گلے پر ہاتھ رکھے بی جان سے لپٹ کر وہیں آنکھیں موند گئی۔

☆

جب اسے پتہ چلا کہ کشمالہ دوسرے شہر چلی گئی ہے اور نہ ہی اسے بی جان کی موت کا بتایا وہ بری طرح بھڑکتے ہوئے فضیل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"مالا کو بی جان کا کیوں نہیں بتایا.....؟" وہ فضیل کے روبرو تن کے کھڑی تھی۔ وہ ضرورت کی چند اشیاء اور کپڑے جلدی جلدی سے بیگ میں رکھ رہا تھا سب چھوڑ کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں جواب دیں.....؟" اس کی تیز ہوتی آواز کو فضیل نے ہاتھ اٹھا کر ناگواری سے روکا۔

"آہستہ آواز میں بات کرو اور ابھی میرے پاس ٹائم نہیں ہے پھر کبھی جواب دوں گا"۔ باقی اشیاء بھی بیگ میں رکھ کر ایک طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی جہاں اس کی بھی بہت سی یادیں وابستہ تھیں سر جھٹک کر وہ بیگ کی زپ بند کرنے لگا' مہیرہ کی نگاہ اب اس کی حرکات و سکنات پر پڑیں تو وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہیلو دانی! ہاں بولو کیا..... ٹھیک ہے تم بیٹھک کے دروازے کی طرف آؤ میں ابھی نکلتا ہوں"۔ دانیال کا فون سن کر فضیل نے بیگ کندھے پر لٹکایا اور مہیرہ کی کلائی پکڑے سامنے رکھا شوکیس پیچھے کیا جہاں باہر کی طرف کھلتا

دروازہ بند تھا' جلدی سے شوکیس وہیں سیٹ کیا اور مہیرہ کو لئے بھاگنے لگا' اسی بھاگ دوڑ میں مہیرہ کا دوپٹہ پھولوں کی باڑھ میں پھنسا وہیں رہ گیا۔ مہیرہ ذرا دیر کو رکنے لگی کہ دوپٹہ پکڑ لائے۔

"دفع کرو دوپٹہ' اب فوجی ہمارے گھر میں داخل ہو چکے ہیں بہت کم وقت ہے وہ ہم تک پہنچ سکتے ہیں ہری اپ"۔ اس کے ہاتھ پر گرفت سخت کئے وہ تیز تیز بھاگ رہا تھا' مہیرہ کی سانسیں پھولنے لگیں مگر رکنے کا وقت نہیں تھا' بھاگتے بھاگتے فضیل اسے لئے ایک چھوٹی سی کھائی میں اتر گیا تو دانیال نے جلدی سے وہاں ایک خستہ تخت اور گھاس ڈال کے کھائی کو بند کر دیا مہیرہ کی سانسیں رکنے لگی۔ دانی اور علی اسی کھائی کے قریب ایک درخت پر چڑھ کے چھپ گئے' کھائی اس قدر چھوٹی تھی کہ وہ دونوں بمشکل ہی بیٹھ پائے مہیرہ کا بے دم ہوتا وجود فضیل کی آغوش میں تھا وہ کھل کر سانس لینا چاہتی تھی وہ فضیل کی آغوش سے نکل کر ریلیکس ہونا چاہتی تھی لیکن کھائی چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ پھر بھی وہیں رہی۔

"پپ..... پپ..... پانی"۔

"شش....." حلق میں چبھتے کانٹوں کے درمیان وہ بمشکل کہہ پائی جب فضیل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش کروا دیا۔

"آواز مت نکالو اگر فوجی یہاں تک آ گئے تو ہماری بوٹیاں کر کے کتوں کے آگے ڈال دیں گے سو تھوڑا سا صبر کرو"۔ اس کے کان میں بے حد ہلکی سرگوشی کرتے فضیل نے اسے خاموشی کا کہا تو وہ آنکھیں بند کئے اپنی اتھل پتھل ہوتی' سینے کی دھڑکن کو کنٹرول کرنے لگی جو اپنے چہرے پر فضیل کی گرم سانسیں محسوس کئے بے لگام ہو رہی تھیں' پیاس' گھٹن تنگی جگہ نے مہیرہ کی آنکھوں سے آب رواں کر دیا' وہ فضیل کے سینے سے لگی گھٹی گھٹی رونے لگی پھر اسی طرح آٹھ گھنٹوں بعد صبح پانچ بجے کے قریب دانیال نے انہیں باہر نکالا' مہیرہ روتے روتے سو گئی تھی جب فضیل نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ مندی مندی آنکھیں وا کئے اسے دیکھنے لگی۔

"چلو مہیرہ! یہاں سے نکل کر ہم کسی محفوظ مقام پر چلتے ہیں ہمت کرو"۔ اسے کھائی سے نکال کر ہلکی آواز میں فضیل نے کہا مگر وہ بے جان سی ہو گئی تھی۔

"مجھ سے ایک قدم نہیں چلا جائے گا' مجھے یہیں چھوڑ دیں آپ لوگ جائیں"۔ اتنی سی بات کہہ کر وہ وہیں ڈھے گئی۔

"بیگ مجھے دو' انہیں کندھے پر اٹھاؤ جلدی کرو"۔ علی نے بیگ اس سے لے کر مشورہ دیا جو اس حالت میں سود مند تھا۔

☆

"فضیل! اب یہی آخری حل ہے"۔ دانیال نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈالا حاشر' حاذق' علی بھی دانیال کی بات سے متفق نظر آ رہے تھے مگر وہ خاموش ہی رہا۔

"دیکھ یار! ہمارے گھر دور ہیں اور ابھی کسی پہ بھروسہ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ پرسوں ایک اور آپریشن ہے' بہتر ہے تو ٹھنڈے دماغ سے سوچ یہ قدرت کا فیصلہ ہے"۔ علی نے چائے کا مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے دانیال کی بات کو جاری رکھا' فضیل ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے ان پر سر ٹکا گیا۔

"علی! مہیرہ نے کچھ کھایا.....؟" فضیل کے سوال پر علی گھور کے رہ گیا سوال پتھر جواب اینٹ۔

"نہیں بس پانی پیا ہے ابھی سو رہی ہیں وہ" علی نے اسے دیکھا۔

www.Paksociety.com

''اچھا پھر میں دیکھتا ہوں اسے''۔ اپنا چائے کا مگ ہاتھ میں لئے وہ برابر والے کمرے میں آ گیا' یہ ایک چھوٹا سا کاٹیج تھا جہاں حاشر' حاذق پہلے سے موجود تھے' یہ ان کے لئے فی الحال محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔ اپنے سر پر محسوس ہوتے لمس پر اس نے پلکیں بمشکل کھول کر سامنے بیٹھے وجود کو دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو اب مہیرہ''۔ اس نے ہاتھ پیچھے کرتے نرمی سے پوچھا اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''چلو ایسا کرو پہلے شاور لے کر کپڑے چینج کرو' بہت خراب حالت ہو رہی ہے پھر کچھ کھا لینا''۔ مہیرہ کی سوالیہ نظریں اٹھیں۔

''میں نے بیگ میں تمہاری ضرورت کی اشیاء اور کپڑے رکھے تھے اس وقت تم میری کوئی بات نہ مانتی لہٰذا میں نے خود ہی پیکنگ کی تھی''۔ فضیل نے جواب دیتے ہوئے بیگ سے ایک سوٹ نکال کر بیڈ پر رکھا۔

''ابھی مجھے بھوک نہیں ہے اور نہ ہی شاور لینے کو دل چاہ رہا ہے''۔ کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھتی وہ آہستگی سے بولی۔ فضیل کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر فیصلہ کن انداز میں اس سے ذرا فاصلے پر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''جیسے حالات آج کل چل رہے ہیں ان میں' میں تمہیں کسی کے پاس چھوڑ کے نہیں جا سکتا' وجہ یہ کہ ہمارا مستقل کوئی ٹھکانہ نہیں' بی جان کی بھی یہی خواہش تھی' مقصود بھائی بھی مجھے کہتے تھے کہ تم اپنے گھر کی ہو جاؤ' اب میں سوچ رہا ہوں ان کی خواہش پوری کر دوں اگر تمہیں اعتراض نہ ہو.....؟'' نظریں اس پر مرکوز کئے وہ اس سے رائے مانگ رہا تھا جو بیڈ شیٹ کے ڈیزائن کو بڑی محویت سے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے شادی نہیں کرنی میں بی جان سے کہہ چکی تھی''۔ مدھم آواز میں جواب ملا۔

''اب بی جان نہیں ہیں دنیا میں''۔ اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیا فضیل نے۔

''مجھے شادی نہیں کرنی چلے جائیں یہاں سے''۔ سخت مگر دھیما لہجہ اپنائے اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں اور دو آنسو عارض پہ ڈھل گئے فضیل بے چین سا ہو گیا۔

''مہیرہ! ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ' اس طرح بغیر کسی رشتے یا بھروسے کے میں تمہیں کہاں رکھوں.....؟ میری ذمے داری ہو تم' حشر کے دن میں مقصود بھائی اور بی جان کو کیا منہ دکھاؤں گا.....؟'' بے بسی ہی بے بسی تھی کہ وہ اپنے منہ سے اسے دِل یو میری می' نہیں کہہ سکتا تھا اور کسی اور کی مہیرہ کو ہوتے دیکھنا سو ہان روح تھا۔

''مت لیں میری ٹینشن' میں ان کا خون نہیں ہوں کہیں سے گری ہوئی چیز کی مانند راستے میں پڑی ملی ہوں' کسی کی ذمے داری نہیں ہوں میں' اگر وہ مجھے اپنی ذمے داری سمجھتے تو کیا بیچ راستے میں چھوڑ کے جاتے مجھے.....؟ کیوں چلے گئے سب مجھے چھوڑ کے.....؟ بی جان' مقصود بھائی اور مالا بھی' میری کسی کو پرواہ نہیں' آپ بھی جائیں جن کو دنیا داری نبھا کر میری فکر کرنی تھی جب وہی نہ رہے تو آپ کیوں کسی کا وعدہ نبھا رہے ہیں کیوں وقت ضائع کر رہے ہیں' میرا کوئی نہیں رہا..... کوئی نہیں''۔ وہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑی ناگواری اور خود ترسی نے اسے ہسٹریکل بنا دیا تھا۔

''مہیرہ.....'' فضیل نے اسے پکارا جو گھٹنوں میں سر دیئے سسک رہی تھی۔

''مہیرہ! میں ہوں صرف تمہارا' صرف تمہارا مہیرہ''۔ جذبوں سے بھرپور گھمبیر سی آواز میں وہ ایک بار پھر اسے پکارنے لگا۔

''تمہیں شاید یقین نہ آئے مگر خدا نے تمہیں میری ذمے داری ہی بنایا ہے تمام عمر کے لئے یہ دیکھو''۔ مہیرہ تو پہلے ہی اس کے منہ سے ہوتے منکشف راز پہ منجمد سی ہو گئی' سر اٹھا کر اس کی ہتھیلی کو دیکھا جہاں ایک نفیس سا بریسلیٹ رکھا

تھا وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''یہ مجھے اس وقت ملا تھا جب تم ہمیں کھائی سے ملی تھیں اس میں تمہاری تصویر تھی اسی پر تمہارا نام درج تھا' تم مجھے ایک نظر میں بہت اپنی لگی تھیں مگر میں اپنے آپ سے ڈر گیا تھا وہ اس لئے کہ میں یہاں جہاد کرنے آیا تھا لڑکی پسند کرنے نہیں لیکن دل باغی ہو گیا میں نے بہت چاہا کہ یہ بات دل کے نہاں خانوں میں دبائے رکھوں لیکن جب بھی تمہیں دیکھتا حواس معطل ہو جاتے تھے پھر میں نے سوچا کہ عورت اپنی طرف اٹھتی پیار کی نگاہ فوراً بھانپ لیتی ہے تو میں نے اپنے جذبات کو منفی رکھنے کے لئے خود پر بیگانگی کا روپ دھار لیا جب میں یہاں آیا تو تین دن پہلے میری منگنی ہوئی اپنی چچازاد سے' بس میں گل کے ساتھ دھوکہ نہ کر سکا''۔ فضیل نے مہیرہ کو دیکھا وہ یقین و بے یقینی کی کیفیت سے گزر رہی تھی تو قف بعد پھر گویا ہوا۔

''میں نے گل سے منگنی توڑ دی کہ اگر مہیرہ نہیں تو گل بھی نہیں' بس میں ساری عمر جہاد کروں گا' شادی کا لفظ میں نے اپنی زندگی سے مٹا دیا تھا' اور جب مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ تم مجھے چاہتی ہو یقین کرو مجھے بہت دکھ ہوا پتہ ہے کیوں.....؟'' فضیل کے پوچھنے پر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''کیوں.....؟''

''کیونکہ میں اپنی یکطرفہ محبت کو تھک تھک کے سلا چکا تھا جب معلوم ہوا کہ تم بھی مجھے چاہتی ہو' تو میرے دل نے ہمک ہمک کر تمہاری آرزو کی میں تمہیں ڈانٹ ڈپٹ کے آ تو گیا مگر روح میں اتنا درد محسوس ہوا میں خود سے شرمندہ ہی رہا' پھر میں یہ بھی سوچتا کہ میرا کوئی بھروسہ نہیں ایک گولی مجھے ابدی نیند سلا سکتی ہے تو تمہارا کیا ہوگا.....؟ یہی سوچ تمہارے قریب نہ آنے دیتی' لیکن حالات نے آج وہ سب مجھ سے اگلوا دیا جو میں کبھی نہ کہنے کی قسم کھا چکا تھا' اب خیال آتا ہے کہ تمہارا میری زندگی میں آنا کاتب تقدیر بہت پہلے سے طے کر چکا تھا' ہماری ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں اب یہ جو سب میں نے کہا ہے تم یہ مت سمجھنا تم پر ترس کھایا ہے اگر دل یقین کرے تو دِل یو میری می.....؟'' کھڑے ہوتے فضیل نے دونوں ہاتھ کمر کی پشت پر باندھے منتظر نظروں سے مہیرہ کو دیکھا جو یقین کے مراحل سے گزر کر آمادہ سی نظر آئی فطری جھجک سے رخ موڑ گئی' فضیل سمجھ تو گیا تھا مگر اس کے منہ سے ہاں سننا چاہتا تھا۔

''اگر تمہیں یقین نہیں آیا تو ڈونٹ وری میں.....''

''نہیں..... ایسا تو کچھ نہیں وہ.....'' پلکوں کی جھالر عارض پر گھبراہٹ اور شرم سے لرزنے لگی تو فضیل دلکشی سے مسکرانے لگا۔

☆

''آپ بس مجھے اپنے گھر لے کر چلیں' وہاں آغا جان اور امی جان ہوں گے' آپ کے بہن بھائی بس مجھے جانا ہے اسلام آباد''۔ بیڈ پر لیٹے فضیل کے سینے پر لاڈ سے ہاتھ مرتے مہیرہ نے ضد کی' فضیل نے شرارت سے اسے جھٹکا دیا وہ سنبھلتی سنبھلتی بھی اس کے کندھے سے آ لگی۔

''او کے مائے لائف اور حکم.....'' اس کے گلے میں بازو ڈالے اپنا چہرہ اس کے بالوں سے لگاتے رضامندی دی۔

''کتنا مزہ آئے گا ناں ایک بھرا پرا گھر''۔ آنکھیں میچے کھنکتی آواز میں کہتی وہ فضیل کو گستاخی پر مجبور کر گئی۔

''فضیل! چھوڑیں مجھے ناشتہ بنانا ہے''۔ شرم سے گلنار ہوتے وہ دہائی دینے لگی۔

www.Paksociety.com

"او کے جاؤ اور فٹافٹ سے میرا ناشتہ ریڈی کرو"۔ فضیل نے اس پر رحم کھاتے ہوئے اپنی قید سے رہا کیا لیکن مہیرہ کی ٹھوڑی کے بائیں طرف وہ بھورا سا تل جو فضیل کی کمزوری تھا اسے نرمی سے لبوں سے چھوا مہیرہ خفگی سے دیکھنے لگی۔

"نو کپڑے' نو ناشتہ مجھے تنگ کیا ہے ناں..... اب آپ کی سزا ہے سب خود کریں میں چلی"۔ اس کے بال بگاڑتی وہ زبان باہر نکالے ناک چڑھانے لگی تو فضیل ایک جست میں اس کی جانب لپکا مگر وہ پھرتے اڑتی تتلی کی طرح کمرے سے باہر نکلی' فضیل پھر سے اوندھا لیٹ گیا۔

☆

"فضیل بھائی! آپ....." رومیل نے فضیل کو دیکھ کر خوشی سے نعرہ لگایا اور پھر اس سے بغلگیر ہو گیا گھر کے باقی افراد بھی رومیل کی تیز آواز سن کر لان میں جمع ہو گئے تو وہ باری باری سب سے ملا خود بھی رویا اور سب کو رلایا اور آ کے ماں جی آغا جان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"کیا آپ دونوں مجھے معاف کریں گے.....؟ میں نے بہت دل دکھایا ہے آپ کا' میں بہت گناہ گار ہوں"۔ وہ ان کے قدموں میں سر رکھے پھر سے رو پڑا تو آغا جان اور ماں جی نے اسے اٹھا کر سینے سے لگایا' ان کا لخت جگر تھا وہ کیسے اتنے عرصے بعد اسے روتا بلکتا برداشت کرتے۔

"تو جھلا ہے ماں باپ کبھی اتنا سخت ناراض نہیں ہوتے' بچوں سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں' یہی بہت ہے کہ تو اپنوں میں لوٹ آیا"۔ اس کے بال سہلاتے امی جان نے رنجیدگی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے کہا۔

"اے کڑی کون اے پتر.....؟" اسے اپنے پاس بٹھا کر ان کی نظر فیروزی کاٹن کے ایمبرائڈری سوٹ میں ملبوس مہیرہ پر اٹھی تو لان میں موجود سب کی نگاہیں بیک وقت خوبصورت سی مہیرہ پر پڑیں' فضیل نے آنکھیں صاف کرتے مہیرہ کو دیکھا جو آنکھوں میں نمی لئے لب مچل رہی تھی۔

"یہ آپ کی بہو ہے مہیرہ اور مہیرہ یہ ہے میری فیملی یہ آغا جان' یہ امی جان یہ مجھ سے چھوٹا رومیل پھر رومیس' یہ رومیس کی مسز تانیہ..... ارے رومیل کی بیوی کہاں ہے.....؟" سب کا تعارف کراتے فضیل نے امی سے کہا۔

"وہ اپنے میکے گئی ہے آنے والی ہوگی اور تم یہاں میرے پاس آؤ بیٹا"۔ بانہیں پھیلا کر انہوں نے بلایا تو وہ جھجکتی ان کے سینے سے آ لگی' وہ نمی جو آنکھوں کے گیلے فرش پر تیر رہی تھی بند توڑ گئی۔ کافی دیر سب سے باتیں کرنے کے بعد تانیہ اسے روم میں چھوڑ گئی اور فضیل نے اپنی فیملی کو بتایا کہ وہ اس کے دوست کی بہن ہے۔

☆

"بھیا! کھانا لگ گیا یار جلدی آئیں پہلے ہی تانیہ بی بی سبحان اللہ کھانا بناتی ہیں"۔ رومیس نے دروازہ بجا کر ہانک لگائی تو تانیہ نے خفگی سے پلیٹ زور سے ٹیبل پر پٹخی۔

"مہیرہ....." عمیمہ کے لب ہلے وہ ایک ٹرانس کی حالت میں سیڑھیاں اترتی مہیرہ کو دیکھنے لگی۔

"تم مہیرہ ہو ناں.....؟" چلتے چلتے وہ اس کے روبرو آئی' مہیرہ لبوں پر پرخلوص سی مسکان سجائے اس کے پاس آئی' عمیمہ نے غور کیا مگر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی نہ تھی۔

"تم مہیرہ! تم کہاں چلی گئی تھیں.....؟" ایک خواب کی سی کیفیت میں چلتی آئی عمیمہ اور سب کو ششدر کر گئی۔

"آپ مجھے کیسے جانتی ہیں.....؟ جبکہ میں تو کہیں گئی ہی نہیں"۔ مسکراہٹ اس کے لبوں سے غائب ہو گئی' آنکھوں میں سوال' چہرے پر الجھن درج تھی۔ مہیرہ کے بالکل پیچھے کھڑے فضیل نے عمیمہ کو کچھ بھی کہنے سے روکا تو وہ چپ ہو گئی۔

"میرا مطلب تھا کہ فضیل بھائی سے سنا تھا ان کی مسز کا نام مہیرہ ہے اس لئے کہا کہ آپ اتنی لیٹ کیوں آئیں آپ کو تو چاہئے تھا ہمیں ویلکم کرتیں' بھئی بڑی بہو ہی اپنی دیورانی کو گھر لاتی ہے ناں"۔ جبراً چہرے پر مسکراہٹ لانا کتنا دشوار ہے یہ کوئی اس لمحے عمیمہ سے پوچھتا جو اپنی آنکھوں سے چھلکتی نمی پر بند باندھے مسکرا رہی تھی' مہیرہ بھی ریلیکس ہوئی۔

"اتنے عرصے بعد سسرال کی یاد آ گئی آپ کو' اچھا یہ تو بتائیں چنکو منکو کہاں ہیں.....؟" اپنے تاثرات کمپوز کر کے اس نے مہیرہ کو گلے سے لگا کر سوال جڑ دیئے' مہیرہ کا چہرہ گلابی سا ہو گیا وہ سر جھکا کر ٹیبل تک آئی جہاں سب کے چہروں پر مبہم سی مسکراہٹ چھلک رہی تھی۔

"للل سسٹر اینڈ بھابی! ابھی ہماری شادی کو اونلی ایک ویک ہوا ہے تو چنکو منکو کس کے ساتھ لاتے"۔ فضیل نے ہنستے ہوئے جواب دیا اب پزل ہونے کی باری عمیمہ کی تھی۔

☆

سوں..... سوں آنکھیں اور ناک صاف کرتی عمیمہ کے گرد اس وقت ساری فیملی براجمان تھی اور دنگ بھی کہ آج دو بڑے انکشاف ہوئے فضیل کی واپسی بمعہ دلہن اور دلہن عمیمہ کی کھوئی دوست۔

"جب یہ گم ہوئی آنٹی مینٹلی بیمار رہنے لگیں تو انکل نے مجبوراً کسی کی نعش پر مہیرہ کا نام لے کر آنٹی کو یقین دلایا تو وہ کومے میں چلی گئیں۔ پھر انکل نے دبئی جانے کا فیصلہ کیا وہ وہیں شفٹ ہو گئے' دکھ سب سے زیادہ اس بات کا ہے کہ وہ ماضی بھول گئی' اسے زندہ سلامت دیکھ کر مجھے اپنی بصارت پر یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا"۔ ہچکیاں لیتی عمیمہ نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا سب لوگ سوچوں کے بھنور میں جکڑے ہوئے تھے۔

"ارے واہ یہاں تو لیٹ نائٹ محفل جمی ہے"۔ مہیرہ کھانے کے بعد سو گئی تھی جب اس کی آنکھ کھلی تو فضیل کمرے میں نہ تھا' اس نے بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا اور پیروں میں سلیپر پھنسائے باہر آ گئی' لان میں سب کو دیکھا شانوں پر دوپٹہ ٹھیک کرتی وہیں چلی آئی۔

"بسم اللہ آؤ بیٹا یہاں میرے پاس بیٹھو' اصل میں تم بور ہی تھیں ورنہ جگا لیتے تمہیں' خدا خیر کرے اب تو تم یہیں ہو محفلیں جمتی رہیں گی"۔ رینا بیگم نے سب سے پہلے لب کشائی کی اور اپنے برابر مہیرہ کو جگہ دی' فضیل پر نظر گئی تو اس نے بائیں آنکھ دبائی مہیرہ بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

☆

"کیسی ہو حنظلہ.....؟" عمیمہ نے اگلے دن حنظلہ کو فون کیا۔

"میں ٹھیک ہوں' تم کیسی ہو' سسرال کیسا ہے تمہارا.....؟" حنظلہ کے اداسی بھرے لہجے کو عمیمہ نے جھٹ فیل کیا۔

"انکل آنٹی ٹھیک تو ہیں' تمہارا لہجہ اتنا ملول سا کیوں" عمیمہ کے تشویش سے پوچھنے پر حنظلہ کی سسکی ابھری۔

"جب تم جانتی ہو عمیمہ کہ مہیرہ کے بعد خوشیاں روٹھ سی گئی ہیں' پپا اندر ہی اندر گھلتے رہے' سوچ سوچ کر برین ٹیومر کا مرض لاحق ہو گیا انہیں' تین ماہ پہلے وہ مہیرہ کے پاس جا پہنچے' ممی بھی کومے میں ہیں ڈاکٹر نے ایک ہفتہ کہا ہے کہ....." آنسو بھری آواز پر عمیمہ نے اپنے لب مچل لئے۔

"اگر اسے کہو کہ ماضی پر دھیان دو تو یہ ذہنی مریضہ بن سکتی ہے اسے اس کے حال پر رہنے دو ہو سکتا ہے خود ہی اس کو یاد آ جائے' ہو سکتا ہے کبھی نہ آئے تو کیا فائدہ ہم اس کے والدین کو لائیں اور یہ نہ پہچانے پھر پیچھے سوچے گی' بس تم دعا کرو اس کی یادداشت خود ہی ٹھیک ہو جائے میں خود لے کر جاؤں گا مہیرہ کو اس کے والدین کے پاس"۔ اس دن

www.Paksociety.com

فضیل کے جواب پر وہ منجمد سی ہوگئی تھی جیسے اب حنظلہ سے یہ سن کر کہ انکل آنٹی دونوں۔

''اوخدا..... آپ حوصلہ کریں میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں' مجھے بے حد دکھ ہوا اچھا پھر بات کروں گی بائے''۔ حنظلہ کو تسلی دے کر فون بند کر دیا۔

☆

''سو بیوٹی فل''۔ سرسبز چھوٹی سی وادی میں ذرا اونچائی پر کھڑی وہ فرط مسرت سے گول گول گھومتی دونوں ہاتھ آپس میں بھینچے بہت خوش لگی فضیل کو۔

''ہاں مگر تم سے کم''۔ فضیل نے محبت سے اسے اپنی پرحدت آغوش میں سمیٹتے مدہوش سرگوشی میں کہا' مہیرہ کا پورا جسم سنسنا اٹھا۔

فضیل آج اسے اپنی پسندیدہ جگہ پر لایا تھا' کشمیر بھی بے حد حسین تھا مگر یہ حصہ مہیرہ کی قربت سے بے تحاشا حسین لگا جہاں ہر طرف پیار کرنے والے خود میں مگن تھے یہ بھی پیار کی گلابی وادی لگی جیسی گلابی وادیاں فضیل نے مہیرہ کے سنگ کشمیر میں دیکھی تھیں۔ فضیل کے سیل نے بیپ دی وہ بے مزہ سا ہوگیا۔

''ہیلو..... دانیال اچھا یار ٹھیک ہے آجاؤں گا او کے''۔ اس کی باتیں سن کر مہیرہ کے لبوں سے ہنسی غائب ہوگئی۔

''کہاں جانا ہے.....؟'' کسی اندیشے کے تحت مہیرہ نے سوال کیا۔

''کشمیر دعا کرو کامیابی ملے''۔ فضیل نے کہا۔

''میری جان کیا ہوا خاموش کیوں ہوگئیں''۔ فضیل نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اونچا کیا۔

''آپ کشمیر مت جائیں پلیز.....'' مہیرہ نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

''مہیرہ تم جانتی ہو مہیرہ جہاد کرنا میرا.....''

''پلیز فضیل! آپ نے اللہ کی راہ میں کام کرنا ہے ناں.....؟ اس کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں جہاد بھی چار سال کیا ہے آپ نے' پھر ماں باپ کو چھوڑ کے جائیں گے وہ آپ کو کبھی اجازت نہیں دیں گے' اور مجھے چھوڑ کے جائیں گے.....؟ فرض کریں اگر وہاں جاتے ہی آپ کو شہادت مل جائے تو تو میرا کیا ہوگا.....؟ ابھی تو بہت سی خوشیاں آپ کے سنگ دیکھنی ہیں' ابھی تو پیار کی ان گلابی وادیوں میں' میں نے آپ سے بہت سے وعدے لینے ہیں' پلیز کوئی ٹرسٹ کھلوائیں اللہ کی راہ میں سو طریقے ہیں جہاد کرنے کے' یہ پہلی اور آخری بات آپ مانیں وعدہ ہمیشہ آپ کی ہر بات مانوں گی''۔ معصومیت سے کہتی وہ فضیل کا ارادہ ڈانواڈول کر گئی' ایک یاسیت اس کی کشادہ آنکھوں میں پھیلی نظر آئی۔

''پکی بات ہے مکر تو نہیں جاؤ گی''۔ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لئے استفسار کیا۔

''نہیں مکرتی وعدہ بالکل پکا ایلفی سے جڑا''۔ ایکدم جوش سے کہتی وہ فضیل سے لمحے میں فیصلہ کروا گئی اچانک ایک نٹ کھٹ بدلی آکر ان پر برسنے لگی وہ فضیل کے سینے سے لگی فضیل کے جذبات اکسانے لگی۔

''فضیل! ہم پبلک پوائنٹ پر ہیں گھر چلیں مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔ فضیل کی جسارتوں پر وہ چھوئی موئی بن گئی مگر تیز ہوا بارش نے اسے خوف میں مبتلا کر دیا۔

''ابھی تو کہا تھا ہر بات مانوں گی.....؟'' اس کے گداز بازو کو پکڑ کر اپنے سامنے کیا وہ کپکپا رہی تھی' فضیل نے اس کے اوپر اپنا کوٹ ڈال دیا اور لب اس کی مانگ پر رکھ دیئے۔

☆

عنقریب ماہ نامہ ایم ریلڈ آرہا ہے

ایم ریلڈ میں پراسرار سچی کہانیاں اور ایک ایسا سلسلہ جس میں ہر قاری شامل ہوسکتا ہے یعنی ایک سچا، چھوٹا سا پراسرار واقعہ آپ بھی لکھئے

اور بہت کچھ

ڈینٹل نیوز، ہیلتھ نیوز، بیوٹی ٹپس، نیو باورچی خانہ

روحانی آیات سے علاج

اور وہ کچھ جو اس سے پہلے آپ نے نہیں پڑھا

تمام ایجنٹس اپنی کاپی بک کروائیں پہلا آرڈر آنے پر 5 کاپی فری

صرف ایک بار پھر بار بار

ماہ نامہ ایم ریلڈ کی خط وکتابت کا پتہ

129D.Block II Pechs Karachi Phone: 02134535726

www.Paksociety.com

عائشہ ذوالفقار

ناولٹ

میری تمنا تیرا مقدر

گرمیاں اپنے پورے جوبن پر تھیں' جولائی کے دن تھے' صبح کو چمکیلی دھوپ نہ ہوتی تو حبس ہو جاتا' دوپہر کو سورج آگ برستا' شام کو دھوپ کی شدت کم ہوتی اور ہوا چلتی تو سکون ملتا' اب بھی شام ہوتے ہی روحاء نے چھڑکاؤ کیا اور چار پائیاں نکال دیں۔ بڑی امی نے مشین لگائی تھی' سالم اپنے کاغذات لے کر باہر آ بیٹھا' فرزام اندر کمپیوٹر کے آگے بیٹھا تھا' شہرام کہیں باہر گیا ہوا تھا' چھوٹے بابا کی طبیعت خراب تھی وہ اندر سو رہے تھے' روحاء کپڑے نتھار رہی تھی' تبھی بیرونی دروازہ کھلا' سب نے نظریں اٹھائیں بڑے بابا اندر آئے تھے۔ سب نے دوبارہ نظریں جھکالیں لیکن متوجہ کر لینے والی وہ لڑکی تھی جو بڑے بابا کے پیچھے اندر داخل ہوئی تھی۔ سالم دوبارہ کاغذات پر نہ جھک سکا۔ بڑی امی نے خیالی میں مشین کا بٹن الٹا گھما گئیں۔ روحاء بھی حیران ہوئی۔ بڑے بابا اندر آ چکے تھے۔

''سعدیہ! رشید کو لے کر میرے کمرے میں آؤ اور روحاء بیٹا! چائے بناؤ' ساتھ میں کچھ اور بھی بنا لینا''۔ بڑے بابا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔ سعدیہ نے سوالیہ نظروں سے روحاء کی طرف دیکھا' وہ کندھے اچکا گئی۔

''یہ مشین کیوں نہیں چل رہی......؟'' بڑی امی جھلا گئیں۔

''سیدھا گھمائیں تو چلے گی نا''۔ سالم نے اٹھ کر بٹن سیدھا گھمایا۔ بڑی امی اندر چلی گئیں' روحاء چائے بنانے چلی گئی' سالم نے بھی کاغذات سمیٹے اور کمرے میں گھس گیا۔ روحاء نے چائے کا پانی چڑھایا اور کباب تلنے لگی' تبھی فرزام آ گیا۔

''کون آیا ہے......؟'' وہ دروازے میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''پتہ نہیں سب بڑے ابا کے کمرے میں اکٹھے ہیں''۔ شہرام کی نگاہیں کباب کی پلیٹ پر پڑیں' روحاء نے کبابوں کی پلیٹ غائب کی اور پھر چائے لے کر کمرے میں آ گئی۔

''روحاء بیٹا! باقی سب کو بھی بلاؤ''۔ انہوں نے کہا۔ روحاء سر ہلا کر باہر آ گئی' وہ دونوں ابھی تک کچن میں کھڑے آدھے کباب پر لڑ رہے تھے۔

''بڑے ابا بلا رہے ہیں''۔ وہ اونچی آواز میں بولی۔ تینوں کمرے کے دروازے پر آ گئے۔

''بچو! یہ اسماء ہے' میرے ایک بہت اچھے دوست کی بیٹی ہے' اس کے والدین فوت ہو چکے ہیں' اب یہ ہمارے ساتھ رہے گی' روحاء بیٹا! بہن کو اپنے کمرے میں لے جاؤ''۔ انہوں نے آخر میں روحاء سے کہا۔

''آؤ......'' وہ اسماء کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ روحاء' اسماء کو اپنے کمرے میں لے گئی' تھوڑی دیر بعد تینوں ایک ایک کر کے اس کے کمرے میں آ گئے۔

''یار! یہ کچھ عجیب طرح سے نہیں شرما رہی ہے''۔

www.Paksociety.com

اسماء تین جوان لڑکوں کو اپنی طرف گھورتا دیکھ کر بری طرح کنفیوژ ہوگئی تھی۔

''شرما نہیں رہی' ڈر رہی ہے''۔ فرزام نے اندازہ لگایا۔

''کس سے.....؟'' شہرام حیران ہوا۔

''تم سے' کہیں تم اسے بھی کبابوں کی طرح نہ کھا جاؤ''۔ سالم کہتے ہوئے دھپ سے کرسی پر گرا اور ساتھ والی کرسی پر بیٹھی اسماء ایکدم کھڑی ہوگئی۔ شہرام ایک دم اس کے سامنے آیا' اسماء کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''وہ پہلے ہی پریشان ہے' اسے اور پریشان نہ کرو''۔ روحاء نے ان تینوں کو باہر دھکیلا۔

''تم ان کی باتوں کا برا نہیں منانا' یہ ایسے ہی ہیں' تم منہ دھولو میں تمہارے لئے کھانا لے کر آتی ہوں''۔ روحاء اسے تسلی دے کر باہر نکل گئی۔

شام کا کھانا کھا کے ابھی وہ فارغ ہی ہوئے تھے کہ حاریہ آدھمکی۔

''جب تک تم ہمارے گھر ہو نہ تب تک کوئی سیکرٹ' سیکرٹ نہیں رہ سکتا''۔ اسے دیکھ کر روحاء نے فرزام کو گھورا۔

''کہاں ہے وہ لڑکی.....؟'' حاریہ' روحاء کے کان میں گھسی تھی' روحاء اسے خود سے دور کرتی ہوئی کمرے میں لے آئی۔ جانے سے پہلے حاریہ نے بازو سے پکڑ کر انگلی اٹھا کر فرزام کو وارننگ دی۔

''خبردار جو تم اسے دیکھنے کے بہانے بار بار روحاء کے کمرے میں گئے تو' ویسے بھی تم لڑکیاں دیکھ کر بڑی جلدی پھسل جاتے ہو''۔ فرزام ہکا بکا رہ گیا۔

''خدا کا خوف کرو حاریہ! میں نے کون سی لڑکیاں دیکھ لیں' جو میرے گھر میں ہے وہ میرے اپنے بھائی کی منگیتر ہے اور جو تمہارے گھر ہے.....'' اتنا کہہ کر وہ بھونڈے انداز میں ہنسا۔

حاریہ اور فرزام ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور اس پسندیدگی کا تقریباً سارے گھر کو ہی پتہ تھا' فرزام اور شہرام بھائی تھے۔ فرزام بڑا تھا' شہرام چھوٹا تھا۔ دونوں بڑے بابا یعنی نوید حسن کی اولاد تھے۔ شہرام اور روحاء کی منگنی ہو چکی تھی۔ روحاء اور سالم بہن بھائی تھے' ان کی والدہ وفات پا چکی تھیں۔ ان کے ساتھ والا بنگلہ سالم اور روحاء کے ماموں کا تھا۔ حاریہ اور ساریہ ان کی بیٹیاں تھیں۔ دونوں بہنوں میں زمین' آسمان کا فرق تھا۔ حاریہ جتنی سوشل اور ماڈرن تھی' ساریہ اتنی ہی آدم بیزار اور الگ تھلگ رہنے والی تھی' منہ پھٹ بھی بہت تھی اور اس کے غصے کا نشانہ عموماً سالم ہی بنتا تھا' کیونکہ ماموں نے اپنے بزنس کا سارا بوجھ اس پر ڈالا ہوا تھا اور اسے اکثر وہاں جانا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کی ایک پھپھو بھی تھیں جو طلاق یافتہ تھیں اور اپنے بیٹے یسار کے ساتھ اوپر رہتی تھیں۔ فرزام کہتا تھا۔

''پھپھو کو تو انٹارکٹیکا میں پیدا ہونا چاہئے تھا''۔ وہ بہت آدم بیزار تھیں۔

☆

اسماء کو ان کے گھر آئے دو دن ہو چکے تھے۔ بڑے ابا نے اس کا ایڈمیشن روحاء کے کالج میں کروا دیا تھا' مگر اس لڑکی کے بس دو کام تھے' کمرے میں گھسے رہنا یا پھر روتے رہنا۔ وہ ابھی تک ان سب سے گھلی ملی نہیں تھی' اب تو تینوں لڑکے بھی اس کے سامنے آنے سے ڈرتے تھے۔ اس دن ناشتے کی میز پر بڑے ابا نے شہرام کو پکڑ لیا۔

''ہاں بھئی برخوردار! کتنے دن ہیں تمہارا رزلٹ آنے میں''۔ شہرام بے چارے کے حلق میں لقمہ پھنس گیا۔

''وہ ابو! ابھی کچھ دن لگیں گے''۔

''کس میں؟'' انہوں نے گھورا۔

''بہانے گھڑنے میں''۔ سالم کی سرگوشی نکلی۔ بڑے ابا اٹھ کر چلے گئے۔

☆

اس نے ایک بار پھر کن انکھیوں سے ماموں کی طرف دیکھا' مگر وہ پوری طرح سامنے پڑی فائل میں گم تھے' وہ جل کر رہ گیا۔ آج اسے امیمہ کو لے کر ڈنر پر جانا تھا اس کی برتھ ڈے تھی مگر ماموں اس کی جان نہیں چھوڑ رہے تھے۔ امیمہ کی بے شمار کالز آچکی تھیں۔ اچانک وہ کسی کام سے اٹھ کر اوپر گئے تو اس نے ایکدم موبائل اٹھایا۔ امیمہ کے سات میسج آئے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کال کرتا وہ عین اس کے سر پر آکر بولی۔

''پاپا تمہیں کام کا کہہ کر گئے ہیں اور تم گرل فرینڈز کو میسجز کرنے لگے ہوئے ہو''۔ استہزائیہ لہجہ سالم چڑ گیا۔

''آج امیمہ کی برتھ ڈے ہے اور مجھے اسے ڈنر پر لے کر جانا ہے مگر تمہارے والد صاحب جان ہی نہیں چھوڑ رہے''۔ وہ تپا بیٹھا تھا۔

''امیمہ کو کام پر فوقیت دے رہے ہو.....؟'' ساریہ نے پوچھا۔

''میں اسے ہر چیز' اپنے آپ پر بھی فوقیت دیتا ہوں''۔ وہ پریشان تھا' ساریہ ایکدم چپ کر گئی۔

''ساریہ! تم انکل سے کہنا کہ میرے ایک دوست کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے' میں اس لئے چلا گیا''۔ وہ اس کی منت سماجت کرکے بولا۔

''سوری..... میں جھوٹ نہیں بولتی''۔ وہ صاف ہری جھنڈی دکھا گئی۔

''کبھی کسی کا کوئی کام نہیں کرنا تم''۔ وہ دوبارہ تپ گیا اور دوبارہ موبائل کی طرف متوجہ ہوگیا۔ امیمہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔

''اچھا جاؤ میں کہہ دوں گی پاپا سے''۔ سالم ایکدم چونکا۔ اسے یقین نہیں تھا۔

''تھینک یو ساریہ! تھینک یو سو مچ''۔ وہ ایکدم باہر نکل گیا۔

☆

''اب کیوں آئے ہو جاؤ چلے جاؤ''۔ وہ بھری بیٹھی تھی۔

''سوری یار' وہ مجھے.....'' مگر امیمہ نے بات کاٹ دی۔

''خبردار جو مجھے جھوٹی صفائیاں دیں' جاؤ اسی کو لے جاؤ جس کے ساتھ مصروف تھے''۔

''لاحول''۔ وہ دہل گیا۔

''لڑکیاں ساری شکی ہوتی ہیں' امیمہ ماموں نے روک لیا تھا''۔ وہ بولا پھر ہزار منتوں کے بعد وہ راضی ہوئی۔

''اکیلی رہتی ہوں میں اس فلیٹ میں سالم! کوئی اپنا نہیں ہے میرا' اگر تمہیں اپنا بنالیا ہے تو یوں تو نہیں کرو' تم تو انتظار کروا کروا کے ہی مار دو گے مجھے''۔ امیمہ کے آنسو گرے تھے۔ سالم تڑپ گیا۔

''سوری امیمہ''۔ وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکا۔

اس کی اور امیمہ کی ملاقات چار سال پہلے ہوئی تھی۔ انہیں جاب بھی ایک ہی جگہ مل گئی تھی' بعد میں جب سالم اپنے ماموں کی کمپنی میں چلا گیا تب بھی ان کی دوستی نہ ٹوٹی بلکہ محبت میں تبدیل ہوگئی تھی۔ امیمہ کا کوئی نہیں تھا۔ اس لئے وہ سالم کے معاملے میں جذباتی ہو جاتی تھی' سوائے بڑے بزرگوں کے سب اس کی اور امیمہ کی پسندیدگی کے بارے میں جانتے تھے۔ کئی بار تو وہ سالم کے گھر بھی آئی تھی۔

☆

اس دن شام کو وہ سب باہر چارپائیوں پر بیٹھے تھے' بزرگ حضرات بزنس معاملات سلجھا رہے تھے اور باقی سب مل کر گپیں ہانک رہے تھے' تبھی دروازہ کھٹکا' شہرام اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا' اندر آنے والی صورتیں اجنبی تھیں۔

''ہمیں نوید حسن صاحب سے ملنا ہے''۔ آنے والے تین لوگ تھے۔ شہرام انہیں اندر لے آیا۔

''جی فرمائیے..... میں ہوں نوید حسن''۔ بڑے بابا بولے۔

www.Paksociety.com

''جی میں اسماء کا تایا ہوں''۔ اب بڑے بابا نے ایکدم اسماء کی طرف دیکھا وہ زرد ہو رہی تھی۔
''آئیں اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں''۔ وہ انہیں اندر لے گئے باقی سب روحاء کے پیچھے کچن میں آ گئے' اسماء رونا شروع کر چکی تھی۔
''یہ کون ہیں سماء!'' شہرام حتی الامکان نرم لہجے میں بولا۔
''میرے تایا اور دو چچا''۔ وہ سسکتے ہوئے بولی۔
''کیوں آئے ہیں.....؟'' پھر سوال ہوا۔
''پتہ نہیں''۔ رونے کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی۔ شہرام تنگ آ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب روحاء چائے لے کر گئی تو کمرے کی فضا خاصی گرم ہو چکی تھی۔
''دیکھیں بڑے میاں! وہ ہماری بیٹی ہے اور ہمیں اسے ساتھ لے جانے کا پورا حق ہے''۔ ایک بولا تھا۔
''مگر اس کا باپ اسے مجھے سونپ کر گیا ہے' پھر میں کیسے اسے آپ کے حوالے کر دوں''۔ بڑے ابا شائستگی سے بولے تھے۔
''لیکن وہ ہمارا خون ہے ہم اسے لینے آئے ہیں''۔ وہ پھر بولے۔
''مگر میں اسے آپ لوگوں کے ساتھ نہیں بھیج سکتا''۔ بڑے بابا دوٹوک لہجے میں بولے۔
''دیکھیں جی! اس کی فیصل کے ساتھ منگنی ہو گئی ہے اور اب اس کی شادی کرنی ہے آپ اسماء کو ہمارے حوالے کریں''۔
''ٹھیک ہے آپ لوگ اسماء سے پوچھ لیں وہ اگر راضی ہے تو لے جائیں ورنہ نہیں''۔ اسماء کو بلایا گیا وہ روئے جا رہی تھی۔
''بیٹی! ان کے ساتھ جاؤ گی یا یہیں رہو گی.....؟'' بڑے بابا نے شفقت سے پوچھا۔
''مجھے کہیں نہیں جانا''۔ اس نے صاف جواب دے دیا۔
''ٹھیک ہے بڑے میاں! خون تو آخر ہمارا ہے نا۔ عدالت کے ذریعے لے لیں گے ہم اسے''۔ وہ لوگ غصے میں کہہ کر چلے گئے۔
''انکل! فیصل بہت ظالم ہے وہ نشہ بھی کرتا ہے اور بالکل ان پڑھ جاہل ہے' اپنی بہنوں کو بھی بات بات پر مارتا ہے' مجھے اس سے شادی ہرگز نہیں کرنی ہے''۔ اسماء روتے ہوئے بتا رہی تھی۔ بڑے بابا نے پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
''بے فکر رہو بیٹا! تمہیں کوئی نہیں لے جا سکتا' روحاء! بہن کو لے جاؤ''۔ روحاء اسے لے کر کمرے سے نکل گئی۔
''پر بھائی جی عدالت کے ذریعے سے وہ اسے لے سکتے ہیں آخر یہ ان کا خون ہے''۔ رشید حسن کی بات بھی بالکل ٹھیک تھی۔
شام کو حاریہ آ گئی۔ ساری بات سن کر اس نے جھٹ سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔
''تم بالکل فکر نہ کرو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں' دیکھ لیں گے تمہارے فرسٹ کزن کو''۔ اسماء نے تو جیسے رونے کا مقابلہ لگایا ہوا تھا۔ گھر کی فضاء میں عجیب تناؤ سا آ گیا تھا۔ دو دن گزر گئے تو اسماء کو قرار سا آ گیا۔

☆

دوپہر کو سب اپنے اپنے کام پر گئے ہوئے تھے۔ روحاء اور اسماء کالج سے آ کر سو گئیں۔ شہرام آیا تو دروازہ پھر کھٹکا' وہ حیران ہوتے ہوئے پلٹا تو باہر کوریئر والا کھڑا تھا' بڑے بابا کے لیے لیٹر آیا تھا۔ وہ سائن کر کے لے آیا۔ شام کو جب سب کھانا کھا رہے تھے تو اسے یاد آیا۔
''ابو! دوپہر آپ کے لئے لیٹر آیا تھا''۔ بڑے بابا ایکدم چونکے۔
''کہاں ہے لاؤ.....؟'' وہ اٹھ کر لے آیا' بڑے بابا نے کھولا اور پھر ایکدم پریشان ہو گئے۔
''خیریت ابو''۔ فرزام بولا۔
''عدالت کی طرف سے نوٹس ہے' انہوں نے اسماء

کے لئے کیس دائر کر دیا ہے''۔ اسماء کا رنگ زرد ہو گیا۔
''اب کیا ہو گا بڑے بابا.....؟'' سالم بولا۔
''کچھ کرنا ہو گا''۔ وہ پریشان ہو رہے تھے۔
''کتنے دن بعد حاضر ہونا ہے عدالت میں بھائی جی.....؟'' چھوٹے بابا بولے۔
''ایک ہفتے بعد''۔ وہ بولے۔
''ایک ہفتے میں کیا کریں گے آپ.....؟'' اسماء کا رونا شروع ہو چکا تھا۔
''دیکھتے ہیں''۔ وہ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔ ان سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کندھے اچکا دیئے۔

☆

''میں مر جاؤں گا' گھر سے بھاگ جاؤں گا مگر اس سے شادی نہیں کروں گا''۔ فرزام نے کوئی سوویں دفعہ یہ جملہ کہا تھا۔ بڑے بابا ناشتے کی میز پر یہ دھماکا کر کے چلے گئے تھے۔ اپنے عزیز دوست کی بیٹی کے لئے وہ بیٹا قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔
''میں تو پہلے ہی پریشان تھی''۔ اب کے اسماء نہیں رو رہی تھی' حاریہ رو رہی تھی اور بے تحاشا رو رہی تھی۔
''ابو کو پتہ بھی ہے میں حاریہ کو پسند کرتا ہوں''۔ فرزام کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے۔
''ان کا کہنا ہے کہ یہ سطحی جذبات ہوتے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتے ہیں''۔ بڑی امی نہ جانے کب اندر آئی تھیں۔
''امی! مجھے اس بسورتی سے شادی نہیں کرنی''۔ وہ اب کے بڑی امی کی طرف بڑھا۔
''آپ سمجھائیں ابو کو' وہ کیوں میری خوشیوں کے قاتل بن رہے ہیں''۔
''میں کچھ نہیں کر سکتی' اٹل فیصلہ سنا کر گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ ایک دو دن میں فرزام اپنے آپ کو تیار کر لے' دو دن بعد سادگی سے نکاح ہو گا''۔ بڑی امی کے بولنے کے ساتھ ساتھ حاریہ کے رونے کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔
''آنٹی! آپ تو جانتی ہیں سب کچھ اس کے باوجود آپ کچھ نہیں کر سکتیں''۔ حاریہ اٹھ کے ان کے پاس آئی۔
''میں مجبور ہوں''۔ وہ بولیں۔
''فرزام صاف صاف کہہ دے''۔ شہرام نے مشورہ دیا۔
''کوئی فائدہ نہیں وہ زبردستی کر دیں گے نکاح''۔ بڑی امی بولیں۔
''بس پتہ تھا مجھے یہ ہی ہو گا' یہ خود کون سا کم تھا' ایسے گھور گھور کے دیکھتا تھا اسے''۔ حاریہ سب کے سامنے شروع ہو گئی۔
''او خدا کی بندی! انہیں دیکھا میں نے اسے' کوئی شوق نہیں ہے مجھے اس کی رونی صورت کو گھورنے کا''۔ بڑی امی باہر نکل گئی تھیں۔
''تو پھر بڑے بابا کو تم ہی کیوں نظر آئے' یہ سالم کیوں نہیں آیا''۔ سالم ایکدم تڑپا۔
''امیمہ یہاں ہوتی تو تمہیں خود ہی بتا دیتی''۔ حاریہ پھر رونے لگ گئی۔
''بس کرو حاریہ''۔ روحاء اب کے اس کے آنسو صاف کر کے بولی۔
''اُدھر وہ روئے جا رہی ہے اِدھر تم''۔ مگر اس کا کہنا ہی عذاب ہو گیا۔
''وہ کیوں رو رہی ہے اسے تو خوش ہونا چاہئے' اب ساری زندگی اسی گھر میں رہے گی''۔
''کیوں رہے گی میں رہنے دوں گا تو رہے گی''۔ فرزام پھر بولا۔
''تم چپ کرو' بس بولے جا رہے ہو کچھ کرو''۔ فرزام نے بہت کوشش کی مگر بڑے ابا نہیں مانے۔
دو دن گزر گئے تھے' صرف پانچ دن رہ گئے تھے' رو رو کر حاریہ کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ فرزام بات

www.Paksociety.com

بات پر چلا اٹھتا تھا۔ اسماء تو اس دن سے کمرے میں ہی بند ہوگئی تھی۔ اتنے گمبھیر معاملے میں تو ساریہ بھی ان کے ساتھ تھی۔

''شہرام تو میرے لئے قربانی نہیں دے سکتا''۔ فرزام اب شہرام کی منتوں پر اتر آیا۔

''ہاں میری بہن کی خوشیاں برباد کر''۔ سالم کو تاؤ آ گیا۔

''تو پھر تو قربان ہوجانا''۔ وہ اب کے سالم کی طرف مڑا۔

''ہاں تاکہ امیمہ مرجائے''۔ ہر راستہ بند ہوگیا تھا۔ تیسرا دن بھی گزر گیا۔ صبح اس کا نکاح تھا۔ صبح بڑے بابا کو کسی کام سے جانا تھا اور ظہر کے وقت نکاح رکھا گیا تھا۔ حاریہ کی جان نکلی جارہی تھی۔ وہ سب فرزام کے کمرے میں جمع تھے۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ صبح قیامت آجانی تھی۔

''فرزام! اب کیا ہوگا.....؟'' حاریہ ہر دو منٹ بعد اس کا بازو پکڑ کر آنسوؤں بھری آنکھوں سے پوچھتی تو وہ بس دیکھتا رہ جاتا۔

''ایک آئیڈیا آیا ہے میرے ذہن میں مگر خطرہ بہت ہے اور کامیابی کے چانسز صرف 20 فیصد ہیں''۔ ساریہ بولی تو دونوں ایکدم اس کی طرف مڑے۔

''جلدی بتاؤ''۔ تم لوگ کسی طرح فرزام کا کسی اور لڑکے کے ساتھ افیئر اسماء کو اس کی آنکھوں سے دکھادو' ساتھ تھوڑا مرچ مسالہ لگادو' ایک دو افیئرز کی داستانیں سنادو' آخر وہ بھی عورت ہی ہے شاید فرزام کو قبول کرنے سے خود ہی انکار کردے' کیونکہ جیسا شخص وہ اس کو سمجھتی ہے اس روپ میں فرزام کو قبول کیسے کرے گی''۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''اور یہ افیئر اسے کہاں دکھایا جائے''۔ حاریہ بولی۔

''کسی ہوٹل میں''۔ ساریہ نے جواب دیا۔

''لڑکی کون ہوگی؟'' فرزام بولا۔

''حاریہ نہیں ہوگی کیونکہ اسے اسماء جانتی ہے کوئی ایسی لڑکی جسے وہ نہ جانتی ہو''۔ ساریہ انگلی اٹھا کر بولی تھی اب پھر سب سوچ میں پڑ گئے۔

''سالم تم امیمہ سے کہو نا پلیز''۔ حاریہ ایکدم بولی سالم چونک گیا۔

''ہاں سالم ڈرامہ ہی تو کرنا ہے پلیز یار اب تو کر دے میری مدد''۔ فرزام روہانسا ہوگیا۔

''میں تو مان جاؤں گا مگر امیمہ.....''

''تم اسے بلاؤ میں خود منالوں گی''۔ حاریہ بولی۔

''مگر جو کرنا ہے جلدی کرو صرف ایک بجے تک کا وقت ہے تم لوگوں کے پاس''۔ ساریہ بولی تھی۔ سالم اسی وقت امیمہ کو لینے چل دیا اور وہ سب حاریہ کی طرف آ گئے کہ امیمہ کو وہیں آنا تھا۔

☆

''سالم .....'' ساری بات سن کر وہ شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''میری بات سنو امیمہ.....'' وہ بولا مگر امیمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم میرے بارے میں ایسا سوچو گے مجھے اندازہ نہیں تھا''۔ وہ بہت ہرٹ ہوئی تھی۔

''میری بات سنو امیمہ.....'' وہ ایکدم بولا مگر امیمہ نے سر ہلادیا۔

''کیا بات سنوں میں تمہاری''۔

''سنو امیمہ.....'' سالم نے اسے ایکدم کندھوں سے تھاما سب خاموش ہوگئے تھے۔

''میری طرف دیکھو امیمہ''۔ وہ بولا۔ امیمہ نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں پانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

''کیا میری اور تمہاری محبت اتنی کمزور ہے کہ ایک فرضی ڈرامے سے ٹوٹ جائے گی''۔ امیمہ نے منہ پھیر لیا۔ سالم نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

''اتنا بے غیرت نہیں ہوں میں کہ کوئی تمہارے

ساتھ افیئر چلانے کا سوچے اور میں چپ رہوں' اعتبار ہے ناں مجھ پر.....؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا' امیمہ کچھ بول نہ سکی۔

''بولو امیمہ! اعتبار ہے نا''۔ امیمہ کا سر اثبات میں ہل گیا۔ سالم مسکرا دیا یہ جانے بغیر کہ کسی کے دل پر کیا گزر گئی۔ پھر پلان تیار کیا گیا۔

☆

اگلی صبح تقریباً دس بجے امیمہ اور فرزام ہوٹل پہنچ گئے کچھ دیر بعد شہرام آ گیا۔

''امیمہ تمہیں سالم کی محبت کا واسطہ میری محبت کو آج بچالینا''۔ فرزام اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولا امیمہ نے اثبات میں سر ہلادیا۔

اسماء کو سب سے چھپا کر اور بہانے وغیرہ بنا کر گھر سے نکالتے نکالتے ان دونوں کو 12 بج گئے۔ ہوٹل میں وہ ایسی جگہ بیٹھے کہ فرزام اور امیمہ انہیں صاف نظر آئیں۔

''اسماء! کچھ کھالیں پھر چلتے ہیں''۔ دونوں اسے شاپنگ کا بہانہ بنا کر لائے تھے ارے سالم بھائی یہ فرزام بھائی ہیں نا.....؟'' شہرام نے فرزام کو اشارہ کردیا تھا' سالم نے بھی ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''ہاں مگر اس کے ساتھ حاریہ تو نہیں ہے''۔ اسماء نے بھی چونک کر دیکھا۔

''حاریہ سے تو کب کی ٹوٹ گئی ان کی' اب یہ ہوتی ہیں''۔ روحاء' اسماء کی طرف دیکھ کر بولی۔ جبکہ اسماء کی نظریں فرزام کی بولتی آنکھوں اور لڑکی کی شرمیلی مسکراہٹ پر تھی۔

''ویسے اسماء! بڑے بابا تمہارے ساتھ جو بھی کر رہے ہیں مگر فرزام بھائی فیصل سے کم نہیں ہیں چار دن بعد ان کے ساتھ نئی لڑکی ہوتی ہے' کل حاریہ' آج یہ اور کل کوئی اور..... ڈرنک بھی کرتے ہیں' ایسے لوگ شادی کے بعد بھی نہیں بدلتے' ان کی بیویاں تو ساری عمر روتی ہیں''۔ اب کے فرزام نے امیمہ کا ہاتھ تھاما تھا' اسماء پلکیں جھپکنا بھول گئی' فرزام اور حاریہ کے تعلق کے بارے میں وہ جانتی تھی مگر اب یہ نئی لڑکی.....؟ روحاء نے اور مصالحہ لگایا۔ فرزام' امیمہ کے ہاتھ کو ہونٹوں تک لے گیا۔

''کم بخت اب زیادہ ہی اوور ہورہا ہے''۔ سالم نے سوچا اور شہرام کی نظر سیڑھیوں سے اترتے بڑے بابا اور پیار پر پڑی۔ بڑے بابا کی نظر سیدھی فرزام کی ٹیبل تک گئیں کیونکہ وہ سامنے تھی۔ شہرام اب صرف اسماء والی پارٹی کو ہی بچا سکتا تھا۔

''سالم بھائی! ابو..... بھاگیں''۔ اس کے پاس سے کہتے ہوئے وہ گزرا۔ دونوں ایکدم چونکے' اسماء کی پھٹی نظریں ابھی تک اس لڑکی کے فرزام کے ہونٹوں سے لگے ہاتھوں پر تھیں' روحاء نے ایکدم اسے اٹھایا اور پھر تینوں بھاگ گئے۔

☆

وہ امیمہ کو اس کے فلیٹ پر چھوڑ کے گھر آیا تو ایک بج رہا تھا' سیٹی بجاتا ہوا وہ اندر داخل ہوا مگر ٹھٹک گیا' لاؤنج میں بڑے بابا ادھر سے ادھر گھوم رہے تھے' باقی سب خاموش کھڑے تھے' اسے آتا دیکھ کر وہ ایکدم اس کی طرف مڑے۔

''بڑا مان تھا مجھے اپنی اولاد پر کہ مجھے کبھی نیچا نہیں دکھائے گی مگر مجھے کیا پتہ تھا کہ میری اولاد میری پیٹھ میں خنجر گھونپ دے گی' ایک لڑکی کے سامنے ذلیل کروائے گی مجھے' ارے کس منہ سے کہوں میں اس لڑکی سے کہ میرے بیٹے سے شادی کرلو' وہ بیٹا جو سر عام لڑکیوں کے ساتھ گھومتا ہے''۔ فرزام نے ایکدم ان سب کی طرف دیکھا' سالم نے سر ہلا کر نظریں جھکالیں۔

''کل تک حاریہ کے لئے بے قرار تھا' اس کی اور اپنی محبت کے واسطے دے رہا تھا اور ہوٹل میں کسی اور کے ساتھ گل چھرے اڑا رہا تھا' پناہ مانگتا ہوں میں ایسی اولاد سے' میرا مان توڑ دیا' اپنا بیٹا کہتے ہوئے شرم آ رہی ہے مجھے' میں ایک فیصل سے اس بچی کی جان چھڑوا کر

www.Paksociety.com

دوسرے فیصل سے کیسے باندھ دوں اسے"۔ فرزام کی نظریں جھک گئیں۔

"تم جیسے لوگ ایک کھونٹے پر ٹکتے ہی نہیں ہو' ایک سے دل نہیں بھرتا تمہارا' گل چھرے اڑانے کی عادت ہوتی ہے تم لوگوں کو' کل حاریہ تھی' آج اس لڑکی کے ساتھ تھا' کل کو کسی اور کے ساتھ گھوم رہا ہوگا' گھر بسانا نہیں آتا تم جیسے بے غیرتوں کو"۔ اب کہ فرزام تڑپا۔

"ابو پلیز میری....."

"خبردار جو مجھے ابو کہا' مر گیا میں آج سے تیرے لئے' اس بچی کی شادی تو نہیں کروں گا اب میں تمہارے ساتھ مگر میری بات لکھ لے تو حاریہ سے بھی نہیں کرے گا کہ وہ تو بہت نیک بچی ہے' تو اس سے بھی نہیں کرے گا جس کے ساتھ گھوم رہا تھا"۔ فرزام کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تمہیں صرف لڑکیوں کے ساتھ گھومنا پسند ہوتا ہے' پرسوں کوئی اور ہوگی' اور تو اس کو بھی....." بڑے بابا کی گالیاں فرزام کو تیروں کی طرح لگ رہی تھی۔

"مولوی صاحب آنے والے ہیں' آج ہی اسماء اور شہرام کا نکاح ہوگا' روحاء بیٹی کو اور مل جائیں گے"۔ وہ روحاء کے سر پر ہاتھ رکھ کے بولے۔

"میں صرف اپنی اولاد پر زبردستی کر سکتا ہوں کسی دوسرے کی اولاد پر نہیں"۔ شہرام کی آنکھیں کھل گئیں۔ روحاء کا چہرہ زرد ہو گیا۔ فرزام کچھ کہنا چاہتا تھا مگر مولوی صاحب آ گئے تھے' روحاء کی آنکھیں جیسے بھرا گئیں۔ شہرام اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ بڑے بابا فیصلہ سنا چکے تھے۔

"تم جیسے بے غیرت کے لئے میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے اسی کے پاس چلا جا جس کے ساتھ گھوم رہا تھا مگر میں جانتا ہوں تو نہیں جائے گا کیونکہ تجھے اس سے بھی شادی نہیں کرنی"۔ بڑے بابا کہہ کر باہر نکل گئے' اسماء نے ڈرتے ڈرتے شہرام کی طرف دیکھا' وہ سن کر مڑا تھا' روحاء نے سالم کی طرف دیکھا اور وہ اس کی نظروں سے گھبرا کر اسے کندھے سے لگا کر لے گیا۔

فرزام دروازے سے ہی مڑ گیا۔

☆

شہرام اور اسماء کا نکاح ہو گیا تھا' شہرام دوپہر سے باہر نکلا ہوا تھا۔ فرزام کا بھی کچھ پتہ نہیں تھا۔ بڑی امی دونوں بیٹوں کے لئے رو رہی تھیں۔ آج تو پھپھو بھی نیچے آئی ہوئی تھیں' روحاء یونہی چپ تھی۔ سالم اسے دیکھ دیکھ کر ہول رہا تھا۔

"روحاء کچھ تو بولو"۔ وہ اسے ہلا کر بولا۔ وہ جواباً پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی۔ سالم نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے لگا لیا۔ حاریہ بھی آئی تھی۔ اسے اپنا غم بھول گیا تھا' اور روحاء کی فکر لگ گئی تھی۔

"پتہ نہیں کس کس کی خوشیاں چھینے گی یہ لڑکی"۔ حاریہ کو اسماء پر سخت تاؤ چڑھ رہا تھا۔

"میرے دونوں بیٹے چھین لئے مجھ سے' پتہ نہیں کہاں ہوں گے میرے بچے"۔ بڑی امی الگ رو رہی تھیں۔ بڑے بابا اپنے فیصلے سے مطمئن تھے۔

"آ جائیں گے تمہارے بیٹے' سر چڑھا لئے تھے میں نے"۔ وہ بولے تھے۔

شام ہو گئی اور پھر رات کا اندھیرا چھا گیا' شہرام آیا اور سیدھا اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔

"شہرام! کچھ کھا لے بیٹا! دروازہ تو کھول"۔ مگر جواب ندارد تھا' فرزام ابھی تک غائب تھا۔ روحاء چپ سادھے بس تکے جا رہی تھی۔

"شہرام کو بلاؤ"۔ حاریہ نے مشورہ دیا مگر شہرام باہر آنے سے انکاری تھا۔ وہ سب دروازہ پیٹ پیٹ کر تھک گئے' آخر سالم کو غصہ آ گیا۔

"شہرام! جب میری بہن مر جائے گی نا تو اس کے جنازے کو کندھا دینے کے لئے بھی باہر نہیں آئے گا"۔ تب شہرام باہر آیا۔

"روحاء"۔ روحاء نے کھلی آنکھوں سے اسے دیکھا' وہ اسے جھنجھوڑ کے بولا۔

"روحاء"۔ اب کے وہ کٹے ہوئے شہتیر کی مانند اس کے سینے سے آ لگی' اتنا روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔

سالم' شہرام اور بڑے بابا اسے اسپتال لے کر آئے' اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ شہرام اس کے ہوش میں آتے ہی نہ جانے کہاں نکل گیا تھا۔ کئی گھنٹے بعد روحاء کو گھر جانے کی اجازت ملی۔ فرزام کا کچھ پتہ نہیں تھا اس کا سیل فون بھی بند تھا' تبھی سالم کو امیمہ کی کال آ گئی وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

"کیا ہوا امیمہ.....؟" سالم پریشان ہو گیا دوسری طرف کی بات سن کر اس کے ہاتھوں سے موبائل پھسل گیا۔

"کیا ہوا سالم.....؟" حاریہ نے پوچھا۔

"فرزام نے امیمہ سے شادی کر لی ہے"۔ اس نے بتایا تو حاریہ دم بخود رہ گئی۔

☆

فرزام نے واقعی امیمہ سے زبردستی نکاح کر لیا تھا' اور اسے کسی اور فلیٹ پر لے گیا تھا' صبح ہو گئی تھی اسے روتے روتے۔ فرزام نے دو دفعہ کھانے کی ٹرے اس کے آگے رکھی تھی مگر وہ صرف رو رہی تھی۔

"امیمہ! کھانا تو کھا لو"۔ وہ ایک دفعہ پھر ٹرے اس کے آگے رکھ کر بولا اور وہیں کارپٹ پر اس کے سامنے بیٹھ گیا وہ ایک لفظ نہ بولی۔

"پلیز امیمہ کھانا....." مگر وہ ایکدم چلا اٹھی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے' نہیں کھانا میں نے کھانا"۔

"امیمہ! تم مجھے کوس لو' گالیاں دے لو مگر چند لقمے تو کھا لو"۔ وہ بولا۔

"تھوڑا سا بھی خیال نہیں آیا تمہیں کہ تم اس شخص کی محبت چھین رہے ہو جو تمہاری خاطر صرف تمہاری خاطر اتنا کچھ کر رہا تھا"۔ امیمہ چیخ پڑی فرزام چپ رہا۔

"کیا سوچے گا سالم؟ کیا کرے گا اب وہ.....؟" امیمہ کو پھر سے رونا آیا۔

"امیمہ میں بمبورتا' ابو نے مجھے صاف کہہ دیا تھا کہ میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گا' میں نے بہت برا کیا ہے' سالم سے میں اب کبھی نظریں نہیں ملا سکوں گا مگر امیمہ! تمہیں میں اب کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا' ابو کو دکھاؤں گا کہ میں بے غیرت نہیں ہوں"۔ امیمہ اب بھی چپ تھی۔

"کھانا کھا لو پھر لے کر جاؤں گا تمہیں وہاں"۔ وہ بولا۔

"میں نہیں جاؤں گی"۔ وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"نہیں جاؤ گی تو میں تمہیں اور خود کو آگ لگا لوں گا"۔ وہ چلا کے بولا' امیمہ چپ رہی۔

بڑی مشکلوں سے وہ فرزام کے ساتھ گئی تھی' بڑے بابا گھر پر ہی تھے' وہ جب امیمہ کو لے کر وہاں پہنچا تو سب ناشتہ کر رہے تھے' اسے دیکھ کر چونک گئے۔

"کیوں آئے ہو اب"۔ سالم بھی آ گیا۔ امیمہ اسے دیکھ کر نظریں جھکا گئی۔ فرزام نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

"آپ کو دکھانے آیا ہوں کہ میں بے غیرت نہیں ہوں' شادی بھی کی ہے اور اسی لڑکی سے کی ہے جس کے ساتھ گھوم رہا تھا"۔ سالم کے پیچھے کھڑی حاریہ کا دل کرچی کرچی ہو گیا۔

"اب اس گھر میں تبھی آؤں گا جب یقین کر لیں گے کہ میں بے غیرت نہیں ہوں"۔

"تب تمہارے ساتھ کون ہوگی؟" بڑے بابا ہنسے تھے۔

"یہ ہی ہوگی"۔ اس کا جواب سالم کو سلگا گیا' پھر فرزام پلٹ گیا' شاید ہمیشہ کے لئے۔ سالم مڑا' اس کے عین پیچھے حاریہ کھڑی تھی' اس کی آنکھیں ایکدم چمکیں۔

"میری بات سننا حاریہ....." کہہ کر وہ اندر کی طرف مڑا' حاریہ اس کے پیچھے آ گئی۔

"میرا ساتھ دو گی حاریہ؟" اس نے پوچھا تھا۔

☆

پھر کافی دن گزر گئے۔ شہرام صبح یونیورسٹی جاتا' پھر

www.Paksociety.com

کہیں اور نکل جاتا اور شام کو تب گھر آتا جب سب سو چکے ہوتے تھے' اسماء چور بنی پھرتی' روحاء کالج سے آ کر کمرے میں بند ہو جاتی' کسی سے نہ بات کرتی نہ کسی کام میں حصہ لیتی' ہر چیز سے الگ تھلگ ہو گئی تھی' سالم نہ جانے کن سرگرمیوں میں لگا ہوا تھا' فرزام اس دن کے بعد سے نہیں آیا تھا' امیمہ سے اس کی بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی' اس نے خود ہی آفس جانا ہی چھوڑ دیا تھا' فرزام بھی اسے کہیں نہیں جانے دیتا تھا' جب جاتا تھا فلیٹ بند کر کے جاتا تھا۔ امیمہ ویسے بھی ایک ہی کمرے میں پڑی رہتی تھی۔ اس دن وہ اپنے کیبن میں بیٹھا تھا جب گلاس ڈور پر دستک ہوئی۔

''یس''۔ کہہ کر وہ دوبارہ فائلز میں گم ہو گیا۔

''مبارکباد نہیں دو گے فرزام!'' جانی پہچانی آواز سن کر اس نے سر اٹھایا اور پھر ساکن ہو گیا' حاریہ اسے اب کبھی نہیں مل سکے گی' یہ وہ جانتا تھا مگر یوں اس کے سامنے آئے گی' یہ اس نے نہیں سوچا تھا' وہ ایکدم کھڑا ہو گیا۔

''کیوں فرزام! کیسا لگتا ہے اپنی محبت کو کسی اور کے پہلو میں دیکھ کر''۔ سالم کی مسکراہٹ اسے سلگا گئی۔

''یقیناً بہت برا''۔ اس نے حاریہ کے کندھوں کے گرد بازو پھیلا کر اسے خود سے لگایا تھا۔ حاریہ دھیمے سے مسکرا دی۔ فرزام ساکن کھڑا رہ گیا تھا۔ اس نے بھی سالم کے ساتھ یہ ہی کیا تھا جو اب وہ اس کے ساتھ کر رہا تھا۔

☆

وہ اپنے لئے چائے بنا کر کمرے میں آئی تو سار یہ جاگ رہی تھی۔

''یہ تم کہاں پھرتی رہتی ہو آج کل سالم کے ساتھ''۔ سار یہ طنز بھرے لہجے میں بولی۔

''تمہیں کیا.....'' وہ لاپرواہی سے بولی۔

''مجھے کچھ ہے تو تم سے پوچھ رہی ہوں''۔ حاریہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں فرزام سے بدلہ لے رہی ہوں''۔

''کس بات کا.....؟'' سار یہ کے لہجے میں سختی تھی۔

''اس نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اس کا بدلہ''۔

سار یہ نے کتاب بند کر دی۔

''تو سالم کو اپنے ساتھ کیوں گھسیٹ رہی ہو''۔

''تمہیں اتنا دکھ کیوں ہو رہا ہے تمہیں کیا عشق ہے اس سے''۔ حاریہ اونچی آواز میں بولی۔

''ہاں مجھے عشق ہے اس سے''۔ سار یہ اس سے بھی اونچی آواز میں چلا اٹھی۔

''سار یہ.....'' وہ تحیر کے عالم میں بولی' سار یہ چپ ہو گئی۔

''سار یہ واقعی.....'' وہ اس کے پاس بیٹھی مگر سار یہ خود نہ بولی اس کی آنکھیں بول رہی تھی' حاریہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

''تم نے کبھی بتایا نہیں سار یہ.....'' وہ بولی۔

''کیونکہ مجھ جیسی لڑکی کے لئے محبت بہت بے معنی لفظ ہوتی ہے' میں بتاتی تو تم لوگ یقین نہ کرتے اور ویسے بھی میں نے اس موتی پہ ہاتھ رکھا جو کسی اور کے ہار میں سمایا ہوا تھا''۔ وہ کہہ کر ایکدم اٹھی اور باہر نکل گئی تھی' حاریہ بیٹھی رہ گئی۔

''نہیں سار یہ! وہ موتی جس ہار میں سجا ہوا تھا وہاں سے ٹوٹ گیا ہے''۔ اس نے سوچا تھا۔

☆

پھر آہستہ آہستہ بہت سا وقت گزر گیا' لمبی طویل گرمیاں اور جاڑا اس گھر کے مکینوں کو دیکھتا ہوا گزر گیا۔ شہرام باہر چلا گیا تھا اور جاتے جاتے اسماء کو انتظار کی صلیب پر لٹکا گیا۔ امیمہ نے پھر سے جاب شروع کر دی تھی' مگر نہ وہ فرزام سے بولتی تھی نہ فرزام اسے کچھ کہتا تھا۔ حاریہ اور سالم کی پیپر میرج ابھی تک چل رہی تھی' بس بدلے کی آگ آہستہ آہستہ خود ہی بجھ گئی تھی۔ دونوں بہنیں انگلینڈ میں مقیم اپنی والدہ کے پاس بھی ہو آئی تھیں' وہیں حاریہ کی ملاقات علی سے ہوئی تھی جس سے اس کی والدہ اس کی شادی کرنا چاہ رہی تھیں۔ علی کو وہ پسند آ گئی تھی علی میں کوئی کمی نہیں تھی' خوبصورت' خوب سیرت' ویل ایجوکیٹڈ' ویل آف کمی حاریہ میں بھی نہیں تھی مگر کچھ کمی ضرور تھی' وہ اپنی والدہ کو سوچنے کا کہہ کر آ گئی تھی' فرزام اب اسے نہیں مل سکتا تھا' اور وہ کب تک فرزام کے سامنے اپنی اور سالم کی فرضی شادی کا ڈھونگ رچائے گی؟ پھر اس کے سامنے سار یہ تھی جو خود کچھ نہیں کہتی تھی مگر اس کی نظریں بہت کچھ کہہ جاتی تھیں' آخر اس نے ضبط کر لیا' وہ ساری زندگی اکیلی نہیں گزار سکتی تھی' اس کی محبت سچی تھی مگر اسے نہیں مل سکتی تھی یہ بھی سچ تھا۔ وہ اس دن سالم سے ملنے چلی گئی۔

''ماما نے میرے لئے لڑکا دیکھا ہے سالم''۔ وہ بولی۔

''تو پھر جا رہی ہو واپس.....؟'' سالم نے سوال کیا تھا۔

''ہاں چلی جاؤں گی میں''۔ وہ سوچ کے بولی۔

''مجھے اس فرضی بندھن سے آزاد کر دو''۔ سالم نے گہری سانس لی۔

''راضی ہو اپنی والدہ کی رضا میں''۔ وہ سر نہ ہلا سکی۔

''راضی نہیں ہوں تو خلاف بھی نہیں ہوں' میں ساری زندگی اکیلے نہیں گزار سکتی' میں اپنی زندگی فرزام کے ساتھ گزارنے کے صرف خواب دیکھ سکتی تھی وہ میں نے دیکھ لئے' مگر اس کا ساتھ میری قسمت نہیں تھا' میری قسمت میں شاید سات سمندر پار بیٹھا وہ شخص ہے''۔ سالم نے پھر سانس لی۔

''ٹھیک ہے..... میں تمہیں کل ڈائیورس دے دوں گا''۔ سالم کھڑا ہو گیا تھا۔

''میری ایک بات مانو گے سالم''۔ اس نے پوچھا۔

''جب اپنی محبت لاحاصل ہو جائے تو کسی اور کی محبت کو حاصل کر لینا چاہئے''۔ سالم کے ماتھے پر لکیریں ابھریں۔

''میں کس کی محبت کو حاصل کر لوں.....؟''

''وہ جو تم سے بہت پیار کرتی ہے''۔

''کون.....؟'' اس نے پوچھا۔

''سار یہ.....'' سالم سن ہو گیا۔

''وہ کبھی نہیں کہے گی' ساری زندگی تمہاری محبت دل میں دبائے بیٹھی رہے گی مگر تم سے کبھی نہیں کہے گی اس لئے تم کہہ دو''۔

''تم جانتی ہو میں صرف امیمہ سے کہتا تھا' اب سار یہ سے کیسے کہہ دوں''۔ حاریہ اس کے سامنے آئی۔

''سالم! کبھی کبھی محبوب کے ساتھ زندگی گزارنے کی بجائے محبوب بن کر زندگی گزار لینا چاہئے' بہت اچھی گزر جاتی ہے''۔ کہہ کر وہ نکل گئی سالم کرسی پر گر گیا۔

حاریہ نے فرزام سے ملنے کا بھی سوچا تھا مگر صرف فرزام کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا' اسے امیمہ کو بھی سمجھانا تھا' اسی لئے وہ ان کے آفس جانے کی بجائے گھر چلی گئی۔ دونوں رات کا کھانا کھا رہے تھے' اسے دیکھ کر چونک گئے۔

''تمہیں تکلیف دینے نہیں آئی' کچھ بتانے آئی ہوں''۔ وہ فرزام کا چہرہ دیکھ کر بولی تھی دونوں چپ رہے۔

''اسے کب چھوڑو گے فرزام.....؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''کبھی نہیں''۔ فرزام کا لہجہ اٹل تھا۔

''تم کب جاؤ گی سالم کے پاس''۔ اب کی بار وہ امیمہ کی طرف مڑی۔

''کم ظرف لوگ اعلیٰ ظرف لوگوں کے ساتھ زندگی نہیں گزارتے' اب نہ جانے کم ظرف میں ہوں یا وہ''۔ امیمہ بولی تھی۔

''جب تم دونوں کو ہمیشہ ساتھ رہنا ہے تو پھر دریا کے دو کنارے کیوں بنے ہوئے ہو''۔ دونوں چپ رہے۔

''فرزام! تم نے مجھے چاہا اور اس نے سالم کو مگر قسمت کو یہ منظور نہیں تھا اور ہوتا ہمیشہ وہ ہے جو قسمت کو منظور ہوتا ہے اور قسمت یہ ہے کہ تم دونوں ساتھ زندگی گزار دو' انسان اپنا مقدر خود نہیں بناتا' مقدر بنا بنایا ہوتا ہے اور انسان کو اس مقدر کو تسلیم کرنا پڑتا ہے' تم دونوں بھی

www.Paksociety.com

تسلیم کرو، ہم خواہش کر سکتے ہیں، کوشش کر سکتے ہیں مگر مقدر کو تبدیل نہیں کر سکتے، فرزام! میں اگر تمہارا مقدر نہیں تھی تو سالم کا بھی نہیں ہوں"۔ فرزام ایکدم چونکا۔

"ہاں میں انگلینڈ واپس جا رہی ہوں، جانتے ہو سالم کا مقدر کون ہے.....؟ وہ لڑکی جس کے عتاب کا سب سے زیادہ نشانہ بنتا تھا وہ، ساریہ ہے اس کا مقدر"۔ امیمہ اب بھی چپ تھی۔

"امیمہ! تمہیں یہ.....قبول کرنا ہے کیونکہ یہ تمہارا مقدر ہے"۔ کہہ کر وہ چلی گئی۔ امیمہ کے آنسو گر رہے تھے، فرزام چلتا ہوا اس کے قریب آیا، پھر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں ساری زندگی کے لئے اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر سکتا ہوں امیمہ، مگر اس کے باوجود اگر تم اس کے پاس جانا چاہو جس کا مقدر کوئی اور ہے تو تمہاری مرضی"۔ وہ بول رہا تھا۔

"میری مرضی تب تو نہیں پوچھی جب زبردستی نکاح کے پیپرز پر سائن کروا رہے تھے تو اب کیوں پوچھ رہے ہو.....؟" فرزام نے اس کے آنسو صاف کئے۔

"زندگی گزار لو گے اس لڑکی کے ساتھ جو کسی اور سے پیار کرتی تھی"۔ وہ بولی۔

"کرتی تھی، کرتی ہے نہیں"۔ وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولا۔

"جہاں تک ہو سکا میں اسے بھلانے کی کوشش کروں گی"۔ فرزام نے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔

☆

روحاء کے لئے حسن کا رشتہ آیا تھا، پھپھو نے آ کر بتایا مگر ساتھ یہ بھی بتا دیا یسار، روحاء سے شادی کرنا چاہ رہا ہے۔ بڑے بابا نے خود بلا کر روحاء سے پوچھا۔

"بڑے بابا مجھے یسار سے شادی نہیں کرنی"۔ اس نے ایک سیکنڈ میں فیصلہ سنا دیا تھا۔ گھر والے یسار کے حق میں تھے، تبھی سالم اس رات اس کے کمرے میں آیا۔

"وہ تمہیں پسند کرتا ہے"۔ وہ ایکدم بول پڑی۔

"یہی تو وجہ ہے سالم بھائی! کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے"۔ سالم سمجھ نہیں سکا۔

"وہ کتنا بھی اچھا ہو مگر وہ جانتا ہے میری اور شہرام کی منگنی اور محبت کے بارے میں، بے شک وہ مجھے ساری زندگی یہ طعنہ نہ دے مگر بھائی، میرے دل میں ہمیشہ یہ خوف رہے گا، یہ سچ ہے میں اس سے پیار نہیں کرتی، شادی کے بعد میرے دل میں ہمیشہ یہ خیال رہے گا کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے اور میں اس سے نہیں۔ بھائی، میں حسن سے محبت اپنے اور اس کے رشتے کی وجہ سے کروں گی مگر یسار سے محبت اس کے اس طعنے کے خوف کے وجہ سے کروں گی، میں حسن کے ساتھ ایک سکون بھری ہی نہیں ایک اطمینان بھری زندگی بھی گزاروں گی، مگر یسار کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے مجھے یہ اطمینان نہیں ہوگا، بھائی واقعی عورت کو اس سے شادی کرنی چاہئے جو اسے چاہتا ہو مگر تب جب وہ عورت کی محبت کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو، حسن میرے اور شہرام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس لئے مجھے اس سے شادی کرنا منظور ہے"۔ سالم اس کی بات سمجھ گیا اور اس نے روحاء کا بھرپور ساتھ دیا۔

تھوڑے دنوں بعد روحاء اور حسن کی منگنی ہو گئی، ساریہ واپس چلی گئی۔ اس دن سالم ساریہ کی طرف آ گیا۔ ماموں کہیں گئے ہوئے تھے۔ وہ ساریہ کے کمرے کی طرف آ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تم اس وقت خیریت.....؟" وہ بولی۔

"ہاں.....ایک سوال کرنے آیا ہوں"۔ وہ آرام سے کرسی پر گر گیا۔

"کیسا سوال.....؟" وہ حیران ہوئی۔

"انسان کو کسے اپنانا چاہئے.....؟ اسے جسے وہ چاہتا ہو یا اس سے جو اسے چاہتی ہو"۔

"پتہ نہیں"۔ وہ بولی۔

"لیکن مجھے پتہ ہے"۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

"تو مجھ سے کیوں پوچھنے آئے ہو"۔ وہ ایک لمحے کو لڑکھڑائی۔

"کیونکہ تم ہاں کرو گی تو تم سے شادی کروں گا تا"۔ ساریہ کے ہاتھ سے پینٹ برش گر گیا وہ اس کے عین پیچھے کھڑا تھا۔

"چاہتی ہو نا مجھے.....؟" وہ انکار نہ کر سکی۔

"کب ساتھ دو گی میرا.....؟" اس نے ساریہ کے ہاتھ سے رنگ پکڑ کر رکھے اور اسے اپنی طرف موڑا۔

"جب تم میرا ساتھ دینا چاہو گے"۔ وہ بولی تو سالم مسکرا دیا جواب مل گیا تھا، وقت بتا رہا تھا کہ اس کی اور ساریہ کی زندگی بہت اچھی گزرنے والی تھی۔

☆

بڑے بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، وہ اسپتال میں ایڈمٹ تھے، انہوں نے دونوں بیٹوں کو بلایا تھا، وہ بھی آخر انسان تھے، دو بیٹوں کی جدائی کیسے برداشت کرتے، فرزام، امیمہ کے ساتھ آیا تھا، بڑے بابا نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"دیکھ لیں ابو! میرے ساتھ آج بھی وہی ہے"۔ وہ کہنا نہیں بھولا تھا، شہرام کئی دن بعد آیا تھا، ان سب نے مل کر اسماء کی ہمت بندھائی تھی شہرام کو واپس جانے سے روکنا تھا اور یہ کام اسماء کو کرنا تھا۔ روحاء اور ساریہ اسے بیوٹی پارلر سے تیار کروا کر فرزام کے فلیٹ پر چھوڑ گئیں، تھوڑی دیر بعد فرزام بہانے سے شہرام کو وہاں اتار گیا۔ فرزام اور امیمہ اب بڑے گھر شفٹ ہو گئے تھے، روحاء کی چند دنوں بعد شادی تھی، اس کے بعد سالم نے ساریہ کو لے آنا تھا، وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا ٹھٹک گیا، ڈائننگ ٹیبل پر انگلیاں پھیرتی وہ اسماء ہی تھی وہ وہیں سے مڑا۔

"کہاں جا رہے ہیں.....؟" وہ ایکدم کھڑی ہوئی تھی۔

"جہاں سے آیا ہوں"۔

"تو فیصلہ کر کے جائیں"۔

"کیسا فیصلہ.....؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"یا تو مجھے ویسے اپنائیں جیسے فرزام نے اپنایا ہے امیمہ کو یا پھر ایسے چھوڑیں جیسے زوحاء کو چھوڑ دیا ہے"۔ وہ ساکن رہ گیا۔ اسماء کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ شہرام اس کی طرف مڑا۔

"مجھ سے الگ ہونا چاہتی ہو.....؟" وہ بولا۔

"میں اب بھی آپ سے الگ ہی ہوں"۔

"اور اگر میں نہ چھوڑوں تو.....؟" وہ اس کے قریب آیا۔

"تو پھر اس بار مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر جائیں"۔ اس کے آنسو چھلکے تھے۔

"میری وجہ سے جلاوطنی کاٹ رہے ہیں تو پلیز میری وجہ سے خود پر اتنا بڑا ظلم نہ کریں، مجھے چھوڑ دیں اور اپنے ابو کے پاس آ کر رہیں، میں نہیں بھی چلی جاؤں گی"۔ وہ اب واقعی رو رہی تھی۔

"آخری فیصلہ ہے یہ تمہارا.....؟" اسماء ایک لمحے کو ڈگمگائی مگر پھر سنبھل گئی۔

"ہاں آخری فیصلہ ہے"۔ شہرام نے کچھ لمحوں بھر اس کا چہرہ تھام کے اس کے آنسو صاف کئے۔

"چلو آج سے تمہیں ویسے ہی اپناؤں گا جیسے فرزام بھائی نے امیمہ کو اپنایا ہے"۔ وہ بولا تو اسماء حیران ہو گئی۔ فرزام دروازے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

واقعی ایسے ہی ہوتا ہے، ہم کسی کو اپنانے کی، اس کے ساتھ تمام عمر گزارنے کی، اسے دل میں بسانے کی تمنا بہت شدت سے کرتے ہیں پھر اس تمنا کو اس خواہش کو حقیقت میں بدلنے کے لئے کوشش بھی بہت کرتے ہیں، مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ جو قسمت میں نہیں ہوتا وہ کوششوں اور خواہشوں کے باوجود نہیں ملا کرتا، چاہے ساری زندگی گزار دو، کیونکہ قسمت، مقدر، نصیب یہ سب ہم خود نہیں لکھتے، مقدر وہی رہتے ہیں جو لکھ دیئے گئے ہوں، مقدر بدلا نہیں کرتے، ہم صرف تمنا کر سکتے ہیں، خواہش کر سکتے ہیں، ہوتا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔

☆

www.Paksociety.com

کشش خان

افسانہ

اعتبارِ محبت ہے وفا کا تقاضہ

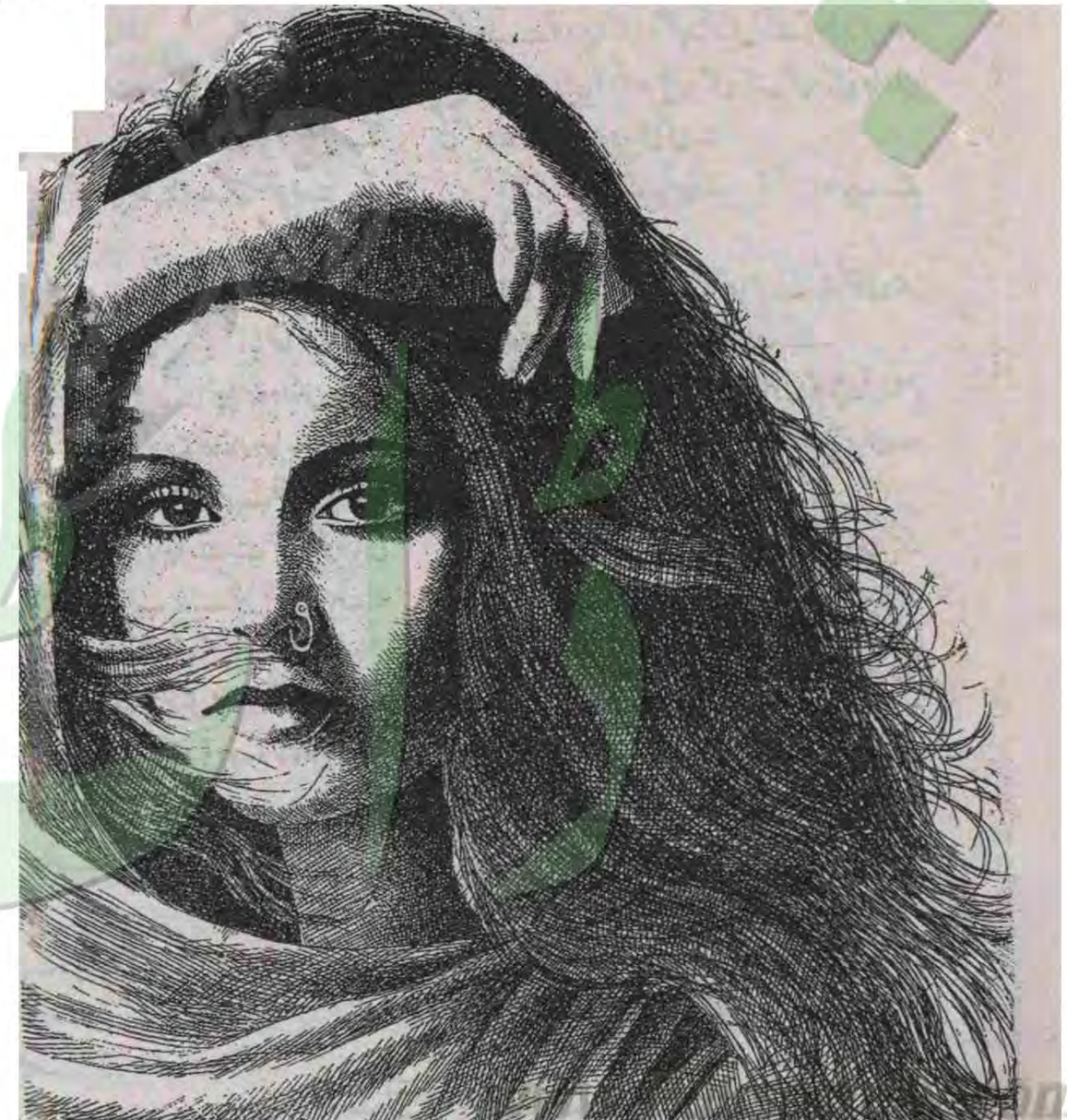

”زندگی کا سفر اگرچہ بڑا کٹھن بڑا دشوار ہے اس کے سنگ میل اگرچہ بہت دشوار ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ ہر سیاہ رات کے بعد ایک سویرا ہے...... ایک روشن سویرا۔ مجھے انتظار ہے اس روشن سویرے کا جب میری

زندگی سے یہ تنہائی اور اداسی کے بادل چھٹ جائیں گے اور میں بھی پورے چاند کی طرح گگن پر روشن چاندنی بن جاؤں گی' انتظار ہے طویل مگر ختم ہونا ضرور ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں نے محبت کی نہیں مگر محبت کی چاہ ضرور کی ہے۔“

”ستارہ!“ اس پہلی پکار پر ہی اس نے قلم بند کر کے ڈائری میں رکھ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”جی ممی!“ وہ جلدی سے زینہ اتر کر ان کے سامنے حاضر ہوئی۔

”صبح اور دیا کالج سے آنے والی ہوں گی تم نے ابھی تک کھانے کا انتظام نہیں کیا؟ دماغ کہاں لگا رہتا ہے آخر؟ سوتیلی سہی ہیں تو بہنیں تمہاری' ایک کھانا پکانا تو تمہاری ذمہ داری ہے وہ بھی یاد دلانا پڑتا ہے“۔ شیریں بیگم جو شروع ہوئیں تو بخیے ادھیڑ کر ہی رکیں۔

”ممی! دیا نے کہا تھا ارہر کی دال چاول کا تو دال گلنے پر رکھی ہے میں گھوٹ لیتی ہوں اور صبح نے نوڈلز کھانے ہیں تو اس کے آتے ہی بناؤں گی' آپ کے بگھارے بینگن بھی چڑھے ہوئے ہیں' ان چیزوں کے گلنے میں وقت تھا تو میں کچھ دیر کے لئے اوپر چلی گئی تھی“۔ وہ دبی آواز میں بولی۔

”مجھے اپنے کاموں کی فہرست مت گنواؤ' کچن میں کھڑی ہوں میں سب چیزیں نظر آ رہی ہیں' جلدی سے سب تیار کرو اور رات کے لئے نرگسی کوفتے' مٹر پلاؤ اور چاکلیٹ کسٹرڈ بنا لینا“۔ وہ غصہ سے گھور کر چلی گئیں۔ اس کی کب کی رکی سانس بحال ہوئی۔

☆

”ستارہ...... ستارہ“۔ دیا کی تیز پکار پر وہ آملیٹ کی پیاز توے پر چھوڑ کر تیزی سے بھاگی کہ اس نے اگر ہنگامہ مچا دیا تو اسے سنبھالنا محال تھا۔

”کیا ہوا دیا؟“ وہ پھولی ہوئی سانس میں جلدی سے بولی۔

”تم نے یہ کپڑے پریس کیے ہیں؟ واٹ نان سینس...... تمہیں کپڑے استری کرنے نہیں آتے؟ یہ شکنیں دیکھ رہی ہو' میں ایسے کپڑے پہن کر نہیں جا سکتی' جلدی سے میرا یونیفارم دوبارہ پریس کرو“۔ وہ تحکم سے کہتی اپنے شولڈر کٹ بالوں میں برش کرنے لگی۔

”لیکن میں ناشتہ بنا رہی ہوں“۔ اس نے دبا دبا احتجاج کرنا چاہا۔

”سو واٹ؟ میرا بریک فاسٹ ریڈی کرو جتنی دیر میں' میں بریک فاسٹ کروں گی تم پریس کر دینا' جاؤ اب“۔ وہ آرام سے برش کرنے لگی۔ وہ بے بسی سے ہاتھ ملتی تیزی سے کچن میں بھاگی۔ پیاز جل جاتی تو اسے دوبارہ سب کرنا پڑتا۔

اس نے سب کا ناشتہ ٹیبل پر رکھا اور کپڑے پریس کرنے چل دی۔ بھوک سے حالت بری تھی جلدی سے پریس کر کے ڈائننگ ہال کی طرف بڑھی کہ کال بیل بجی۔ اسے پتہ تھا کوئی نہیں جائے گا' ناچار دروازے کی طرف بڑھی' سخت بھوک میں لان سے گزر کر دروازے تک جانا پہاڑ سر کرنے کے برابر لگ رہا تھا' بے دلی سے گیٹ کھولا۔

”السلام وعلیکم!“ موسم سرما کی ٹھنڈی سی دھوپ میں انگوری رنگ کا پیارا سا سوٹ پہنے ایک سوبر سی آنٹی کھڑی تھیں' نہایت نرم سی مسکان ان کے چہرے پر بکھری ہوئی تھی۔

”وعلیکم السلام!“ اس نے بھی اپنے چہرے کے بگڑے زاویے درست کیے اور خیر مقدمی مسکراہٹ بکھیری۔

”بیٹا اندر آنے کو نہیں کہو گی؟“ وہ اتنی پیاری تھیں کہ وہ محویت سے ان کا جائزہ لینے میں مشغول تھی کہ ان کے آنے کا مقصد پوچھا اور نہ اندر بلایا۔

”اوہ... سوری آنٹی! آیئے“۔ وہ تیزی سے راستہ دینے کو ہٹی۔

”آپ کا کیا نام ہے بیٹا؟“ وہ اس کے بکھرے سے حلیے کا جائزہ لے کر بولیں' اپنے حلیے پر اسے خود

www.Paksociety.com

شرمندگی ہوئی۔ کل نہائی تھی تو مصروفیت میں بال بنانے کا وقت ملا نہیں' گھٹنوں سے نیچے آتے بال کھلے ہوئے تھے بس ایک کیچر پھنسا ہوا تھا بالوں میں' شاکنگ پنک جوڑے میں اس کی گوری رنگت اگرچہ بہت دمک رہی تھی مگر تیل کے چھینٹے کافی برے لگ رہے تھے' مگر خراب حلیے کے باوجود اس کا قدرتی حسن قطعاً نہیں دب رہا تھا۔ ہیزل گرین آنکھیں' گھنی پلکیں' شنگرفی لب' بوٹا قد' متناسب سراپا بلاشبہ وہ حسین ترتھی اور صبح صبح کی بھاگ دوڑ سے سفید گال گلابی ہو رہے تھے۔

"ستارہ"۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"ماشاء اللہ..... تم تو واقعی ستارہ ہو"۔ انہوں نے اس کی تعریف کی تو وہ جھینپ گئی۔ انہیں ڈائننگ ہال میں ہی لے آئی۔

"یہ میری امی اور یہ میری چھوٹی ٹوئنز بہنیں ہیں دیا اور صبح اور یہ....." شیریں بیگم ایک اجنبی خاتون کو ستارہ کے ساتھ آگے دیکھ کر جلدی سے کھڑی ہو گئیں تو ستارہ تعارف کرانے لگی مگر جب آنٹی کی باری آئی تو اسے یاد آیا اس نے تو ان سے کچھ پوچھا ہی نہیں ہے۔

"میرا نام شبانہ ہے ہم آپ کے نئے پڑوسی ہیں' نیا مکان لیا ہے تو آج دوپہر میں ظہر کے بعد میلاد رکھا ہے' اگر آپ اور بچیاں آئیں تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی"۔ وہ اپنی اسی مدھم مسکراہٹ سے کہنے لگیں۔

"انشاء اللہ ہم ضرور آئیں گی"۔ شیریں اس وقت واقعی شیریں بن گئیں۔

"دیا' صبح! بیٹا برتن اٹھاؤ اور آنٹی کے لئے ناشتہ لاؤ"۔

"ارے نہیں ناشتہ تو میں فجر کے بعد ہی کر لیتی ہوں' چائے ابھی ہی پی ہے کچھ تکلف نہیں پھر آؤں گی تو کھانا کھا کر ہی جاؤں گی' آج تو آپ لوگ ہمارے گھر آئیں۔ ستارہ بیٹا تم ضرور آنا"۔ وہ تاکید سے بول کر چلی گئیں۔

"ستارہ! برتن اٹھاؤ اور کچن سمیٹو"۔ ان کے جاتے ہی وہ اپنی جون میں لوٹ آئیں۔

"جی ممی!" وہ مرے مرے قدموں سے کام سمیٹنے لگی۔

☆

دیا اور صبح نے تو 3 بجے لوٹنا تھا ستارہ کو ہی وہ مجبوراً لے کر گئیں۔ شبانہ نے اپنے لان میں انتظام کیا تھا' کافی عورتیں تھیں۔ یہ لوگ جگہ بناتی شبانہ تک پہنچیں کہ انہیں دیکھ کر ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔

شبانہ کے برابر میں بالکل ان کی ہمشکل ان ہی کی طرح کی خاتون بیٹھی تھیں۔

"ارے ستارہ بیٹا!" ان میں سے ایک لپک کر اٹھیں تو انہیں پتہ لگا کہ یہ شبانہ ہیں۔

"ریحانہ! یہ ستارہ ہے اور یہ اس کی امی شیریں ہیں' اور شیریں! یہ میری جڑواں بہن ریحانہ ہیں' سمن آباد میں رہتی ہیں"۔ شبانہ نے باہم تعارف کروایا۔

"اسم با مسمی ہے یہ بچی تو....." ریحانہ بڑی گرمجوشی سے دونوں سے گلے ملیں۔

"اور کیا کرتی ہو بیٹا! کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟" ریحانہ نے اپنے پاس ہی اسے بٹھالیا۔

"آنٹی! گریجویشن کیا ہے اور گھر کے کام وغیرہ کرتی ہوں یعنی اب گھر پر ہی ہوتی ہوں' میری چھوٹی بہنیں ابھی کالج میں ہیں فرسٹ ایئر میں۔ ممی کے پاس کوئی ہوتا نہیں تو میں نے آگے پڑھائی چھوڑ دی"۔ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"اور تمہارے والد....."

"ان کا اور میری مما کا 3 سال پہلے روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا' ممی میری اسٹیپ مدر اور دیا اور صبح میری اسٹیپ سسٹر ہیں' تب سے میں ممی کے ساتھ رہتی ہوں ورنہ ہم الگ رہتے تھے"۔

"او..... تو یہ بات ہے"۔ وہ بغور اسے دیکھتی فیصلہ کن انداز میں اٹھ کر شیریں کے پاس چلی گئیں۔

☆

"سنا ہے کہ جاتا ہوا خزاں فوید بہار دے جاتا ہے' کہتے تو سب تھے مگر اب لگتا ہے کہ یہ سچ ہی ہے کیونکہ سونا جلنے سے پہلے کندن نہیں بنتا' کلی بننے سے پہلے پھول نہیں کھلتا' رات جانے سے پہلے اجالا نہیں ہوتا اور قسمت مہربان ہونے سے پہلے کنارہ نہیں ملتا۔ وہ جو آنٹی ہیں ناں شبانہ آنٹی کی بہن..... وہ ممی کو میرے رشتہ کا پیغام دے گئی ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ممی کا جواب اثبات میں ہے' مگر اس کا جواب بھی مجھے مل گیا ہے۔ ممی' دیا اور صبح سے کہہ رہی تھیں کہ کلموہی کا رشتہ آیا تو بہت اچھا ہے دل مان نہیں رہا اتنی اچھی جگہ اسے بھیجنے کو مگر جب تک یہ یہاں رہے گی تم لوگوں کے اچھے رشتے نہیں مل پائیں گے کیونکہ وہ خوبصورت بہت ہے' تو اس لئے ریحانہ آنٹی کو میری شادی کی تاریخ دے دی گئی ہے فروری کی 28 تاریخ میں میری زندگی بدل جائے گی۔ بنتی ہے یا بگڑتی یہ مالک کے ہاتھ میں ہے' میں مگر ہر حال میں یہ رشتہ نبھاؤں گی چاہے سمجھوتہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے"۔ اور سال کا آخری صفحہ بھی ڈائری کا پورا ہو گیا اور اب اس نے سوچ لیا کہ مزید ڈائری نہیں لکھے گی۔

☆

زور زور سے دھڑکتے دل کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ گلاب کے پھولوں کے درمیان وہ خود ایک خوبصورت گلاب لگ رہی تھی' آج بالآخر وہ ایک ایسے شخص کی سیج سجا کر بیٹھی ہوئی تھی جس کو کبھی دیکھا نہ تھا صرف اس کا نام جانتی تھی' انس حیات۔ جو اَب اس کا مجازی خدا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی جا رہی تھیں تو وہ بالآخر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر کمر سیدھی کرنے لگی مگر دروازہ کھلنے کی آواز پر ایکدم سیدھی ہو کر سر جھکا گئی۔

"السلام وعلیکم یا عروسہ!" انس حیات کی شوخ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"بھئی یہ کیا اس زمانے میں بھی اتنا لمبا گھونگھٹ جبکہ آج کل تو دلہنوں کا سر سے گھونگھٹ ہی نہیں ہوتا اور میرے سلام کا جواب تو دو بھئی!" یہ کہتے کہتے اچانک اس نے گھونگھٹ الٹ دیا' تیز تیز چلتی زبان بند ہو گئی۔ وہ ایکدم دنگ رہ گیا۔ ستارہ اتنی حسین ہو گی اس کے تصور میں بھی نہ تھا۔ میرون لہنگا اور دوپٹہ اور چولی پر خوب پیارا کام ہوا تھا' خوبصورت بیضوی چہرے پر ٹیکا' جھومر اور نتھ الگ ہی چھب دکھلا رہے تھے' کبھی تیار نہ ہونے والی ستارہ پر آج اتنا روپ آیا تھا کہ حد نہیں۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے حواس بحال کر پایا اور گمبھیر لہجے میں بولا۔

"ستارہ! تم میرے تصور سے کہیں بڑھ کر حسین ہو' امی نے کہا تھا دلہن بہت خوبصورت ہے مگر خوبصورت لفظ تمہارے آگے ہیچ ہے' مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں پہلی ہی نظر میں اپنی دلہن کے آگے دل ہار چکا ہوں مگر کیا میری عروس ایک بار بھی مجھے نہیں دیکھے گی؟ ایک بار میری طرف دیکھو پلیز!" گمبھیر لہجے میں کی گئی التجا نے اسے سر اٹھانے پر مجبور کر دیا مگر مقابل کی سحر طراز آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارتے چاہت کے سمندر نے اسے ایک پل سے زیادہ دیکھنے نہ دیا مگر ایک پل میں ہی وہ اپنے نصیب پر شکر بجالائی کیونکہ وجاہت میں وہ کسی طرح اس سے کم نہ تھا۔

"تو کیسا لگا میں؟" وہ یقیناً اپنی شخصیت کے بارے میں آگاہ تھا۔

"اف!" دل کی حالت تو حد سے سوا تھی اس کے کوئی جواب نہ دینے پر اس کا ہاتھ اُس کی گرفت میں چلا گیا' اس نے کسمسا کر چھڑانا چاہا مگر وہ دوسرا ہاتھ بھی قید کر گیا۔

"پلیز!" وہ اس کی سخت گرفت میں متوحش ہو گئی۔

"جب تم کسی بات کا جواب نہیں دو گی تو کیا پلیز....." وہ اس کے جواب نہ دینے پر کچھ برہم ہوا تھا۔ مگر وہ اس کا ہلکا سا سخت لہجہ بھی برداشت نہ کر پائی بے

www.Paksociety.com

اختیار دو آنسو بہہ گئے۔

''ارے''۔ وہ اپنی برہمی بھول کر اس کے اشک اپنے لبوں سے چن گیا۔

''سوری میں بھول گیا تھا آج رات میں دلہن بولتی نہیں.....'' وہ اس کی اشکبار آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا' وہ فوراً سر جھکا گئی۔

''یہ آپ کی منہ دکھائی مسز ستارہ انس!'' ایک خوبصورت لاکٹ وہ اس کے گلے کی زینت بنا گیا اور دھیرے دھیرے اس کے دوپٹے کی پنیں نکالنے لگا اور سرگوشیاں کرنے لگا۔

وہ اپنے ہوش رُبا سراپے سمیت اس کی نگاہوں کی گرفت میں تھی۔ اس نے دوپٹہ اٹھانا چاہا مگر اس کا بڑھا ہاتھ اس کے قبضے میں آ گیا اور اگلے ہی پل وہ اس کی گرفت میں بے بس ہوگئی اور رات ستارہ کی مانگ میں چاند بھر گیا۔

☆

صبح شاور لے کر ریڈ کلر کا دبکے کا سوٹ پہنا اور آئینے کے آگے کھڑی اپنے لمبے گھنے بال سلجھا رہی تھی کہ انس بھی شاور لے کر ٹاول سے بال رگڑتا باہر آیا۔ آئینے میں اس سے نظریں ملیں تو وہ فوراً آنکھوں پر پلکوں کی جھالر گرا گئی۔

''صبح بخیر زندگی!'' وہ ٹاول ایک طرف پھینک کر اسے بانہوں میں بھر چکا تھا۔

''سنئے! مجھے تیار ہونا ہے''۔ جب اس کی گرفت میں بے خودی غالب آنے لگی تو ستارہ کو لب کھولنے ہی پڑے۔

''کیوں تیار ہونا ہے؟ ارے تمہیں تو اللہ نے تیار کر کے بھیجا ہے''۔ وہ اس کی کالی گھٹاؤں میں کھو رہا تھا کہ یکدم کسی نے دروازہ دھڑ دھڑایا۔

''اوشٹ''۔ وہ برا سا منہ بنا کر پیچھے ہٹا' ستارہ معجوب سی سر پر دوپٹہ ڈال کر کنارے پر ٹک گئی۔ انس نے ہی دروازہ کھولا۔

''السلام وعلیکم!'' شوخ سی آواز ستارہ کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''وعلیکم السلام! بھابی جان''۔ انس بھی اسی شوخی سے بولا۔

''کیسی ہے دلہنیا!'' وہ بڑے پیار سے ستارہ سے گلے ملی۔

''ستارہ! یہ شبانہ خالہ کی بہو شبنم بھابی ہیں' شہروز بھائی کی وائف''۔ انس' ستارہ کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ نہ دیکھ کر تعارف کرانے لگا۔

''سناؤ رونمائی میں کیا ملا؟ اتنا گھنا ہے کہ بتایا ہی نہیں کہ کیا لیا ہے؟''

''بھابی پلیز! ناشتہ وغیرہ کا انتظام ہے کچھ؟'' وہ ستارہ کو شرماتا اور گھبراتا دیکھ کر سمجھ گیا کہ کس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے۔

''جاتی ہوں بھئی کچھ پوچھنے بھی مت دینا اپنی بیگم سے' جلدی آؤ تم لوگ ڈائننگ ہال میں''۔ وہ یہ بولتی ہوئی چلی گئیں تو انس دروازہ بند کر کے مڑا۔ اسے آہستہ قدموں سے اپنی طرف آتا دیکھ کر ستارہ کی ہتھیلیاں بھیگ گئیں۔

☆

انس اس کی توقعات سے بڑھ کر چاہنے والا' خوش اخلاق نکلا تھا۔ ان کی شادی کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ آج شادی کے بعد پہلی بار انس آفس گیا تھا۔ ایک ہفتہ پلک جھپکتے گزرا تھا۔

یہاں بس انس' ساس' سسر تھے تو ولیمہ کے اگلے دن جب شبنم بھابی اور شبانہ خالہ واپس چلی گئیں تو ساس کے بہت منع کرنے کے باوجود بھی اس نے کچن کے کام کرنا شروع کر دیئے۔

ابھی بھی وہ چکن شاشلک' سنگاپوری رائس اور مینگو آئسکریم بنا کر فارغ ہوئی تھی اور انس کے بھی آفس سے آنے کا ٹائم ہونے لگا تھا تو اس نے جلدی سے کپڑے لیے اور شاور لینے چلی گئی۔

لیمن شیفون کا سوٹ جس پر سلور کام ہوا تھا اس کی گلابی رنگت پر دمک اٹھا تھا۔ گیلے لمبے بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے انہیں کیچر لگا کر کھلا چھوڑ دیا۔ لائٹ سا میک اپ کر لیا' میرون لپ اسٹک ہی بس ڈارک لگائی تھی' پرفیوم سے خود کو مہکا کر دوپٹہ کھول کر اوڑھنے لگی تھی کہ دروازہ کھلا اور انس اندر آیا' اسے دیکھ کر دو منٹ کو ساکت کھڑا رہ گیا۔

''السلام وعلیکم!'' اس کے دیکھنے کے انداز پر وہ جھینپ گئی۔

''وعلیکم السلام''۔ وہ ایک لمبی سانس لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ خوامخواہ ڈریسنگ ٹیبل درست کرنے لگی۔

''یہ تم کیا میرا ہارٹ فیل کروانا چاہتی ہو' روز آفس سے آؤ تو ایک نیا روپ سجائے تم ملتی ہو' تم اتنی زیادہ خوبصورت ہو کہ مجھے روز تم بدلی بدلی لگتی ہو''۔ وہ شوز اور کوٹ اتار کر اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

اس نے لمحہ بھر کو نظر اٹھا کر آئینے میں دیکھا وہ انتہائی محویت سے اس کا جائزہ لینے میں مشغول تھا' وہ دھیرے سے اس کی طرف مڑی۔

''یہ بتائیں! آپ مجھے کب بیوقوف بنانا بند کریں گے؟ روز اس طرح قصیدہ پڑھتے ہیں جیسے واقعی میں کہیں کی حسینہ عالم ہوں' آپ نے اگر میری تعریف میں یہ مبالغہ آرائی بند نہ کی تو میں تیار ہونا چھوڑ دوں گی''۔ وہ اس کی تعریفوں پر بس جھینپ جاتی تھی اس لئے تھوڑا کونفیڈنس سے بولی۔

''یہ میری ہی بیوی ہے ناں''۔ وہ دھیرے سے ستارہ کے چٹکی لے کر بولا' وہ چیخ پڑی۔

''شکر..... میں سمجھا کوئی بدروح وغیرہ تمہاری شکل میں آ گئی ہے' یار تمہارے منہ میں زبان بھی ہے؟ سچ شادی کے دن سے ابھی تک پہلی بار تم نے مجھ سے آنکھ ملا کر پہلا طویل جملہ کہا ہے' دکھاؤ یار زبان لمبی ہوگئی ہے یا بدل گئی ہے؟'' وہ شرارت سے اس کے قریب ہوا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹی۔

''میرے منہ میں زبان بھی ہے اور اس کا استعمال بھی خوب جانتی ہوں' بے فکر رہیں آپ''۔ وہ اس کی شکل دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس دی۔

''بہت خوب! بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔ جانم! تمہاری یہ پٹر پٹر چلتی زبان میں پل میں بند کر سکتا ہوں' مجھ سے زیادہ کونفیڈنس تو یقیناً آپ میں نہیں پایا جا سکتا''۔ وہ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر ذومعنی بولا' پل بھر میں ہی اس کی پلکیں سجدہ ریز ہوگئیں۔

''میں آپ سے نہیں بولوں گی''۔ جب وہ اسے چھوڑ کر ہٹا تو وہ شکایتی انداز میں بول کر تیزی سے باہر نکل گئی' ہاں اس کا قہقہہ سماعتوں میں ضرور گونجا۔

''ستارہ کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے جو بناتی ہے لاجواب''۔ حیات صاحب نے دل کھول کر داد دی۔ ریحانہ نے بھی تائید کی۔ ستارہ مسکرا کر مینگو آئسکریم نکال لائی۔

''انس! تم آج آفس کیوں چلے گئے تھے؟ ابھی شادی کو ہفتہ ہی تو گزرا ہے' کہیں گھومنے بھی نہیں گئے تم لوگ''۔ ریحانہ نے انس کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''ارے امی حضور! اسی لئے تو آفس گیا تھا' باس نے بلایا تھا ان کی طرف سے پیرس کے ہمارے ٹکٹ ہمارا شادی کا گفٹ ہے لینے گیا تھا' بس دو دن بعد ہم پندرہ دن کے ٹور پر جا رہے ہیں''۔ وہ مسکرا کر بولا۔

''مینگو آئسکریم بنائی تھی اس لئے مینگو کلر کا سوٹ پہنا تھا''۔ وہ کچن سمیٹ رہی تھی کہ وہ اس کے سر پر آ کھڑا ہوا' اس نے شکایتی نظروں سے دیکھا مگر چپ رہی۔

''یار! اتنے قاتل نین ہیں تمہارے پھر بھی ایسے دیکھو تو بس.....'' وہ خاموشی سے سمیٹنے میں لگی رہی۔

وہ کھٹ کھٹ کرتی کمرے میں گھس گئی۔ تیزی سے چلتی ڈریسنگ روم میں گھس رہی تھی کہ انس نے تیزی سے اس کی کلائی پکڑی اور جھٹکے سے اسے کھینچا' وہ

www.Paksociety.com

اس کے سینے سے جا لگی' انس نے اس کا کیچر ہٹا دیا' کالے سیاہ بادلوں نے اس کا گھیراؤ کرلیا۔

''چھوڑیں مجھے''۔ وہ برہمی سے چیخی۔ انس اسے چھوڑ کر حیرت سے دیکھنا لگا۔ وہ غصہ پر قابو پا کر بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

''آخر ہوا کیا ہے؟ مزاج اتنے برہم کیوں ہیں؟ میں آفس سے آیا تھا تب تو ٹھیک تھیں''۔

''میں ابھی بھی ٹھیک ہوں''۔ وہ خود کو کمپوز کر کے تھوڑا آرام سے بولی۔

''دیکھیں انس! یہ آپ کا مزاج ہے میں سمجھ چکی ہوں' مگر پلیز کمرے کے باہر تھوڑا سا ننگا ہوں کو کنٹرول رکھا کریں' ابھی ٹیبل پر انکل بھی تھے آنٹی بھی پھر بھی آپ کس طرح دیکھے جا رہے تھے مجھے' آنٹی نے کہا کہ آپ کو سمجھاؤں۔ میرا کوئی قصور نہیں تھا پھر بھی اپنا آپ عجیب لگ رہا تھا''۔ اس کے غصہ کی وجہ یہ تھی انس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں پھیل گئیں۔

''یار! میرا مزاج ہی ایسا ہے' تم اتنی اچھی لگتی کیوں ہو کہ انسان بس تمہیں ہی دیکھتا جائے؟'' وہ بے چارگی سے بولا۔ باوجود غصے کے ستارہ کو ہنسی آ گئی۔

''مگر آج کے بعد آپ کمرے کے باہر خود پر کنٹرول رکھیں گے''۔ وہ تیزی سے پیچھے ہو کر کھڑی ہوگئی۔

''کمرے سے باہر ناں! کمرے کے اندر تو پابندی نہیں''۔ وہ اس کی کلائی کھینچ کر خود پر گرا چکا تھا۔ اس کا پیار ایک سرکش ندی تھی جس کی بہتی تیز موجوں سے وہ لاکھ چاہ کر بھی خود کو بچا نہیں پاتی تھی۔

☆

یہ لوگ ہنی مون منا کر لوٹ آئے' دعوتوں کے بعد روٹین کی زندگی شروع ہوگئی۔

''ہیلو!'' انس آفس میں مصروف تھا کہ فون کی بیل پر اٹھایا۔

''السلام وعلیکم! آپ انس بھائی ہیں ناں ستارہ کے شوہر؟'' کوئی نسوانی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''جی! مگر آپ کون؟'' اسے سخت حیرت ہوئی۔

''میں رباب ہوں ستارہ کی دوست' میں نے ایک بات بتانے کے لئے آپ کو فون کیا ہے''۔ وہ تمہید باندھنے لگی۔

''فرمائیے''۔ انس فائل بند کر کے ہمہ تن گوش ہوا۔

''ستارہ اور میرے بھائی ہاشم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر ستارہ اپنی اسٹیپ مدر کے آگے اسٹینڈ لینے کی پوزیشن میں نہ تھی تو اسے مجبوراً آپ سے شادی کرنا پڑی' مگر وہ چاہتی میرے بھائی کو ہے' وہ آپ کے ساتھ صرف سمجھوتہ کر رہی ہے' آپ اسے طلاق دے دیں کیونکہ وہ میرے بھائی کے ساتھ ہی خوش رہ سکتی ہے''۔ انس ہکا بکا رہ گیا۔ فون بند ہو چکا تھا۔ دماغ نے کام کرنا بند کر دیا۔ کیا سچ ہے کیا جھوٹ؟

انس نے دماغ کو ہوش دلایا اور ری ایل آئی سے وہ نمبر اتارا' کار کی چابی اٹھا کر ریش ڈرائیونگ کرتا گھر پہنچا۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟ آج 4 بجے ہی آ گئے''۔ گھستے ہی پہلا ٹاکرا ریحانہ بیگم سے ہوگیا۔

''جی ممی! بس سر میں درد ہے تھوڑا ریسٹ کروں گا''۔ وہ زبردستی مسکراتا کمرے میں آ گیا۔ ستارہ بیڈ پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہی تھی' اسے دیکھ کر ایکدم کھڑی ہوگئی۔

''ارے آپ اتنی جلدی آ گئے''۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے آئی اور اس کا کوٹ اٹھا کر بولی۔

''واپس چلا جاؤں؟'' سرد آواز میں سپاٹ لہجے میں بولتا وہ ستارہ کی مسکراہٹ غائب کر چکا تھا۔

''کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی''۔ وہ اس کے بدلے انداز پر ہراساں ہوئی۔

''اب ہی تو ہوش میں آیا ہوں! بائی داوے رباب کا فون آیا تھا آج میرے پاس''۔ وہ اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''کون رباب؟'' وہ حیرت سے آنکھیں پھیلا کر بولی' دل الگ ڈوبا جا رہا تھا۔

''اوہ! رباب نہیں پتہ کون ہے' پھر تو ہاشم کو بھی نہیں جانتی ہوگی؟'' وہ استہزائیہ انداز سے ہنسا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ کون رباب' کون ہاشم؟ اگر میں جانتی ہوتی تو چھپاتی کیوں؟'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''شٹ اپ! جھوٹ مت بولو' تمہاری معصوم صورت کے فریب میں' میں اور نہیں پھنس سکتا۔ رباب تمہاری سہیلی تمہارے محبوب ہاشم کی بہن' اس کا فون آیا تھا آج آفس میں اور تمہاری ساری داستان عشق اور مجبوری اس نے مجھے بتا دی ہے' تم جو چاہو میں فیصلہ کرنے کو تیار ہوں''۔ وہ مڑا۔

''انس! بخدا میرا یقین کریں' میں ایسی نہیں' میری زندگی میں سوائے آپ کے کبھی کسی مرد کا گزر نہیں ہوا' آپ مجھ پر اعتبار کریں' وہ جو بھی تھی جھوٹی تھی' میں نہیں جانتی کہ میری دشمن آخر کون ہے مگر میں یہ جانتی ہوں کہ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں' جدائی کی بات مت کریں اور اس کے فریب میں نہ آئیں' پلیز انس''۔ وہ بھاگ کر اس کی پشت سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ٹھیک ہے تمہیں ایک چانس دیتا ہوں' بتاؤ یہ نمبر کس کا ہے؟'' وہ جو نمبر لکھ کر لایا تھا وہ اسے دکھایا۔

''یہ تو میرے گھر کا نمبر ہے' امی کے گھر کا''۔ وہ حیرت سے چیخ پڑی۔

''کیا؟'' انس بھی چونک پڑا' اپنے سیل میں اس کے گھر کا نمبر نکالا' دونوں نمبر سیم تھے۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر شرمندگی سے سر جھکا گیا۔ اپنی جلد بازی پر سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہ کر سکتا تھا' چور نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ یہاں ستارہ کے حواس منجمد تھے' سوتیلی بہنیں بدخواہی میں اس حد تک جا سکتی ہیں؟ اب پتہ لگا تھا۔ آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے۔ وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔ ایک سوتیلے رشتوں کی کاٹ دوسرے محبوب جیسے شوہر کی بے اعتباری۔

وہ اس کے سامنے ہی گھٹنے ٹکا کر بیٹھ گیا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کن لفظوں سے اپنی بے اعتباری کا مداوا کرے۔

''آئی ایم سوری!'' دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامے۔ ستارہ نے ایک جھٹکے سے چھڑا لیے اور کھڑی ہو گئی۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر جانے لگی کہ جھٹکے سے اس نے کلائی پکڑ کر کھینچا' وہ اس کے سینے سے آ لگی' دور ہونا چاہا مگر مقابل کی گرفت آہنی تھی۔

''چھوڑیں مجھے میں آپ کے ساتھ.....'' باقی کا جملہ مکمل نہ ہو سکا' یکلخت اس نے اس کے مخملی لبوں پر قفل لگا دیا۔

''ایک بندہ شرمندہ ہے اپنے کیے کی معافی مانگ رہا ہے تو انصاف کا تقاضہ ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ ہمارے ساتھ کو ابھی ایک ماہ بھی نہیں گزرا' ہم مزاج آشنا ضرور ہو گئے ہیں مگر گزشتہ زندگی کے ہر پل سے تو باخبر نہیں' بندہ بشر ہوں خطا ہوگئی' مگر حسن کی عدالت میں معافی کا طلبگار ہوں' معاف نہیں کرو گی؟'' مدھم لہجے نے جادو جگایا اور حوا کی بیٹی موم کی طرح پگھل گئی۔ اس کے سینے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی' وہ اپنی محبت کو عمل سے پیہم بخشنے لگا۔

''یاد رکھیں انس! اس بار تو سہہ گئی ہوں مگر بہت محرومیاں جھیل کر آپ کی چھاؤں میں آ کر سکون ملا اور اگر آپ ہی مجھے دھوپ میں لا کھڑا کریں گے تو میں مر جاؤں گی' آپ کی محبت پر ایمان کی حد تک بھروسہ ہے مگر اب بے اعتباری تو نہ کریں گے؟'' وہ آنسوؤں سے لبریز غزالی آنکھیں اٹھا کر بولی۔

''کبھی نہیں جاناں! ٹرسٹ می!'' وہ بے خودی سے اس کے اشک لبوں سے چننے لگا' ستارہ کے لبوں پر بھی طمانیت بھری مسکان بکھر گئی۔

☆

www.Paksociety.com

نائلہ طارق

قسط نمبر 21۔

سلسلے وار ناول

سانس سرگم اور سکوت

واقعی اس نے جو سوچا تھا وہی حالات سامنے آئے تھے۔ شمس کو اس معاملے میں انوالو کرنا اس کی سب سے بڑی عقلمندی تھی' جس طرح انہوں نے ساری حقیقت زینب کے گھر والوں کے سامنے رکھی تھی آدھا فیصلہ تو اسی وقت زینب کے حق میں ہو گیا تھا۔ جس وقت معیز کی آمد ہوئی زینب کے تینوں چھوٹے بڑے بھائی شدید اشتعال میں تھے' مگر شمس کی وجہ سے فوراً ہی آپے سے باہر نہیں ہوئے تھے۔ معیز کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ کون سا محاذ اس کے استقبال کے لئے کھلا ہوا ہے' سوالات کی بوچھاڑ سے پہلے تو وہ بوکھلا اٹھا تھا مگر جب زینب نے سب کے سامنے اس کی حرکات گنوائیں تو معیز کی حالت ایسی تھی جیسے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے' بڑی ڈھٹائی کے ساتھ وہ سب کو جھٹلاتا اور خود کو معصوم ثابت کرتا رہا تھا۔ یہ طویل بحث و مباحثہ اس وقت خطرناک موڑ پر پہنچنے لگا جب معیز نے غلط قسم کی زبان استعمال کرتے ہوئے زینب پر الزام تراشی کی کوشش کی' اس کے بعد زینب کے بھائیوں کو ٹھنڈا کرنا شمس کے لیے ناممکن تھا لہٰذا انہیں معیز کو وہاں سے فوری طور پر چلے جانے کا کہنا پڑا تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ اچانک بگڑتی صورتحال میں زینب کی والدہ کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ سدرہ تو بس انہیں ہی سارا وقت سنبھالنے کی فکر میں لگی رہی تھیں۔ جس وقت معیز' زینب کے بھائیوں سے منہ ماری کرتا بکتا جھکتا' دھمکاتا ہوا جا رہا تھا سارہ نے بروقت ایک کام کیا تھا کہ روتی بلکتی زینب کے ہاتھ سے انگیجمنٹ رنگ اتار کر معیز کو پکڑا دی تھی' جس پر زینب کے بھائی نے کہا تھا کہ رنگ ہاتھ میں دینے کے بجائے اس کے منہ پر مارنی تھی۔

معیز کے جانے کے بعد بھی انہیں کافی وقت زینب کے گھر میں گزارنا پڑا تھا' خوشی کے آنسو کیا ہوتے ہیں یہ زینب کے بہتے آنسوؤں نے اسے بتایا تھا۔ ایک طویل عرصہ ذہنی اذیت میں مبتلا رہنے کے بعد آج اس نے سکون کا سانس لیا تھا اور اس کے چہرے کی طمانیت سارہ کے لیے ہر خوشی سے بڑھ کر تھی۔ گھر جس وقت ان کی واپسی ہوئی

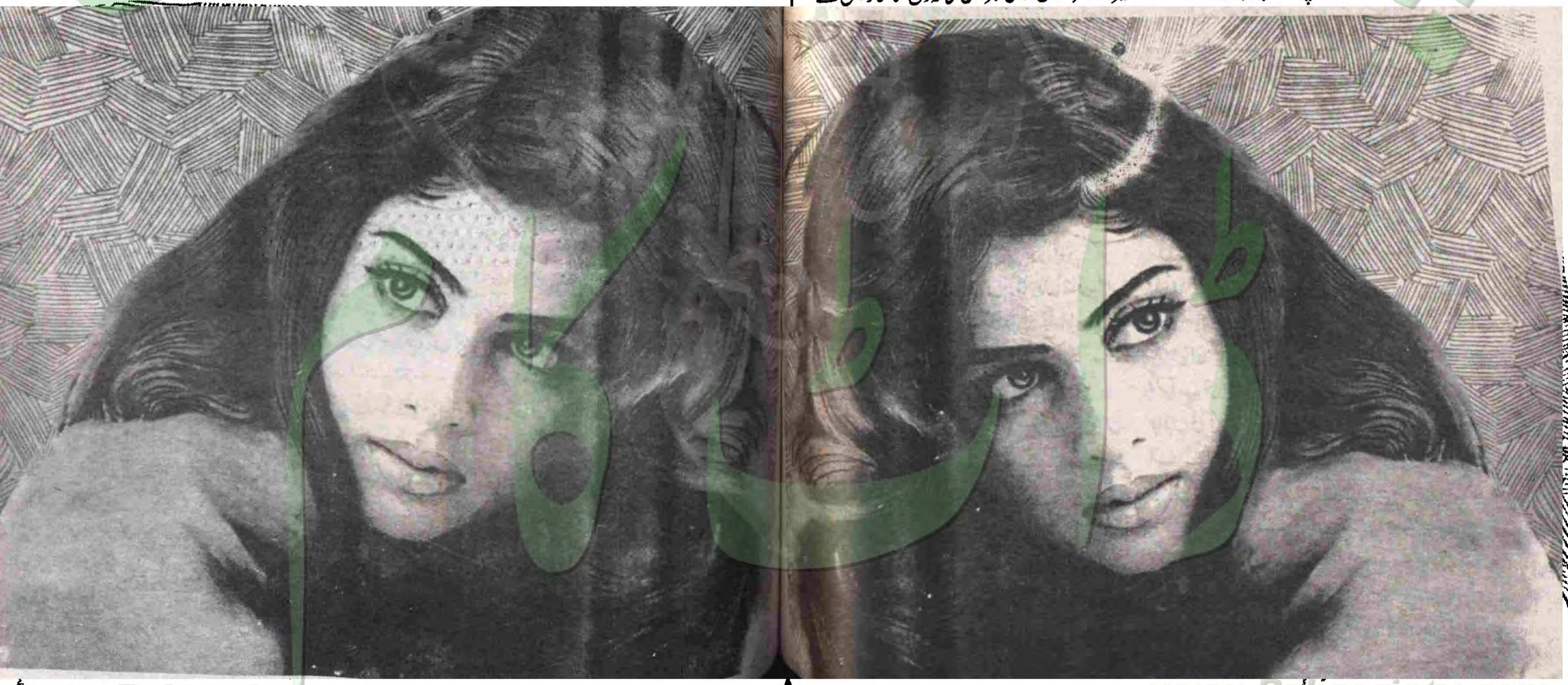

www.Paksociety.com
www.Paksociety.com

تقریباً بارہ تو بج ہی چکے تھے۔ چیخ کرنے کے بعد وہ ہشاش بشاش سی لاؤنج میں آ بیٹھی تھی' تب ہی سدرہ اس کی طرف چلی آئی تھیں۔

"مجھے تم یہ بتاؤ جب زینب کے گھر کے بڑے وہاں موجود تھے تو تمہیں کیا ضرورت تھی انگوٹھی معیز کے ہاتھ پر رکھنے کی؟" وہ ڈپٹنے والے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"زینب کا رشتہ اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب اس نے رو رو کر اپنے بھائیوں کے سامنے زبان کھولی تھی' جو کام غصے میں سب بھول گئے تھے وہ میں نے انجام دے دیا"۔

"ذرا سا ترس نہیں آیا تمہیں زینب کی امی پر' کس طرح وہ بے چاری تڑپ کر رو رہی تھیں"۔ سدرہ غصیلے انداز میں بولی تھیں۔

"ساری زندگی کا روگ اپنی بیٹی کو دے کر ہمیشہ تڑپتے رہنے سے بہتر یہی تھا' آپ کے سامنے ہی وہ اللہ کا کتنا شکر ادا کر رہی تھیں کہ ان کی بیٹی غلط ہاتھوں میں جاتے جاتے بچ گئی"۔

"ہر بات کا جواب زبان کی نوک پر رکھتی ہو تم"۔ سدرہ اسی غصیلے لہجے میں بولی تھیں' دوسری جانب وہ چند لمحے انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی تھی مگر پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر سدرہ کے ہی کمرے کی طرف گئی تھی جہاں شمس سونے کے لیے لیٹ چکے تھے۔

"آپ کچھ کہہ رہے ہیں یا نہیں؟ جب سے زینب کی طرف سے آئی ہیں مجھے برا بھلا کہے جا رہی ہیں"۔ وہ بھڑکنے والے انداز میں شکایت کرتی خاموش ہو گئی تھی جب شمس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

"تو پھر کیا کروں میں؟" وہ کوفت سے بولے تھے۔

"سمجھائیں' خاموش کروائیں انہیں ورنہ....." اس نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"کیا سمجھاؤں؟ وہ بھی تمہاری ہی بہن ہے' میں نے کہہ دیا اور وہ ہو گئی خاموش"۔ وہ ناگواری سے بولے تھے۔

"اب مجھ تک کوئی آواز آئی تو باہر آ کر گردنیں دبا دوں گا' سونے دو مجھے اور یہ دروازہ بھی بند کرو"۔ جھلائے انداز میں اسے گھرکتے ہوئے دوسری جانب کروٹ بدل گئے تھے جبکہ وہ حیرت سے انہیں دیکھتی دروازے تک گئی تھی' اسے بند کیا تھا اور پھر واپس بیڈ کی طرف آئی تھی۔

"میں نے بند کر دیا دروازہ"۔ سارہ کی آواز پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور اگلے ہی پل کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھے تھے۔

"باہر جا کر دروازہ بند کرو بے وقوف لڑکی"۔ ان کی دھاڑ پر وہ ہڑبڑا کر دروازے کی سمت بھاگی تھی جہاں موجود سدرہ مسکراہٹ چھپائے خشمگیں نظروں سے اسے ہی گھور رہی تھیں جو منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی روکتی آگے بڑھ گئی تھی۔

☆

برآمدے میں رک کر اس نے دائیں پورشن کے سامنے موجود شیث کو دیکھا تھا جو وہاں اپنے کزن سے کوئی بات کر رہا تھا' یہ موقع غنیمت جان کر وہ سرعت سے عاطف کی طرف بڑھی تھی جو تنہا نظر آ رہا تھا۔

"مجھے آپ کو ایک خوشخبری سنانی تھی"۔ عاطف کے سامنے کرسی پر بیٹھتی وہ جھلملائے چہرے کے ساتھ چہکی تھی۔

"زینب کی انگیجمنٹ مکمل ختم ہو گئی ہے انگوٹھی واپس کر کے میں نے قصہ ہی پاک کر دیا ہے"۔

"یہ خوشخبری ہے؟" عاطف نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"بالکل..... اور یہ خوشخبری میں بطورِ خاص آپ کو سنانے آئی ہوں"۔ وہ فوراً بولی تھی۔

"اگر یہ تمہارے لیے خوشخبری ہے تو تمہیں مبارک ہو' مگر مجھے اس سے کیا غرض ہو سکتی ہے جو بطورِ خاص مجھے سنانے آئی ہو؟" عاطف کے سنجیدہ لہجے پر سارہ نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

"عاطف! آپ جانتے ہیں میرے یہاں آنے کا مقصد..... آپ اس بارے میں کچھ سوچنے کی زحمت تو کر سکتے ہیں' وہ بہت اچھی ہے' کیا آپ کہیں اور....." التجائی نظروں سے اسے دیکھتی وہ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی۔

"سارہ! میں اس بارے میں مذاق میں بھی اب کوئی بات نہیں سنوں گا' بہتر ہے کہ اس موضوع کو یہیں ختم کر دو"۔

"میں اتنی بڑی بات مذاق میں نہیں کر سکتی' میں ایک اچھے مقصد کو مدنظر رکھ کر اس کے بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہ رہی ہوں"۔ عاطف کی بے انتہا سنجیدگی نے اس کے سارے جوش کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

"دیکھو' مجھے نہ کوئی رائے قائم کرنی ہے نہ دینی ہے' وہ تمہاری دوست ہے' میرے لیے ایک اسٹوڈنٹ ہے قابلِ احترام ہے' بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں' وہ یقیناً بہت اچھی ہو گی مگر مجھے اس کی اچھائیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے"۔ عاطف نے کہا تھا جبکہ وہ بجھے ہوئے چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں تمہیں برا لگا ہے' مگر میں اس کے علاوہ اور کچھ کہہ بھی نہیں سکتا"۔

"مجھے بھی اس وقت بہت زیادہ برا لگے گا جب آپ خدانخواستہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ میں انجانے میں اپنی زندگی کی سنگین غلطی کر چکا ہوں"۔ اس کے سپاٹ لہجے پر عاطف نے دنگ نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر وہ اپنی بات مکمل کر کے رُکی نہیں تھی' تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆

اسٹیئرز کی جانب بڑھتے ہوئے یکدم ہی اس کے قدم رکے تھے مگر اس نے پلٹ کر اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی جو چند لمحوں تک اس کے متوجہ ہونے کی منتظر ہی رہی تھی۔

"اگر کسی تیسرے انسان کی بات کرنی ہے تو میں رکتا ہوں"۔ اس کی جانب پلٹے بغیر ہی وہ بولا تھا۔

"اس طرح مجھ سے کترا کر نظر چرائے رکھنے سے تم خود کو مضبوط ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو یہ غلط فہمی ہے تمہاری۔ کوئی ہو گا تم جیسا کمزور انسان اس دنیا میں....." چبھتے لہجے میں بولتی وہ یکدم اس وقت رُکی تھی جب اس نے شیث کو جارحانہ انداز میں اپنی طرف آتے دیکھا تھا' گڑبڑا کر دو قدم پیچھے ہوتی دیوار سے جا لگی تھی۔

"اب تمہاری غلط فہمی دور کرنے کے لیے مجھے کس حد تک جانا ہو گا؟" دائیں جانب دیوار پر ہاتھ جمائے وہ قدرے اس کے چہرے کی جانب جھکا بھنچی آواز میں پوچھ رہا تھا' دوسری جانب اس کے اتنے نزدیک آ جانے پر سارہ کی سانس بس ایک پل کو ساکت ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل.....

لبوں پر گہری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ وہ مدھم روشنی میں شیث کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی جو اس کی مسکراہٹ پر کچھ دنگ ہوتا الجھا بھی تھا۔

"ساری زندگی کے لیے تمہاری غلام بن جاؤں گی' اگر تم اس حد سے آگے بڑھ جاؤ"۔ اس کی شرٹ کا کالر مٹھی میں جکڑ کر اپنی طرف واپس جھکاتے ہوئے وہ مدھم مگر پُرحدت لہجے میں بولی تھی' دوسری جانب وہ اس کے ترشے لبوں پر سجی قاتلانہ مسکراہٹ سے نظر چرا تا سرعت سے اسٹیئرز کی جانب گیا تھا جبکہ سارہ بمشکل ہنسی روکتی اس کے پیچھے ہی بھاگی تھی۔

"دو منٹ رکو مجھے عاطف کے بارے میں کچھ پوچھنا تھا"۔ سارہ کی آواز پر وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ریلنگ کے پاس ہی نیچے رکی ہوئی تھی۔

www.Paksociety.com

''کیا پوچھنا ہے؟'' وہ تنے ہوئے چہرے کے ساتھ بولا تھا۔
''یہی کہ عاطف اس لیے شادی کے ذکر سے کتراتے ہیں کہ وہ..... وہ بظاہر دیکھنے میں' میرا مطلب ہے کہ.....''
وہ کچھ جھجک کر رکی اسے دیکھ رہی تھی جو سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''اسے اپنی کمی کا کوئی کومپلیکس نہیں ہے' اگر وہ ابھی شادی کی ذمہ داری نہیں اٹھانا چاہتا تو یہ اس کی مرضی ہے''۔ وہ بولا تھا۔
''مگر میں بھی کہاں ان سے فوراً شادی کا کہہ رہی ہوں' وہ میری بات پر غور تو کر سکتے ہیں''۔ وہ بولی تھی۔
''عاطف تمہاری بات ضرور سنیں گے اگر تم ان سے زینب کے بارے میں بات کرو''۔ سارہ نے کہا تھا۔
''میں کوئی بات نہیں کروں گا' جسے کوشش کرنی ہے کرتا رہے''۔ اکھڑ انداز میں بولتا وہ رکا نہیں تھا دوسری جانب سارہ بھی اطمینان کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ شیث اب ضرور عاطف کو کنوینس کرے گا۔

☆

بے تحاشہ اُبر آلود آسمان نے کتنے ہی دلوں کو بے چین کر دیا تھا' متوقع ساون نے ترسے دلوں کو مزید ترسانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ بیدار ہوتے جذبوں کی حدت نے ماحول کی خنکی اور سرد ہواؤں کے جھونکوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ برآمدے میں آتے ہی خوشگوار سی کیفیت اس کے رگ و پے میں سرائیت کرتی مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔
ہر طرف پھیلی رونق کسی پکنک اسپاٹ کا منظر پیش کر رہی تھی۔ دور موجود کار کے کھلے دروازوں سے اسٹیریو سے ابھرتی میوزک کی لہریں ماحول کو اور دلکش بنا رہی تھیں۔ برآمدے کے اسٹیپس اتر کر آگے بڑھتے ہوئے اس کی مسکراتی نظریں وسیع گراؤنڈ کی جانب تھیں جہاں گھر کی سب لڑکیاں آپس میں چہلیں کرتیں کھلکھلاہٹیں بکھیر رہی تھیں جبکہ گراؤنڈ کے باہر مرد حضرات پھیلے تھے۔ گاڑیوں کی چھتوں پر' گھر کی چھتوں پر اور ٹیرس پر بھی سب بے تابی سے بارش کے برسنے کا انتظار کر رہے تھے۔ رنگ برنگے سوئٹرز میں ملبوس بھاگتے دوڑتے بچوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اسے اپنی پشت پر گرم شعاعیں لپکتی محسوس ہوئی تھیں' چلتے چلتے اس نے یکدم ہی گردن موڑ کر دیکھا تھا' نظر سیدھی اس تک گئی تھی جو سیاہ جیکٹ میں ملبوس اپنے کچھ کزنز کے ساتھ موجود تھا۔ سارہ کے اچانک متوجہ ہونے پر وہ سرعت سے نظروں کا زاویہ بدل تو گیا تھا مگر سارہ اس کی چوری پکڑ چکی تھی۔ لبوں میں مسکراہٹ دبائے وہ مٹی کی سوندھی مہک سانسوں میں اتارتی سرشار ہونے لگی تھی' مین گیٹ سے وہ ابھی کچھ ہی فاصلے پر تھی جب اس نے اندر داخل ہوتی زینب کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔
''بروقت آئی ہو تم..... یہ جو بیزار ہو کر بیٹھی ہو زندگی سے کچھ تو نارمل ہو گی''۔ اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔
''ساری بلائیں ٹل چکی ہیں' آئینے میں خود کو دیکھا تم نے؟ اتنا سکون اور نکھار ایک عرصے بعد تمہارے چہرے پر دیکھ رہی ہوں''۔ اس کے ساتھ آگے بڑھتے سارہ نے اس کے کھلے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔
''اگر تم میرے پاس نہ ہوتیں تو شاید میں کبھی یہ دن نہ دیکھ پاتی''۔ زینب نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''ابھی تو تمہیں آگے مزید اَن گنت خوبصورت دن دیکھنے ہیں' انشاء اللہ''۔ سارہ کے دعائیہ انداز پر زینب نے نم ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔
اپنے نام کی پکار پر وہ رک کر شان کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو اپنے دوسرے کزنز کے ساتھ گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا تھا۔

''شاہی سب کے فرمائشی گانے پلے کر رہا ہے' تمہیں کسی کے لیے.....''
''ہرگز نہیں''۔ سارہ نے درمیان میں ہی اسے روکا تھا جبکہ شاہ رخ گاڑی سے باہر نکلا تھا۔
''عاطف بھائی! ایک خاتون نے آپ تینوں حضرات میں سے کسی ایک کے لیے گانا لگانے کی التجا کی ہے''۔ حلق کے بل اس نے مومو کے پورشن میں برآمدے میں موجود عاطف سے کہا تھا۔ سارہ کے ہوش اڑ گئے تھے کیونکہ وہاں عاطف کے علاوہ اس کے بڑے بھائی واصف اور شیث بھی موجود تھے' دوسری جانب شاہ رخ فوراً ہی واپس گاڑی میں گھس گیا تھا۔
''گانا پلے ہو رہا ہے آپ تینوں خود ہی اپنے اپنے ایمان سے فیصلہ کر لیجیے گا''۔ واصف نے اشارے سے کچھ پوچھا تھا جو شان نے آواز لگائی تھی۔ زینب کے ساتھ ہونے کی وجہ سے بھی وہ اب مزید تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی جبکہ اسٹیریو کی بلند آواز پر اس کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔
''نہ بولوں گی' نہ بولوں گی
ان کے منائے بنا
نہ مانوں گی.....''
''دو بندے سوچ میں پڑے ہیں مگر واصف بھائی خوامخواہ خوش ہو رہے ہیں''۔ شان کی قہقہہ لگاتی آواز پر بمشکل مسکراہٹ روکتے ہوئے اس نے زینب کو دیکھا تھا جو خود بھی مسکراتی نظروں سے سارہ کو دیکھ رہی تھی۔
''کبھی کبھی مجھے سمجھ نہیں آتا میں ان اعلیٰ درجے کے انسانوں میں کس طرح ایڈجسٹ کر گئی ہوں''۔ سارہ نے خشمگیں لہجے میں کہا تھا۔
''میں نے بھی محسوس کیا ہے تمہارے اندر کافی بدلاؤ آیا ہے جو کہ بہت اچھا ہے' ویسے تو جان لٹا دینے والی ہستی تو تم شروع سے رہی ہو''۔ زینب کے کہنے پر وہ بس مسکرائی تھی۔
''سر میری غیر حاضری کے بارے میں کچھ پوچھ رہے تھے؟'' زینب نے سوال کیا تھا۔
''تمہاری طرح میں بھی غیر حاضر تھی' میری ان سے ناراضی چل رہی ہے''۔ سارہ کے فوراً ہی کہنے پر وہ حیران ہوئی تھی۔
''تم ان سے کیوں ناراض ہو؟''
''بس ہوں ناراض''۔ نخوت سے سر جھٹکتی وہ مومو کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
''جلدی آجاؤ دونوں' جتنی مشکل سے میں نے چکن پکوڑے بنائے ہیں اس سے زیادہ مشکل ہو رہی ہے انہیں ندیدوں سے بچا کر رکھنے میں''۔ قریب آتے ہی وہ عجلت میں بولی تھی۔
''آپی بھی تو بنا رہی ہیں پتا نہیں کیا کیا''۔ سارہ نے کہا تھا۔
''ارے وہ کیا' ہر گھر سے کچھ نہ کچھ پلیٹوں میں بھر کر باہر آ رہا ہے' منٹوں میں سب چٹ ہو رہا ہے ان سب بھوکوں کا منہ ہی ہم تکتے رہ جائیں گے''۔ مومو نے بیزاری سے کہا تھا۔
''ہاں یہ تو نظر آ رہا ہے۔ زینب! تم آپی سے مل کر آجاؤ ہم یہیں انتظار کرتے ہیں''۔ سارہ کی ہدایت پر زینب سر ہلاتی آگے بڑھ گئی تھی۔
''مومو! سچ سچ بتاؤ' یہ تمہیں عاطف کے لیے پرفیکٹ لگتی ہے یا نہیں؟'' سارہ نے سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔
''پرفیکٹ ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ یہ تمہاری دوست ہے' میں تو ویسے بھی پہلے دن سے اس کی ہونق شکل پر

www.Paksociety.com

فدا ہوں"۔ موموبولتے ہوئے ہنسی تھی کیونکہ سارہ نے اسے گھورا تھا۔

"یہ جیکٹ کس کی پہنی ہوئی ہے تم نے؟" سارہ نے مشکوک نظروں سے اس کی لیدر کی جیکٹ کو دیکھا تھا۔

"کس کی ہوسکتی ہے؟" موموابرو چڑھائے مسکرائی تھی۔

"تم اتنی غربت زدہ ہو کہ ایک ذاتی سوئٹر بھی نہیں ہے"۔ سارہ نے اسے گھر کا تھا۔

"کبھی کبھی تو اسے مجھ پر پیار آتا ہے' وہ بھی کسی سے برداشت نہیں ہوتا"۔ موموکے کچا چبا جانے والے لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

عاطف کی کوئی بات سنتے ہوئے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو زینب اور موموکے ساتھ اسی جانب آرہی تھی۔ اس سرد موسم میں اس نے کوئی شال یا سوئٹر تک لینے کی زحمت نہیں کی تھی' اس وقت بھی بس سادہ کاٹن کے لباس میں ملبوس تھی۔

"میرے نکمے شاگردو! کوئی سلام نہ دعا......" عاطف نے مسکراتی نظروں سے سارہ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا' جبکہ شرمندہ ہوتی زینب نے مدھم آواز میں شیث کو بھی سلام کیا تھا جس کا جواب سر کے اشارے سے واپس آیا تھا۔

"میں تو نہیں بھیجنے والی ان سب پر سلامتی جو میری دوست کے دشمن ہیں"۔ موموں نے مسکراتے ہوئے معنی خیز نظر شیث پر بھی ڈالی تھی۔

"سارہ! کیا یہ سچ کہہ رہی ہے؟" عاطف نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں بات کر رہے ہیں مجھ سے' ناراض ہیں تو ناراض رہیں"۔ نخوت سے بولتی وہ تیزی سے گھر کے اندر جا چکی تھی۔

"مجھے تو یہی نہیں معلوم میں کب ناراض ہوا ہوں اس سے"۔ عاطف نے حیرانگی سے ہنستے ہوئے شیث سے کہا تھا۔

"کچھ کرو میرے دوست! ورنہ یہ خاتون مجھے نفسیاتی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گی"۔

"تو پھر میں کیا کروں؟ اس کے سامنے جا کر ہاتھ پیر جوڑوں"۔ شیث کے ناگوار لہجے پر عاطف حیران نہیں ہوا تھا۔

"تم کچھ نہ کرو بس دل لگا کر مرچیں چباؤ اور اطمینان سے انگاروں پر چہل قدمی کرو"۔ عاطف کے خشمگیں لہجے پر وہ سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے عاطف نے ان دونوں کو دیکھا تھا جو ہال میں ہی موجود موموکی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ دوسری جانب سارہ نے مکمل اسے نظر انداز کیا تھا۔

"سارہ! ایک پلیٹ میرے کمرے میں پہنچا دو"۔ عاطف نے جان بوجھ کر اسے مخاطب کیا تھا جو چکن پکوڑوں پر ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

"جب تک آپ میری ناراضی دور نہیں کریں گے' مجھ سے اُس وقت تک کوئی امید نہ رکھیں"۔ وہ فوراً بولی تھی۔

"کیسے ناراضی دور ہوگی تمہاری؟" ایک نگاہ زینب کے حیران چہرے پر ڈال کر اس نے سارہ سے کہا تھا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں' انجان بنے رہنے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے"۔ اس کے شکایتی لہجے پر عاطف ایک گہری سانس لیتا کمرے میں چلا گیا تھا۔

"یہ موموکہاں رہ گئی' تم بیٹھو میں دیکھوں چائے بنا رہی ہے یا پائے"۔ زینب سے کہتی وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

دروازے پر دستک دے کر وہ رکی تھی اور پھر اجازت ملنے پر جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ حیران نظروں سے

عاطف نے اسے دیکھا تھا جو چکن پکوڑوں کی پلیٹ تھامے سامنے آرکی تھی۔

"میں تو ویسے ہی سارہ کو تنگ کر رہا تھا' آپ یہ میرے لیے کیوں لے آئی ہیں' میں تو حد سے زیادہ ان کے ساتھ انصاف کر چکا ہوں"۔ پکوڑوں کی سمت اشارہ کرتے ہوئے عاطف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"سارہ آپ سے کیوں ناراض ہے؟ وہ مجھے کچھ بتانے پر تیار نہیں"۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"یہ بہتر ہے کہ آپ کو اس نے نہیں بتایا' کچھ جاننے کے تجسس میں آپ بھی پریشان نہ ہوں"۔ عاطف نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"اگر میں کہوں مجھے اس کی ناراضی کی وجہ معلوم ہے تو؟" اس کے مدھم لہجے پر عاطف نے چونک کر اسے دیکھا تھا جو رُکی نہیں تھی تیزی سے دروازے کی سمت چلی گئی تھی۔ بند دروازے کو دیکھتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم ہونے لگا تھا۔ اس غیر معمولی لڑکی میں کچھ تھا ایسا جو اس کے بارے میں سوچنے سے وہ خود کو روک نہیں پا رہا تھا یہ اور بات تھی کہ اس سچ کو قبول کرنے سے وہ نظر بھی چرائے رکھنا چاہتا تھا۔

☆

بیک سیٹ پر وہ زینب کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی جب سگنل پر قریب ہی رکتی گاڑی نے اسے متوجہ کیا تھا۔

"عاشر بھائی......" وہ بے اختیار ہی پکار گئی تھی جبکہ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شیث کے اعصاب تن گئے تھے۔

"آجاؤ...... میں گھر ہی جا رہا ہوں' سب خوش ہو جائیں گے تمہیں اچانک میرے ساتھ دیکھ کر"۔ عاشر نے فوراً ہی کہا تھا۔

"ابھی نہیں آسکتی میری دوست ساتھ ہے"۔ سارہ نے جواب دیا تھا کہ بیک ویو مرر سے دو جلتی نگاہیں اس پر ہی جمی تھیں۔

زینب کو اس کے گھر ڈراپ کرنے کے بعد بھی اس نے فرنٹ سیٹ پر جانے کی کوشش نہیں کی تھی' خود کو لاتعلق رکھتے ہوئے پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھی رہی تھی۔

یکدم ہی گاڑی رکنے پر وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر اب سامنے شاپ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ یقیناً موموکے لئے چاکلیٹس لینے جا رہا تھا جس کی فرمائش گھر سے نکلتے ہوئے شیث سے اس نے کی تھی۔

سڑک پر پھیلی زرد روشنیوں میں وہ ہلکی ہلکی برستی بوندوں کو دیکھ رہی تھی تب ہی اس نے چونک کر اپنی طرف ہی متوجہ اس شخص کو دیکھا تھا جو یقیناً اسی کی جانب آرہا تھا۔ سارہ کو محسوس ہوا تھا کہ اس شخص کو وہ پہلے بھی دیکھ چکی ہے منٹوں میں اسے یاد آیا تھا کہ اس رات عاطف کو اس نے سگنل پر اس شخص کی طرف متوجہ کیا تھا لہٰذا ونڈو پر جھکتے اس شخص کو دیکھ کر وہ نروس ضرور ہوئی تھی مگر گھبرائی نہیں تھی۔

"جس شخص کے ساتھ تم گھوم رہی ہو' اس کی حقیقت اگر جاننا چاہتی ہو تو اس نمبر پر مجھ سے رابطہ کرنا"۔ قریب آتے ہی ایک کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بولا تھا سارہ کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

"میں اس کے گھر کے ایک ایک بندے کو جانتا ہوں' تم سے اس کا کیا تعلق ہے مجھے نہیں معلوم مگر میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے نقاب میں چھپے چہرے کو......" یکدم ہی اس شخص کی زہر اگلتی زبان رُکی تھی جب ایک جھٹکے سے کسی نے اسے پیچھے دھکیلا تھا' لڑکھڑا کر سنبھلتے ہوئے رضی نے غصیلی نظروں سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

"اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے چلے جاؤ' ورنہ میں نہیں جانتا کہ میں تمہارا کیا حشر

www.Paksociety.com

کروں گا''۔شدید ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے رضی کے ہاتھ سے کارڈ چھین کر اس کے پرزے کر ڈالے تھے۔
''ایسے نہیں جاؤں گا' تمہاری اوقات کی گواہی اسی سڑک پر دے کر جاؤں گا''۔رضی کے حقارت آمیز لہجے پر وہ بس ایک پل کو رکا تھا مگر اگلے ہی پل وہ رضی کا گریبان ہاتھوں میں جکڑ چکا تھا۔
''شیث.....'' دہل کر چیختی وہ گاڑی سے اتری تھی۔
''میری اوقات بتاؤ گے' تمہاری اوقات کیا ہے یہ میں بتاؤں تمہیں.....''رضی کا گریبان جھٹکتے ہوئے وہ دھاڑا تھا۔
''شیث! چھوڑ دو اسے' سب دیکھ رہے ہیں''۔کانپتے ہوئے سارہ نے اس کا بازو تھام کر رضی سے دور کرنے کے لیے زور لگایا تھا۔
''آج تو خاموش ہو جاتا ہوں مگر میری زبان بند نہیں ہوگی''۔رضی نے غراتے ہوئے دھمکی دینا ہی مناسب جانا تھا کہ ارد گرد لوگ جمع ہونے لگے تھے۔
وہ شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو اب تیز قدموں کے ساتھ اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا۔سفید پڑتے چہرے کے ساتھ سارہ نے اسے اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل لرزتے وجود کے ساتھ وہ سرعت سے بیک سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔
بیک ویو مرر سے وہ اس کی خون آلود آنکھوں کو دیکھ سکتی تھی' اس کی ڈرائیونگ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت بھی کتنے اشتعال میں ہے۔
''جو ہوا ہے اس کا ذکر کسی سے مت کرنا''۔ونڈ اسکرین پر نظر جمائے وہ تنے لہجے میں سارہ کو ہی تاکید کر رہا تھا۔
''وہ.....کون تھا؟'' بمشکل ہی سارہ کے حلق سے آواز نکلی تھی۔جواباً شیث کے مدھم مگر شعلہ بار لہجے پر وہ سن ہو گئی تھی' اس نے کبھی شیث کو ایسے جملے ادا کرتے نہیں سنا تھا۔

☆

''دو گھنٹے گزر چکے ہیں مگر اب تک ان دونوں کی واپسی کی کوئی خبر نہیں' شمس کو اگر معلوم ہو گیا تو تمہاری بھی خیر نہیں ہوگی''۔سدرہ نے غصیلے انداز میں اسے مزید دہلایا تھا جو پریشان چہرے کے ساتھ ٹہل رہی تھی۔
''آپ مجھے اور ہولا ہولا کر بے دم کر دیں''۔وہ جھلا کر بولی تھی۔
''تو کیا کروں' تمہاری طرح لیفٹ رائٹ شروع کر دوں' رات سر پر آ رہی ہے' شمس باہر ہیں مگر کسی بھی وقت واپس آ سکتے ہیں' دو بار چچی نے کاشی کو بھیجا ہے مومو کو بلانے کے لیے''۔
''میں نے کہہ تو دیا تھا اس کے بھائی سے کہ وہ میرے ساتھ پریکٹس کر رہی ہے ٹیسٹ کی''۔وہ مزید جھلائی تھی۔
''آنے دو آج ذرا شاہی کو''۔سدرہ بڑبڑائی تھیں تب ہی کال بیل کی آواز پر سارہ لاؤنج سے بھاگی تھی۔
حیرانگی کے ساتھ وہ شان کے پیچھے آئی تھی جو پاگلوں کی طرح ہنستا صوفے پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ہونقوں کی طرح لوٹ پوٹ ہوتے شان کے اشارے پر سدرہ کے ساتھ وہ بھی پلٹی تھی' اگلے ہی پل اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا جب اس نے بگڑے تیوروں کے ساتھ آتے شمس کو اور ان کے پیچھے ہی نمودار ہوتے شاہ رخ اور مومو کے لٹکے چہروں کو دیکھا تھا۔
کمرے کے دروازے پر رک کر شمس ان دونوں کی طرف پلٹے تھے جو لاؤنج میں ہی رک گئے تھے۔
''کمرے میں آؤ دونوں''۔غصیلی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے وہ دھاڑے تھے جس پر پہلے مومو ہل کر اندر گئی تھی اور اس کے پیچھے ہی شمس کی نظروں سے بچتا شاہ رخ۔

''ہوا کیا ہے؟'' سدرہ نے پوچھنے کی ہمت کر لی تھی۔
''یہ دونوں باہر آ جائیں تو تم اندر آ جانا' دے دوں گا سارے جواب''۔ان کے خونخوار لہجے پر سدرہ کا رنگ اڑ گیا تھا' دوسری جانب دھماکے سے دروازہ بند ہو گیا تھا جبکہ شان کی روکی ہوئی ہنسی پھر اسٹارٹ ہو گئی تھی۔
''یہ کہاں مل گئے ان دونوں کو' تم ہی کچھ بتا دو؟'' حیران پریشان کھڑی سارہ نے شان سے پوچھا تھا۔
''اسی ہوٹل میں ڈنر کے دوران بڑے بھائی نے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے دونوں کو''
''تم نے ہی خبر دی ہوگی انہیں' شروع سے فتنے بھرے ہیں تمہارے اندر''۔سدرہ نے شان کو لتاڑا تھا۔
''میں نے کچھ نہیں کیا' بڑے بھائی خود اپنے دوستوں کے ساتھ اس ہوٹل میں پہنچ گئے تھے' اب یہ اور بات ہے کہ ڈنر کرنے وہ مومو اور شاہی کی ٹیبل پر ہی جا پہنچے تھے''۔
''تمہیں یہ سب کیسے معلوم؟'' سارہ نے دنگ ہو کر پوچھا تھا۔
''بڑے بھائی کے ساتھ کینڈل لائٹ ڈنر کرتے ہوئے شاہی نے مجھے میسج کیا تھا''۔شان نے بتایا تھا جبکہ وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے سدرہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو کمرے کے بند دروازے سے کچھ سننے کی کوشش کر رہی تھیں۔
''آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے اندر جا سکتی ہیں''۔لاؤنج میں آتے شیث نے مسکراتی نظروں سے سدرہ کو دیکھا تھا۔
''تاکہ ان کا سارا غصہ مجھ پر اتر جائے''۔سدرہ نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔
''آپ خود اندر چلے جائیں' بڑے بھائی کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا''۔شان نے مسکراتے ہوئے شیث کو مشورہ دیا تھا۔
''میں اندر چلا گیا تو بہت جوتے پڑیں گے شاہی کو''۔صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک سرسری نگاہ سارہ پر ڈالی تھی جو بند دروازے پر نظر جمائے گم صم بیٹھی تھی۔
''پتا نہیں وہ کتنی ڈانٹ ڈپٹ کر رہے ہوں گے' مومو نے رونا شروع کیا تو گھر بھر میں خبر ہو جائے گی' دونوں نے کیا گل کھلایا ہے''۔سدرہ پریشان ہوئی تھیں۔
''ایک تو آپ کے گھر کی زمین بڑی زرخیز ہے' ذرا سی بات پر گل کھل جاتے ہیں''۔سارہ کلس کر بولی تھی۔
''یہ ذرا سی بات ہے؟'' سدرہ نے اسے گھرکا تھا۔
''آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں' جن کی مدد سے وہ دونوں گھر سے نکلے تھے انہیں فکرمند ہونے دیں''۔شیث کے بے نیاز لہجے پر سارہ بل کھا کر رہ گئی تھی۔
''سارہ! اپنے سیل فون کا کیمرہ آن کر لو' یادگار مناظر محفوظ کرنے کے لیے''۔شان ہدایت دیتا استقبال کے لیے اٹھ گیا تھا۔
سب سے پہلے مومو منہ سجائے باہر نکلی تھی جبکہ اس کے پیچھے ہی باہر آتے شاہ رخ نے کیمرے سے بچتے ہوئے اس طرح چہرہ ہاتھ سے چھپانے کی کوشش کی تھی جیسے باہر پورا میڈیا استقبال کے لیے کھڑا ہے۔
''آپ اپنی ناکام ڈیٹ کے بارے میں کچھ کہنا پسند کریں گے؟'' شان نے اپنے ہاتھ کا مائیک اس کے سامنے کیا تھا۔
''تم نے سوال نہیں کیا میرے بھائی! زخموں پر نمک چھڑکا ہے' تو جانتا ہے اس ڈیٹ نے مجھے شرم سے پانی پانی کر دیا ہے' مگر میں کہنا چاہتا ہوں میرے عزیز ہم وطنو' میرے دلارو کبھی خاندان کی لڑکی کو ڈیٹ پر مت لے جانا' تالیاں.....'' شاہ رخ کی تقریر پر سارہ نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔
''کس جلوس سے خطاب کر رہے ہو' گردن توڑ دوں اس کی' بڑے سوال کر رہا ہے' بتاؤں تیرے کارنامے۔روز رات کو

www.Paksociety.com

باہر بائیک کو ریس دیتا ہے اور مرزا صاحب کی دلاری دوڑی چلی آتی ہے کھڑکی میں"۔ مومو نے تلملا کر شان کو گھورا تھا۔
"دیکھو ذرا اب بھی شرمندہ نہیں ہے' خبردار جو میرے شریف دیوروں پر الزام لگایا"۔ سدرہ نے اسے گھرکا تھا۔
"ارے کیوں شرمندہ ہو جاؤں' گن پوائنٹ پر کیا میں نے لوٹ لیا ہے تمہارے شریف دیور کو' آپ کتنی شرمندہ ہوئی تھیں جب میرے بھائی نے پکڑا تھا آپ کو ساحل سمندر پر گھوم رہی تھیں اپنے میاں کے ساتھ"۔ مومو کا میٹر فل گھوما ہوا تھا۔
"ڈنکے کی چوٹ پر وہاں جاؤں گی جہاں میرے شوہر لے جائیں گے اور تمہارے بھائی نے نہیں ہم نے اسے پکڑا تھا اس ڈائن کے ساتھ خبردار جو میرے سامنے زبان چلائی"۔ سدرہ تلملا ہی گئی تھیں۔
"بھابی! آپ میرے بھائی کے ساتھ ساحل سمندر پر گھوم رہی تھیں' کیا منہ دکھاؤں گا میں دنیا کو"۔ شاہ رخ جذباتی ہوا تھا۔
"یہ سوال تمہیں اس وقت بھی اپنے لئے سوچنا چاہیے"۔ شیث نے خشمگیں نظروں سے پہلے شاہ رخ اور پھر مومو کو دیکھا تھا۔
"مومنہ! یہ تو بتا دو تمہارا کینڈل لائٹ ڈنر کیسا رہا؟" اس نے جلی بھنی مومو کو چھیڑا تھا۔
"چپ چاپ بیٹھے رہو چھوٹے بھائی! خوامخواہ تپانے والی باتیں مت کیا کرو تم"۔ وہ مزید تنک اٹھی تھی ان سب کے ہنسنے پر۔
"بیٹا! تو باہر نکل' تیری ہڈیاں ہی توڑوں گی"۔ وہ بھنا کر شاہ رخ پر چیخی تھی مگر اگلے ہی پل شمس کی ابھرتی دھاڑ پر گڑبڑا کر باہر بھاگی تھی۔

☆

آج شہر کے اس مصروف ہوٹل میں کمپنی کے نیو برانڈ پروڈکٹ کا Launch تھا' کمپنی کی مکمل آرگنائزیشن کے علاوہ بھی جو کراؤڈ وہاں جمع تھا ان سب کے درمیان شان خود کو بہت uncomfortable محسوس کر رہا تھا کہ اس قسم کے ایونٹ میں شرکت کا پہلا اتفاق تھا' مگر شیث اسے بالکل نارمل اور پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ شان کے لیے یہ حیران کن تھا کہ وہ کس طرح اس بے باک اور گلیمر سے بھرپور ماحول میں مکس اپ ہو چکا ہے۔
بہت پروفیشنل انداز میں شیث نے پروڈکٹ کے حوالے سے audience کو انفارمیشن ہلکی سی اسپیچ کی شکل میں بہم پہنچائی تھی اور اس کے بعد وہاں موجود پرنٹ میڈیا کی ایک بڑی تعداد کو فوٹو سیشن دیا تھا' اسی دوران شان نے بھی اپنے کیمرے میں اس کی کئی تصاویر قید کی تھیں۔
ہوٹل میں بہت اعلیٰ قسم کے ریفریشمنٹ کا اہتمام کیا گیا تھا' مگر شان بس اب یہاں سے نکل کر آزادی کا سانس لینا چاہتا تھا' اس لیے شیث کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا جو پتا نہیں کون کون سی شخصیات سے محو گفتگو ہوتا رہا تھا۔
اس وقت وہ شیث کے ہمراہ ہی کمپنی کے منیجر کے ساتھ موجود تھا جب اسی کمپنی کے ایم ڈی حسن حیات ایک لیڈی کے ہمراہ آ گئے تھے۔ حیرت کا جھٹکا شان کو لگا تھا جب اس عورت نے والہانہ انداز میں اپنا سفید نازک ہاتھ شیث کے ہاتھ میں دے دیا تھا' ایم ڈی کو تعارف کروانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی وہ عورت خود ہی شروع ہو گئی تھی۔ کسی مشہور کمپنی کی وہ پروموشنل ماڈل تھی بلاشبہ اس کا حسین چہرہ کسی بھی پروڈکٹ کو چار چاند لگانے والا تھا' مگر یہاں موجود دیگر خواتین کی طرح اس کے پاس بھی لباس کی بہت قلت تھی۔ کوفت زدہ نظروں سے وہ شیث کو ہی دیکھ رہا تھا جو بہت توجہ سے اس عورت کی بات سن رہا تھا۔

"I wish you become a top brand ambassador"۔ اس عورت کی نظریں شیث کے چہرے سے ہٹنے کو تیار نہیں تھیں۔
"It's your wish or innocent punish for me?"۔ شیث کے مسکراتے سوالیہ لہجے پر اس عورت کی بے ساختہ رس گھولتی ہنسی بلند ہوئی تھی۔ بیزاری کے ساتھ شان دوسری طرف متوجہ رہا تھا مگر کان ان دونوں کی گفتگو پر ہی لگے تھے۔
کچھ چونک کر وہ شیث کی طرف متوجہ ہوا تھا جو اس عورت کی فرمائش پر ایکسکیوز لیتا اس کے ہمراہ وہاں سے جا رہا تھا۔ ناگواری کے ساتھ شان تعاقب میں جانے سے خود کو روک نہیں سکا تھا' جس جگہ وہ دونوں جا کر رُکے تھے وہ بالکل رونق سے الگ تھلگ حصہ تھا۔ بڑھتے تجسس کے ساتھ شان سرعت سے اس خالی ٹیبل کے گرد جا بیٹھا تھا جو ان دونوں سے کچھ فاصلے پر موجود تھی۔ عورت کی پشت شان کی طرف تھی مگر شیث بخوبی شان کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ عورت بہت بے تکلفی سے اپنی جس خواہش کا اظہار کر رہی تھی اسے سنتے سمجھتے ہوئے شان کے چودہ طبق روشن ہونے لگے تھے۔ دنگ نظروں سے وہ شیث کے پرسکون چہرے کو دیکھ رہا تھا جو بہت نرمی اور سلیقے سے اس عورت کی پیش کی گئی آفر پر انکار کر گیا تھا جسے بخوشی عورت نے قبول کیا تھا۔
وہ عورت اب سرسری دوستانہ انداز میں بولتی شیث کے ساتھ وہاں سے جا رہی تھی' اس عورت کی نظر بچا کر شیث نے اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا جو ٹیبل کے گرد ہی بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔

☆

ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر اس نے ایک بار پھر شان کو دیکھا تھا جو بہت خاموشی کے ساتھ اپنا سیل فون چیک کرنے میں مگن تھا۔
"مجھے معلوم ہے کہ تم وہاں بور ہوئے ہو گے' مگر یہ تمہاری خواہش تھی وہاں میرے ساتھ جانے کی"۔ شیث نے کہا تھا۔
"وہاں سب کیسا لگا تمہیں؟" اس کی مستقل خاموشی پر شیث نے سوال کیا تھا۔
"Hell"۔ شان اتنا ہی بولا تھا۔
"وہاں سب لوگ کیسے لگے؟"
"Fake"۔ جواب آیا تھا۔
"وہاں جو فی میل ماڈلز تھیں ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟" شیث نے کچھ دلچسپی کے ساتھ مزید پوچھا تھا۔
"Artificial things"۔ سیل فون پر ہی نظر جمائے شان بولا تھا۔
"اور میرے بارے میں کیا کہو گے؟" شیث نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔
"میں چاہتا ہوں اس سوال کا جواب آپ خود دیں"۔ شان نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔
"Faithful"۔ اس نے شان کی طرف دیکھتے ہوئے تائید چاہی تھی۔
"کس کے ساتھ وفادار ہیں آپ؟" شان کے سوال نے اسے حیران کیا تھا۔
"اپنے رب کے بعد ہر اس انسان کے ساتھ جو مجھ سے تعلق رکھتا ہے' یہاں تک کہ اپنی ویلیوز اور اپنے ضمیر کے ساتھ بھی....."

(جاری ہے)

☆

www.Paksociety.com

فوزیہ خان

افسانہ

محبت کے رنگ

وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تھا میوزک کی تیز آواز نے اس کے تنے ہوئے اعصاب کو اور سخت کر دیا تھا۔

''خان بابا...... خان بابا''۔ اذلان شاہ نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے چلانے پر خان بابا دوڑتا ہوا آیا۔

''جی صاحب!'' خان بابا نے اذلان شاہ کے سخت تیور دیکھتے ہوئے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

''خان بابا! یہ گھر میں کیا بھونچال آیا ہوا ہے' کس نے اتنی تیز آواز میں میوزک چلایا ہوا ہے......؟'' اذلان شاہ نے غصے سے پوچھا۔

''وہ صاحب! وفا بی بی کی کچھ دوستیں آئی ہوئی ہیں تو انہوں نے......''

''آپ! وفا کو میرے کمرے میں بھیجیں''۔ اس نے غصے سے کہا اور میز کو ٹھوکر مارتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا' دروازے پر دستک ہوئی۔

''آجاؤ''۔ وہ جانتا تھا وفا ہی ہوگی۔ وفا نے اندر قدم رکھتے ہی ڈرتے ہوئے اذلان شاہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے غصے کا پتہ چل رہا تھا۔

''وفا! دن بدن تم سدھرنے کی بجائے اور بگڑتی جا رہی ہو' امی اور چھوٹی امی نے تمہیں سر پر چڑھا رکھا ہے اور یہ کونسا طریقہ ہے میوزک سننے کا کہ پورا گھر ہی ڈسٹرب ہو جائے' شرم آنی چاہیے تمہیں...... اور اپنی ان فضول دوستوں کو کالج تک ہی محدود رکھا کرو'۔ اذلان شاہ نے غصے سے کہتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو اپنی اتنی تعریف پر دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

''اب جاؤ تم''۔ اذلان شاہ نے کہا تو وہ جیسے پہلے ہی جانے کو تیار تھی' ایک سیکنڈ کی دیر کیے بغیر کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆

''کہاں گئی تھیں تم......؟'' ثناء نے پوچھا تھا۔

''جانا کہاں ہے اس نے' یقیناً اپنے اس ہینڈسم کزن سے انسلٹ کروا کر آ رہی ہوگی''۔ آنسہ کا یہی کہنا تھا کہ وفا نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا تھا۔

''ارے وفا! میں تو مذاق کر رہی تھی' تم تو رونا ہی شروع ہو گئی' کیا ہوا ہے بتاؤ......؟'' آنسہ نے کہا۔

''ہونا کیا ہے ہر وقت وہی انسلٹ' ابھی بھی میوزک کی آواز تیز ہونے کی وجہ سے اتنی باتیں سنائی ہیں''۔ وفا نے روتے ہوئے بات مکمل کی۔

''اوہو...... اتنی سی بات پر تم رونے بیٹھ گئیں اور دعوے تمہارے بہت بڑے ہیں کہ میں اذلان شاہ کو تبدیل کر کے رکھ دوں گی' اذلان بھائی سے محبت بھی کرتی ہو اور بات بھی برداشت نہیں کر سکتیں' جن سے محبت کی جاتی ہے' ان کی ہر بات برداشت کی جاتی ہے''۔ ثناء جو کہ اس کی بچپن کی دوست تھی' اسے محبت پر لیکچر دے رہی تھی

www.Paksociety.com
www.Paksociety.com

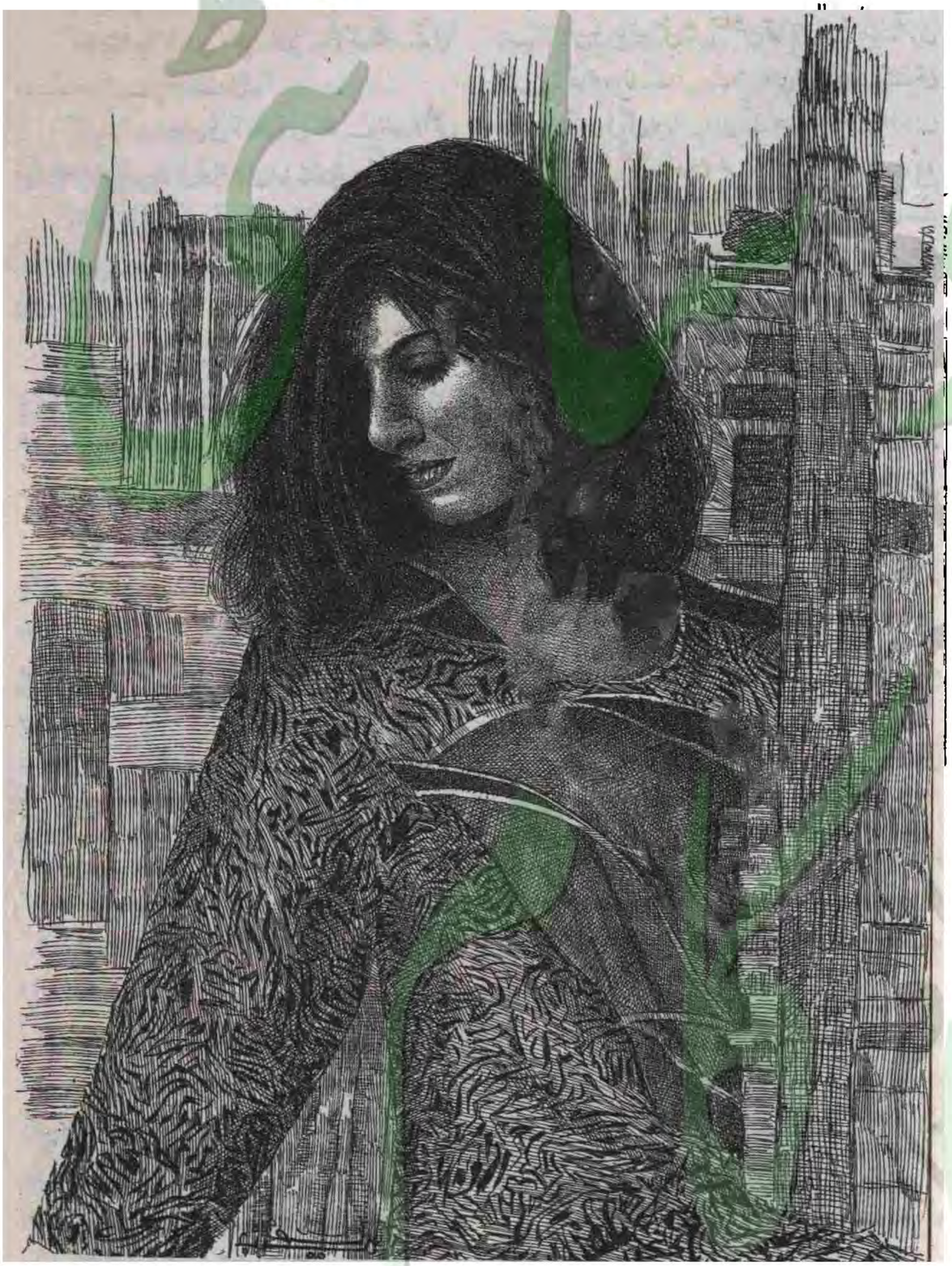

اور وفا سر جھکائے ان کے لیکچر سن رہی تھی۔

☆

"وفا بیٹا! جاؤ اذلان کو بلا کر لاؤ"۔ شائلہ بیگم نے کہا' وفا نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ"۔ اذلان کی آواز آئی' وفا نے اندر داخل ہو کر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اذلان سامنے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

"اذلان! آپ کو بڑی امی بلا رہی ہیں"۔

"میرے سر میں درد ہے' میں کچھ دیر بعد آتا ہوں"۔ اذلان نے کہا۔

"میں سر دباؤں آپ کا.....؟" وفا نے جھجکتے ہوئے پوچھا اور کوئی وقت ہوتا تو یقیناً اذلان منع کر دیتا' لیکن شدید درد ہونے کی وجہ سے اثبات میں سر ہلا دیا' وفا ایک سائیڈ پر ہو کر بیٹھ گئی اور سر دبانے لگی۔

"وفا! زور سے دباؤ"۔ اذلان نے اس کے ہاتھوں پر دباؤ دیتے ہوئے کہا' وفا کے اندر ایک لہر سی دوڑ گئی' اذلان کے لمس سے۔ وفا اذلان کا سر دباتی رہی اور جب وہ پرسکون ہو کر نیند کی وادی میں چلا گیا تو اسے دیکھنے لگی۔

"کاش تم ایسے ہی تمام عمر میرا ہاتھ تھامے رکھو اور میں ایسے ہی تمہیں دیکھتی رہوں"۔ وفا نے سوچا اور باہر نکل گئی۔

☆

زاہد شاہ اور عمران شاہ دو بھائی تھے دونوں کے رشتے اپنی ماموں زاد کزنوں سے طے تھے۔ جب دونوں کی اکٹھی شادیاں ہوئیں تو زاہد شاہ کا بیٹا پیدا ہوا' جس کا نام انہوں نے اذلان شاہ رکھا اور اس سے چھوٹی بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام انہوں نے دعا رکھا۔ عمران شاہ کے دو بچے تھے سب سے بڑا اذہان شاہ اور اس سے چھوٹی وفا شاہ تھی' دونوں گھروں میں مثالی محبت تھی' اذلان شاہ اور اذہان شاہ دونوں ایم بی اے کر کے اپنا بزنس سنبھال رہے تھے جبکہ دعا اور وفا بی ایس سی کے فائنل ایئر میں تھیں۔

☆

وفا جب سیکنڈ ایئر میں تھی تو پتہ نہیں کیوں اسے اپنا یہ مغرور سا کزن اچھا لگنے لگا تھا۔ آج سے دو سال پہلے جب اذلان کی یونیورسٹی میں فنکشن تھا' اس نے بلیک تھری پیس پہنا تھا اور وفا کے دل نے اس دن اذلان کو دیکھتے ہی ایک بیٹ مس کی تھی اور اس دن کے بعد وفا اکثر ہی اذلان شاہ کو سوچنے لگی تھی' یہ سوچنا کب محبت میں بدلا اسے خود پتہ نہیں چلا' دعا' آنسہ اور ثناء کو اس نے بتایا تو تینوں نے خوب اس کے ریکارڈ لگائے اور کہا کہ تمہیں اذلان شاہ سے محبت ہو گئی ہے۔

☆

"بڑی امی! آج مٹن کے ساتھ بریانی بنا لیتے ہیں اذلان کو بہت پسند ہے"۔ وفا نے کہا تو پاس کھڑی دعا بے وجہ کھانسنے لگی' وفا نے گھور کر دعا کی طرف دیکھا' جو شرارتی نظروں سے وفا کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں بیٹا! بنا لو بریانی"۔ شائلہ بیگم نے کہا۔

"میں خود بناؤں گی اپنے ہاتھوں سے"۔ وفا نے چہکتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم خود بنانا میں ذرا عائشہ کو دیکھوں کیا کر رہی ہے کچن میں"۔ شائلہ بیگم کہتے ہوئے اندر چلی گئیں۔

"اوہو..... بڑا خیال رکھا جا رہا ہے ہمارے بھائی کا"۔ دعا نے اسے چھیڑا۔

"ہمیں تو کبھی پانی تک نہیں پوچھا اور بھائی کے لئے بریانی بنا رہی ہو"۔ دعا نے شرارت سے کہا۔

"منہ دھو رکھو تمہیں کیوں پانی پوچھوں' تم کوئی اذلان تھوڑی ہو"۔ وفا نے شوخی سے کہا۔

"ارے کون اذلان تھوڑی ہے.....؟" اذہان نے کہا۔

"وہ بھیا....." وفا نے بے چارگی سے دعا کی طرف۔

"دراصل یہ کہہ رہی تھی کہ میں اذلان بھائی کی طرح سنجیدہ تھوڑی ہوں"۔ دعا نے کہا تو وفا کی جان

میں جان آئی۔

☆

کھانا لگ چکا تھا اور سب ڈائننگ ٹیبل کے اردگرد بیٹھے تھے' وفا اپنی بریانی کی تعریف سننے کو بے تاب تھی۔

"چھوٹی امی! بریانی کس نے بنائی.....؟" اذلان نے پوچھا۔

"وفا نے بنائی ہے"۔ عائشہ بیگم نے جواب دیا۔

"ارے واہ ہماری بیٹی تو بڑی اچھی کوکنگ کر لیتی ہے"۔ زاہد شاہ نے کہا تو اذلان نے وفا کو ایسے دیکھا جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

☆

"امی! مجھے دیر ہو رہی ہے ڈرائیور چھٹی پر ہے اور دعا کی بچی نے بھی چھٹی کر لی ہے"۔ وفا نے رونی شکل بنا کر کہا۔

"اذلان آفس جا رہا ہے تمہیں کالج چھوڑتا جائے گا' میں اس سے کہہ دیتی ہوں"۔ عائشہ بیگم نے کہا تو وفا کی تو جیسے دل کی مراد بر آئی تھی۔

"جی اچھا امی....." وفا سعادت مندی سے کہا۔

ہارن کی آواز آ رہی تھی' وفا نے جلدی سے کتابیں سمیٹیں اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی' فرنٹ ڈور کھلا ہوا تھا وفا جلدی سے بیٹھ گئی۔ اذلان شاہ نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"دعا نہیں جا رہی تھی تو تمہیں کون سی مصیبت آن پڑی تھی' پہلے کونسا تم نے ٹاپ کر لیا ہے جو اب کرنا ہے"۔ اذلان نے کہا تو وفا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے' وفا نے اذلان شاہ کی طرف دیکھا' اذلان نے بھی وفا کی طرف دیکھا اور پھر پتا نہیں کیوں اس کے آنسو دیکھ کر اسے کچھ ہوا تھا' تبھی کالج آ گیا تھا' وفا اتر گئی تو اذلان نے بھی سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

☆

مس آصفہ آج آئی نہیں تھی اور ان کا پیریڈ فری تھا' وہ تینوں کالج کے پچھلے گراؤنڈ میں آ گئی تھیں۔

"کس کے ساتھ آئی ہو تم.....؟ دعا تو آج آئی نہیں"۔ آنسہ نے پوچھا۔

"اذلان شاہ کے ساتھ"۔ وفا نے جواب دیا۔

"اوہو....." ثناء نے شرارت سے کہا۔

"جی نہیں دعا نے آنا نہیں تھا تو امی نے کہا اذلان شاہ کے ساتھ چلی جاؤ"۔ وفا نے کہا۔

"ہم نے کچھ کہا تم سے"۔ ثناء نے کہا تو وفا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم لوگ"۔ وفا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ تو ثناء نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھا لیا۔

"یار کیا ہو گیا مذاق کر رہے تھے ہم لوگ"۔ ثناء نے کہا۔

"ثناء! میں پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہوں"۔

"وفا! ہمیں یقین ہے اگر تمہاری محبت سچی ہے تو اذلان بھائی کو بھی تم جیت لو گی"۔ آنسہ نے کہا تو وفا خاموش ہو گئی۔

☆

"وفا! میرے خیال میں تمہیں بھائی کو بتانا چاہئے کہ تم ان سے کتنی محبت کرتی ہو"۔ دعا نے کہا تو وفا نے حیرت سے دعا کو دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا میں خود ان سے جا کر بولوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے' اور وہ سب گھر والوں کے سامنے مجھے بے عزت کر دیں"۔ وفا نے غصے سے کہا۔

"وفا! پوری بات تو سن لیا کرو' شروع پہلے ہی ہو جاتی ہو"۔ دعا نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم انہیں اپنی باتوں اپنی حرکتوں سے احساس دلواؤ"۔ دعا نے اسے بڑی اماں کی طرح سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیسے.....؟" وفا نے پوچھا۔

"جیسے ابھی تم بھائی کے لئے چائے بنا کر لے جاؤ گی اور وہ تمہیں بلیک سوٹ میں دیکھ کر مبہوت رہ جائیں

www.Paksociety.com

گئے"۔ دعا نے کہا تو وفا اسے گھور کر رہ گئی مگر اسے اس کا آئیڈیا اچھا لگا تھا تبھی فوراً عمل کرنے چل دی۔

☆

دروازے پر دستک ہوئی تھی اذلان شاہ نے یس کہا تو وفا ہاتھ میں چائے پکڑے اندر داخل ہوئی' اذلان کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا۔

"اذلان! یہ چائے"۔ وفا نے معصومیت سے کہا۔

"مگر میں نے تو نہیں مانگی"۔ اذلان شاہ نے اسی کے انداز میں کہا تو وفا مشکل میں گھر گئی۔

"اوہو..... اچھا یقیناً کسی دوست کے گھر جانا ہوگا' اسی لئے چائے دے رہی ہو' لیکن میں ہرگز اجازت نہیں دوں گا' لاسٹ سیمسٹر ہے پڑھائی پر توجہ دو تم دونوں اور ہاں جاتے ہوئے دروازہ بند کر کے جانا"۔ اذلان نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اسے کہا تو وفا رونی شکل بنا کر باہر آ گئی۔

"وفا! کیا کہا بھائی نے.....؟" دعا نے جلدی سے پوچھا اور وفا نے ساری بات بتا دی جسے سن کر دعا نے ہنسنا شروع کر دیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم دونوں بہن بھائی"۔ وفا نے کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی اٹھ گئی اور دعا پیچھے سے اسے آوازیں لگاتی رہ گئی۔

☆

"افضل بھائی کے بیٹے کی مہندی ہے آج اور سب کو جانا ہے"۔ شائلہ بیگم نے کہا۔

"بڑی امی! مجھے نہیں جانا ہے"۔ وفا نے کہا۔

"اور اگر وفا نہیں جائے گی تو میں بھی نہیں جاؤں گی"۔ دعا نے کہا۔

"بیٹا! تمہارے ابو کے ساتھ بچپن کی دوستی ہے ان کی جانا تو پڑے گا"۔ عائشہ بیگم نے حتمی لہجے میں کہا۔

"امی! دعا کو لے جائیں"۔ وفا نے کہا تو دعا نے گھور کر وفا کو دیکھا اور وفا نے لاپروائی سے منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"چلو اٹھو دعا! تیار ہو جاؤ"۔ عائشہ بیگم نے کہا تو دعا کو مجبوراً چھوٹی امی کی بات ماننی پڑی' اور وہ اٹھ کر تیار ہونے چلی گئی۔

"وفا! اذلان آئے تو اسے کھانا دے دینا"۔ شائلہ بیگم نے کہا تو وفا نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆

سب کو گئے ہوئے تقریباً گھنٹہ ہو گیا تھا اور وفا ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھی تبھی ڈور بیل بجی تھی وفا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے اذلان تھا' وفا سائیڈ پر ہو گئی۔

"آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں"۔ وفا نے کہا اور جیسے ہی نظر اذلان کے بازو پر پڑی تو بے ساختہ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"یہ کیا ہوا ہے.....؟" وفا نے اذلان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا' جہاں سے خون بہہ رہا تھا' اذلان کے جواب دینے سے پہلے ہی اس نے اپنا دوپٹہ پھاڑا اور اذلان کا ہاتھ پکڑ کر پٹی کرنے لگی' وفا نے اذلان کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں درد کے آثار نمایاں تھے' وفا نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا اور اذلان شاہ جو ساکت سا وفا کو اپنے لئے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا بولا۔

"وفا! معمولی سی چوٹ ہے"۔

"یہ معمولی سی چوٹ ہے آپ کم از کم اپنے لئے نہیں تو میرے لئے اپنا خیال رکھ لیا کریں' آپ کو کچھ ہونے سے پہلے ہی میں تو مر جاؤں گی"۔ وفا کے جو منہ میں آیا بول دیا' اذلان ساکت بیٹھا سن رہا تھا' اذلان نے وفا کے آنسوؤں سے تر چہرے کو دیکھا' یہ کیسا اقرار تھا یہ کیسی محبت تھی' جو اس کی معمولی سی چوٹ پر تڑپ اٹھی' اذلان کا دل وفا کے آنسوؤں کے ساتھ قطرہ قطرہ پگھل رہا تھا' اس نے ہاتھ بڑھا کر وفا کے آنسو صاف کئے تھے۔

"وفا! تم....." اذلان بس اتنا ہی بول سکا تھا۔

"ہاں نہیں دیکھ سکتی میں آپ کو تکلیف میں نہیں برداشت ہوتا مجھ سے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر"۔ وفا

کہتے ہوئے باہر بھاگ گئی۔

☆

اس کے لئے آنسو بہاتی ہوئی وفا اسے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی تھی لیکن نہیں شاید اس کی محبت تو پہلے ہی دل کے کونے میں چھپی ہوئی تھی' وہ جو اسے بلاوجہ ڈانٹتا تھا اور پھر آنکھوں میں آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا اور نظریں چرا جاتا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ! وفا مجھ سے اتنی محبت کرتی تھی اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا' وفا میں بھی تم سے محبت کرنے لگا ہوں' لیکن مجھے اس دن کا انتظار ہے' جب میں مکمل تمہارے رنگ میں رنگ جاؤں گا' تو پھر اظہار کروں گا مائی لو"۔ اذلان نے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں تھیں۔

☆

"اذلان! یہ چوٹ کیسے لگی تمہیں.....؟" شام کی چائے پر سب اکٹھے تھے تو عمران شاہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں چھوٹے ابو! معمولی سا ایکسیڈنٹ ہوا تھا"۔

"اذلان! تم اپنا خیال نہیں رکھ سکتے ہو"۔ اذہان نے کہا۔

"اب رکھوں گا تم لوگوں کے لئے"۔ اذلان نے یہ جملہ دانستہ طور پر وفا کو سنانے کے لئے اس کی طرف دیکھ کر کہا تھا' جو چائے لے کر آئی تھی اور اذلان کی بات پر خجل ہو کر اندر چلی گئی تھی۔ اذلان اسے جاتا دیکھ کر ہنستے ہوئے پھر باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔

☆

"وفا! کیا تم نے سچ میں اذلان بھائی سے یہ کہا.....؟" دعا نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"تو اور کیا میں تم سے جھوٹ بول رہی ہوں"۔ وفا نے غصے سے کہا۔

"اوہو..... وہی تو میں کہوں' یہ بھیا آج بار بار وفا کو کیوں دیکھ رہے ہیں"۔ دعا نے شرارت سے کہا۔

"تم نے تو ان کا خون بہتے دیکھ کر 1965ء کی ہیروئن کی طرح بی ہیو کیا ہوگا"۔ دعا نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"شٹ اپ....." وفا نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرانے لگی۔

"دعا! تمہیں ہنسی آ رہی ہے اور میری جان پر بنی ہوئی ہے اگر انہوں نے کسی کو بتا دیا تو میں تو گئی"۔ وفا نے بے چارگی سے کہا۔

"اچھا جب یہ ڈائیلاگز بولے تھے تب احساس نہیں تھا"۔ دعا نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

"دعا تم....." وفا نے بے بسی سے کہا۔

"وفا! مجھے یقین ہے بھائی کسی سے کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ آج میں نے ان کی آنکھوں میں تمہارا عکس دیکھا ہے"۔ دعا نے سنجیدگی سے کہا۔

"دعا! تم میرا دکھ کم کرنے کے لئے مجھے جھوٹی تسلیاں نہ دو"۔ وفا نے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔

☆

سب لوگ ولیمے کے لئے نکل چکے تھے دعا اور وفا کے علاوہ جنہوں نے اذلان شاہ کے ساتھ جانا تھا اور وہ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

"وفا! بھیا ابھی تک آئے کیوں نہیں"۔ دعا نے کہا۔

"مجھ سے تو ایسے پوچھ رہی ہو جیسے مجھے تو ہر کام بتا کر کرتے ہیں"۔ وفا نے بھناتے ہوئے کہا کہ اتنی دیر میں ہارن کی آواز آئی تو دونوں باہر نکلیں اور سامنے ہی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے اذلان شاہ کو دیکھا جو اسکن شرٹ اور بلیک پینٹ میں بہت پیارا لگ رہا تھا' وفا نے بھی بلیک فراک پہنا ہوا تھا۔

"وفا! میچنگ تو بڑی کی ہے' تم دونوں نے"۔ دعا نے سرگوشی کی تو وفا نے گھورنے پر اکتفا کیا وہ دونوں ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگی تھیں جب اذلان کی آواز آئی۔

"ڈرائیور نہیں ہوں تم لوگوں کا ایک آگے آ کر

www.Paksociety.com

بیٹھئے''۔اور یہ کہتے ہوئے فرنٹ ڈور کھول دیا۔
''وفا! تم آگے بیٹھ جاؤ میرے سے نہیں بیٹھا جاتا''۔دعا نے کہا تو مجبوراً وفا کو بیٹھنا پڑا اور اذلان نے گاڑی اسٹارٹ کردی' اذلان شاہ نے سرسری سا وفا شاہ کی طرف دیکھا تھا' جو بلیک فراک میں بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔
''یہ ہے ہی اتنی خوبصورت یا مجھے لگ رہی ہے''۔ اذلان نے سوچا اور ٹیپ ریکارڈر آن کردیا۔
''تیرا ہونے لگا ہوں
جب سے ملا ہوں''
وفا بے خیالی میں اذلان شاہ کو دیکھے جارہی تھی۔
''اگر میرا جائزہ لے لیا ہو تو میرج ہال آ گیا ہے''۔اذلان شاہ نے کہا تو وفا چونک گئی اور جب اپنی بے خیالی یاد آئی تو خجل سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی دعا جو ساری کارروائی دیکھ رہی تھی بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کرتی گاڑی سے اتری تھی' اور وفا نے بھی دعا کی پیروی کی تھی۔
''دعا! تم کیوں ہنس رہی ہو.....؟'' وفا نے اپنی شرمندگی مٹانے کو پوچھا۔
''کچھ نہیں ایسے ہی''۔دعا نے ہنستے ہوئے جواب دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وفا جانتے بوجھتے انجان بن رہی ہے' وفا جب سے میرج ہال میں داخل ہوئی تھی کسی کی نظروں کی تپش اسے مسلسل محسوس ہو رہی تھی اس نے مڑ کر دیکھا تو سامنے ایک لڑکے کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو اس نے غصے سے دوسری طرف منہ کرلیا' اذلان شاہ جو وفا کی طرف ہی دیکھ رہا تھا اس نے بھی اس سمت دیکھا جہاں وفا دیکھ رہی تھی اور اس سے بھی برداشت نہیں ہوا کہ کوئی وفا کی طرف دیکھے۔
''وفا! میری بات سنو''۔اذلان شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔
''جی''۔وفا نے کہا۔
''میرے ساتھ گھر چلو''۔وفا نے سوالیہ نظروں سے دعا کو دیکھا جس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کندھے اچکا دیئے۔
''دعا! امی کو بتا دینا' وفا میرے ساتھ گھر گئی ہے''۔ اذلان نے دعا سے کہا اور وفا کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا اور گاڑی میں بٹھا دیا' وفا ایک ٹرانس کی کیفیت میں تھی' ہوش تو تب آیا جب گھر آ چکا تھا۔
''نیچے اترو''۔ اذلان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے چونک کر اذلان کو دیکھا اور پھر نیچے اتر گئی اور اندر چلی گئی' وفا ناسمجھی کی کیفیت میں بیٹھی تھی' جب اذلان شاہ بھی ڈرائنگ روم میں آ گیا' وفا نے سوالیہ نظروں سے اذلان کو دیکھا جیسے وجہ جاننا چاہتی ہو' اذلان شاہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا تھا تبھی بولا۔
''تمہیں کس نے کہا تھا اتنا میک اپ کر کے جاؤ''۔ اذلان شاہ نے کہا' تو وفا کو لگا شاید وہ پاگل ہو گیا ہے' جو یہ پوچھنے کے لئے اسے گھر لایا ہے۔
''آپ یہی پوچھنے کے لئے مجھے وہاں سے لائے ہیں.....؟'' وفا نے سادگی سے پوچھا تو اذلان شاہ کو بے ساختہ اس کی معصومیت پر پیار آیا تھا اور پھر شرارت سے بولا تھا۔
''نہیں میں یہ پوچھنے کے لئے تمہیں ساتھ لایا ہوں کہ تم اتنی پیاری کیوں ہو.....؟'' اذلان شاہ نے کہا' تو وفا نے حیرت سے اسے دیکھا' اسے یقین ہو گیا تھا اذلان شاہ پاگل ہو گیا۔
''کیا مطلب.....؟'' وفا نے کہا تو اذلان کو ہنسی آ گئی وفا کے پوچھنے کا انداز ایسا تھا جیسے اسے اپنی خوبصورتی کا یقین نہ ہو۔
''مطلب بھی سمجھ آ جائے گا کل تمہیں''۔اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور وفا اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی۔

☆

وفا صبح اٹھی تو اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

جیسے اس سے کچھ چھپایا جارہا ہو' وفا نے دعا سے پوچھنے کی کوشش کی' لیکن دعا نے کام زیادہ ہونے کا رونا رو کر اپنی جان چھڑوالی' آخر کار وفا نے دوپہر کے قریب دعا کو پکڑ ہی لیا۔
''دعا! کیا ہے یہ سب کچھ تم لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو ناں.....؟'' وفا نے کہا۔
''ارے نہیں تو' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے''۔دعا نے کہا۔
''دعا! سچ بتاؤ کیا بات ہے.....؟''
''وفا! وہ تمہارا نکاح ہے آج''۔ دعا نے بڑے آرام سے اس کے گرد دھماکا کیا تھا' وفا نے ناسمجھی کے عالم میں دعا کو دیکھا۔
''کیا مطلب.....؟''
''ایک تو تم مطلب بہت پوچھتی ہو''۔دعا نے کہا۔
''لیکن کس کے ساتھ.....؟'' وفا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے اس کی زندگی کا فیصلہ اسے ایسے سنایا جارہا تھا جیسے کسی اور کی بات ہو۔
''اذلان بھائی کے ساتھ''۔دعا نے کہا تو اسے پہلے تو یقین نہیں آیا لیکن پھر بولی۔
''بڑی امی نے انہیں مجبور کیا ہوگا' لیکن مجھے محبت خیرات میں نہیں چاہئے اس طرح حاصل کرنے سے اچھا ہے میں انہیں حاصل ہی نہ کروں''۔ وہ روانی میں بولے جارہی تھی' اسے پتہ ہی نہیں چلا کب دعا کمرے سے نکل گئی تھی اور اذلان کمرے میں آیا تھا' اس نے مڑ کر دیکھا تو دعا کی جگہ سامنے اذلان شاہ کو دیکھ کر اس کی بولتی بند ہو گئی۔
''ہاں' ہاں بولو تم کیا کہہ رہی تھیں مجھے محبت بھیک میں نہیں چاہئے' اس کا مطلب تم مجھ سے محبت کرتی ہو''۔ اس نے وفا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا' جو آنسوؤں سے لبالب بھر گئی تھیں اور اذلان شاہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔
''وفا! پلیز آنسو صاف کرو' اپنا دیوانہ تو پہلے ہی بنالیا ہے' اب کیا مارنے کا ارادہ ہے''۔اذلان شاہ نے کہا تو اس کی مرنے والی بات پر وفا نے فوراً آنسو صاف کئے تھے' اس کی اس حرکت پر اذلان شاہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا اور وفا نے جھینپ کر رخ موڑ لیا تھا' اذلان نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف موڑا تھا اور ایک جذب کے عالم میں بولا۔
''وفا! آئی لو یو''۔اور وفا اس کا یا پلٹ پر حیران تھی۔
''جی نہیں آپ میری اتنی انسلٹ کرتے تھے''۔ وفا نے شکوہ کیا۔
''میں اپنی محبت کو چھپانے کے لئے ایسا کرتا تھا''۔
''ٹھیک ہے پھر پرامس کریں آئندہ مجھے ڈانٹیں گے نہیں''۔
''اچھا بابا پرامس''۔ اور وفا کھلکھلا کر ہنس دی اور بولی۔
''لیکن یہ نکاح والا کیا قصہ ہے''۔
''ہاں آج نکاح ہے ہمارا کل ہم شادی پر گئے تھے تو تمہیں کوئی بڑا گھور گھور کر دیکھ رہا تھا اور مجھ سے برداشت نہیں ہوا' تو تمہیں ساتھ گھر لے آیا اور رات ہی کو امی کو صاف صاف بتا دیا کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں اور کل ہی نکاح کرنا چاہتا ہوں تو امی نے چھوٹی امی سے اور چھوٹے ابو سے بات کی اور انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا' اتنے ہونہار لڑکے کے رشتے سے جوان کی پاگل بیٹی کو اپنانا چاہتا تھا' لیکن انہوں نے جب تم سے بات کرنے کو کہا تو دعا نے انہیں مطمئن کردیا۔
''اس دعا کی بچی کو میں چھوڑوں گی نہیں''۔ وفا نے کہا تو اذلان شرارت سے بولا۔
''شرم کرلو اپنے ہونے والے شوہر کے سامنے کسی اور کو نہ چھوڑنے کی باتیں کر رہی ہو لیکن فی الحال تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا''۔ اذلان نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو وفا ہاتھ چھڑا کر باہر بھاگ گئی تو اذلان نے زور سے قہقہہ لگایا۔

☆

www.Paksociety.com

سباس گل

قسط نمبر 14۔

سلسلے وار ناول

اعتبارِ عشق

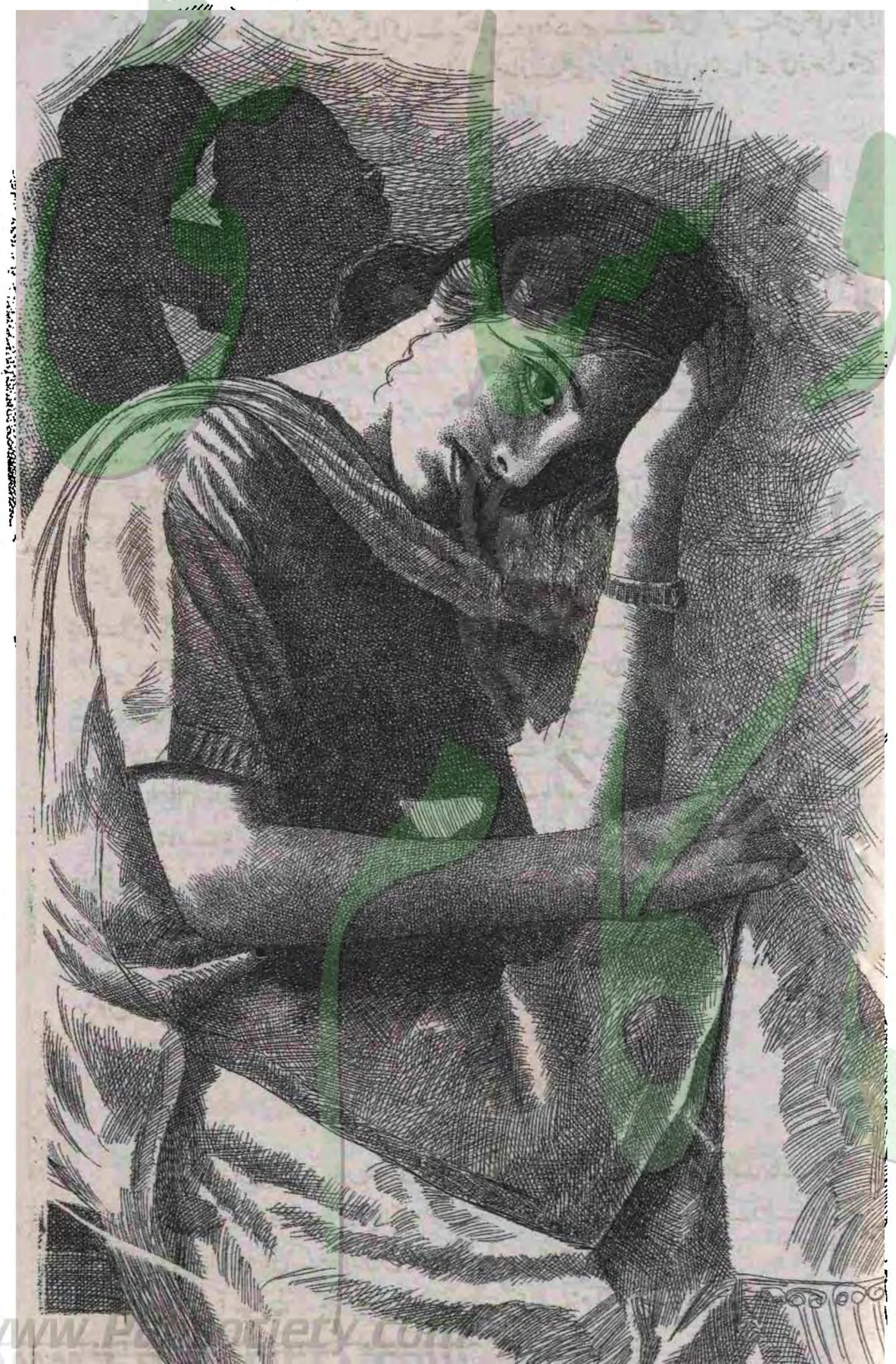

''وقت اور حالات کی کسے خبر ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے نفیس! کہ ہم جس کو دیکھے بغیر ایک لمحہ نہیں گزار سکتے' اس کے بغیر ایک عرصہ گزارنا پڑتا ہے''۔ نفیس کی سماعتوں میں عینی کی مدھم اور نرم آواز اپنی تمام تر حلاوتوں کے ساتھ گونجی۔

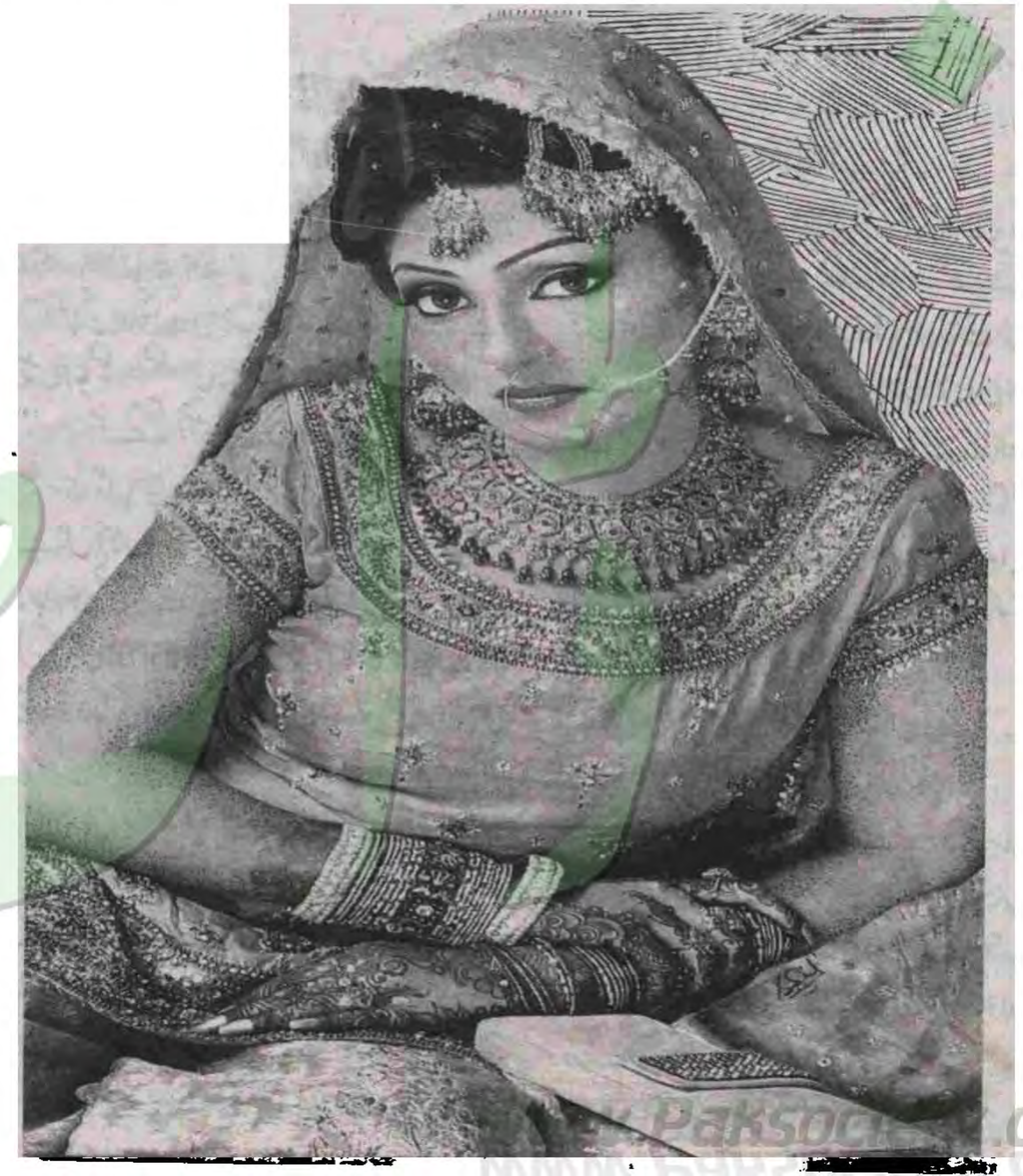

www.Paksociety.com

"واقعی عینی! مجھے حالات کی خبر نہیں تھی اسی لئے یہ تکلیف دہ وقت میرے حصے میں آ گیا ہے لیکن عینی جانو! اب تو تین ماہ ہونے کو ہیں اور تین ماہ کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا' اب تمہارے بغیر گزر نہیں ہوتی جاناں! میری زندگی پلیز لوٹ آؤ"۔ نفیس نے اسے اپنے سامنے محسوس کرتے ہوئے با آواز کہا۔

لوٹ آ اب کے بن تیرے جاناں!
زندگی بہت اداس لگتی ہے!!!

رات بھر وہ بے کلی سے کروٹیں بدلتے رہے۔ آج وہ عینی کے کمرے میں اس کے بیڈ پر اس کی جگہ پر سونے کے لئے لیٹے تھے مگر نیند اس کی یادوں نے چھین لی تھی۔ وہ آنکھیں بند کرتے تو انہیں محسوس ہوتا کہ عینی ان کے سینے پر سر رکھے سو رہی ہے' جونہی اس احساس میں گھر کر آنکھیں کھولتے عینی انہیں اپنے سامنے کھڑی دکھائی دیتی' وہ اسے پکڑنے کے لئے دیوانوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوتے تو انہیں لگتا کہ وہ اپنی سڈول کلائیوں کی بانہیں ان کے گلے میں ڈالے کھڑی مسکرا رہی ہے۔ وہ اس کے چہرے کو چھونے کے لئے ہاتھ بڑھاتے تو یہ خیالی پیکر غائب ہو جاتا اور وہ بہت بے قرار ہو کر تڑپ اٹھتے۔

"عینی! میری دیوانگی تم سے پوشیدہ نہیں ہے پلیز مجھے دنیا کے سامنے دیوانہ نظر آنے سے بچالو' مجھے بچالو عینی! اپنے نفیس کو بچالو پلیز عینی' ان خیالوں کو حقیقت کا رنگ پہنادو"۔ نفیس نے اس کی تصویر کو دیکھتے ہوئے بھیگتی آواز میں کہا' آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر عینی کی تصویر بھگوتے رہے۔ یونہی چند دن اور گزر گئے نفیس نے خود کو اپنے بزنس میں بے حد مصروف کر لیا تھا لیکن عینی کی یاد سے پیچھا چھڑانے میں ناکام رہے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر اسے سارے شہر میں ایئرپورٹ' ریلوے اسٹیشن' ایدھی سینٹر غرض یہ کہ ہر اس جگہ تلاش کیا جہاں انہیں محسوس ہوا کے وہ وہاں ہو سکتی ہے لیکن وہ کہیں نہیں ملی نہیں۔ انہوں نے اسلام آباد کے اس پی سی او کا خود ایک دن کے لئے اسلام آباد جا کر پتہ کیا تھا عینی کے فون کی تصدیق تو انہوں نے خود بھی اپنے ٹیلی فون آپریٹر سے کر لی تھی' اس کی آواز وہ فوراً پہچان گئے تھے اس کے لہجے میں جو درد اور تڑپ تھی وہ ان سے چھپی نہیں رہ سکی تھی لیکن ان کی اسلام آباد جانے کی جستجو بھی ناکام ہو گئی تھی۔ پی سی او کے مالک نے انہیں یہ کہہ کر مایوس کر دیا تھا۔

"سر! ہمارے پاس تو روزانہ سینکڑوں لوگ ٹیلی فون کرنے آتے ہیں' ہم ان سے اُن کا نام پتہ تو نہیں پوچھتے' جن بی بی کا آپ پوچھ رہے ہیں وہ پرسوں کراچی کی کال کے لئے آئی تھیں مگر ہم انہیں پہچان نہیں سکتے' نہ بتا سکتے ہیں کے وہ کون تھیں اور کہاں رہتی ہیں؟ کیونکہ انہوں نے نقاب کر رکھا تھا"۔

اور نفیس بے بسی کے عالم میں وہاں سے چلے آئے تھے' لیکن آنے سے پہلے انہوں نے اسلام آباد کے ہوٹلوں' سڑکوں اور ہوسٹلوں میں بھی عینی کو تلاش کیا تھا اور خالی ہاتھ لوٹ آئے تھے۔

تیری جستجو مجھے شہر شہر لئے پھری
اور تیری جگہ تھکن واپسی پہ ساتھ چلی

☆

"حمید صاحب! یہ کاریگروں اور ہنرمندوں کی محنت ہی ہے جو ہماری ساکھ بیرون ملک بنائے ہوئے ہیں' ان کو ان کی محنت کی اجرت کے ساتھ ساتھ اچھا کام کرنے پر انعام بھی ضرور ملنا چاہیے' انہی کے دم سے تو یہ فیکٹریاں آباد ہیں' چل رہی ہیں اور کامیابی کے معیار کو دن بدن بلند کرتی جا رہی ہیں"۔

"بجا فرمایا سر آپ نے"۔ منیجر حمید نے کہا' اسی وقت نفیس کے موبائل کی بیپ ہوئی۔ نفیس نے منیجر حمید کے ساتھ اپنے آفس میں داخل ہوتے ہوئے موبائل آن کیا۔

"ہیلو نفیس اسپیکنگ"۔ نفیس نے موبائل کان سے لگا کر کہا' دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"ہیلو"۔ نفیس کرسی پر بیٹھتے ہوئے دوبارہ بولے تو ان کی نظر ٹیبل پر رکھے سرخ گلابوں کے بوکے پر پڑی' وہ چونک گئے۔ ان کا دھیان عینی کی طرف گیا۔

"ہیلو"۔ نفیس نے بے قرار ہو کر کہا اسی وقت لائن کٹ گئی۔ نفیس کے موبائل کی اسکرین پر نمبر موجود تھا' انہوں نے نمبر فوراً کاغذ پر لکھا' پھر اپنی پاکٹ ڈائری پر نوٹ کیا ان کے ہاتھ میں عینی کا دیا ہوا قلم تھا جو ہر وقت آفس میں ان کے کوٹ کی جیب میں لگا رہتا تھا' اس وقت تو نفیس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"حمید صاحب! یہ نمبر لیں اور مجھے فوراً اس کا ایڈریس ٹریس کر کے بتائیں"۔ نفیس نے کاغذ اٹھا کر منیجر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"Ok سر"۔ منیجر حمید نے کاغذ لے کر کہا۔

"اور ہاں یہ بوکے یہاں کون رکھ گیا ہے؟" نفیس نے بوکے پر لگی Q-N کی چٹ دیکھتے ہوئے بوکے اٹھا کر پوچھا۔

"سر! کوریئر سروس والا تھا شاید"۔

"اوکے پلیز آپ اس نمبر کا ایڈریس فوراً ڈھونڈ کر لائیں"۔

"بہتر سر!" منیجر حمید کمرے سے باہر نکل گئے تو وہ بوکے لے کر بے قراری سے آفس کے کمرے میں ٹہلنے لگے۔ عینی کی پیار بھری دلنشیں آواز ان کے کانوں میں آ رہی تھی۔

"تم سرخ گلابوں کو جب بھی پاتا
تو یہی سمجھنا کہ
میں نے تم کو پیار بھیجا ہے"

"عینی میری جان! مجھے سرخ گلابوں کی نہیں تمہاری ضرورت ہے' تم آ جاؤ جان' تم آ جاؤ"۔ نفیس نے سرخ گلابوں پہ لگی اس کے نام کی چٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیجیے سر! یہ فون نمبر رشاہائی اسکول اسلام آباد کا ہے' یہ ایڈریس بھی میں نے لکھ دیا ہے"۔ منیجر حمید کاغذ لئے آفس میں داخل ہوئے اور ان کی جانب کاغذ بڑھاتے ہوئے بتایا تو انہوں نے وہ ایڈریس اپنی پاکٹ ڈائری میں نوٹ کر لیا۔

"تھینک یو ویری مچ حمید صاحب"۔

"یو آر ویلکم سر!"

"حمید صاحب! آپ اسلام آباد کے لیے میری سیٹ بک کرا دیں' جو بھی پہلی فلائٹ جائے کوشش کریں کہ مجھے اس میں سیٹ مل جائے' پلیز فوراً"۔

"بہت بہتر سر! میں ابھی سیٹ بک کرا دیتا ہوں۔ سر! کوئی پریشانی ہے کیا؟ خیریت تو ہے ناں سر؟" منیجر حمید نے ان کے چہرے سے عیاں بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے خلوص سے پوچھا تو انہوں نے سنجیدہ اور نرم لہجے میں کہا۔

"دعا کیجیے حمید صاحب! جو پریشانی ہے وہ ختم ہو جائے' سب خیریت ہو اور میں جس مقصد کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں وہ مقصد کامیاب ہو"۔

"آمین' انشاء اللہ سر! آپ ضرور خوشی خوشی اور کامیابی کے ساتھ واپس لوٹیں گے"۔ منیجر حمید نے دل سے کہا۔

"تھینک یو"۔ نفیس نے مسکرا کر کہا اور ان کے جاتے ہی گھر فون کر کے کنول کو اپنا سوٹ کیس تیار کرنے کا کہہ کر بوکے پر نظریں جما لیں۔ ان کا ذہن یہی سوال سوچ رہا تھا۔

www.Paksociety.com

''یعنی اسلام آباد میں کس کے پاس ہے' وہاں کون ہے اس کا؟''
''سر! آپ کی سیٹ کنفرم ہوگئی ہے رات آٹھ بجے کی فلائٹ ہے''۔ منیجر حمید نے آ کر بتایا۔
''او کے تھینک یو ویری مچ''۔ نفیس نے مسکرا کر جواب دیا۔

☆

بلیک ٹراؤزر' میرون شرٹ پر بلیک لیڈیز کوٹ پہنے' پاؤں میں بلیک لیڈیز شوز پہنے ہوئے تھے اس نے۔ ہیئر اسٹائل اسٹیپ اینڈ لیئر مکس کٹنگ کے ساتھ اس کے چہرے کو بہت منفرد اور حسین بنا رہا تھا' ہاتھ میں بلیک رنگ کا ہینڈ بیگ اٹھائے تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اپنے مطلوبہ کلاس روم کی طرف جا رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ اسے دیکھ کر چونک سے گئے تھے مگر دوسرا پل انہیں اس کی پہچان کا رنگ دکھا گیا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ اسے نہ پہچانتے' اسے اپنی زندگی کو اپنی محبت کو اپنی کائنات کو' وہ تو ان کی رگ رگ میں خون بن کر دوڑ رہی تھی۔
''ایکسکیوزمی بیٹے! ایک منٹ بات سنئے''۔ انہوں نے قریب سے گزرتے ایک بچے کو آواز دے کر کہا۔
''جی انکل فرمائیے''۔ بچے نے مسکراتے ہوئے ان کے چہرے کو دیکھا۔
''بیٹے! یہ ٹیچر جو کلاس روم میں گئی ہیں کیا نام ہے ان کا؟''
''وہ ان کے چہرے سے جو دکھائی دیتی ہے''۔ بچے نے بہت خوشگوار موڈ میں کہا۔
''کیا دکھائی دیتی ہے؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''روشنی''۔ اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
''ان کا نام روشنی ہے''۔
''روشنی تو وہ ہے پیار اور اعتبار کی روشنی' وقار کی روشنی''۔ انہوں نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔
''میں جاؤں انکل؟'' بچے نے پوچھا تو انہوں نے پیار سے پوچھا۔
''جی بیٹے! یہ بتائیے کہ یہ مس روشنی آپ کو کب سے پڑھا رہی ہیں؟''
''ابھی دو مہینے پورے نہیں ہوئے' مجھے بہت اچھی لگتی ہیں مس روشنی' میرا دل چاہتا ہے کہ میں ساری زندگی ان ہی سے پڑھتا رہوں''۔ وہ بچہ کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آ رہا تھا روشنی سے۔
''ہیں..... ہیں بیٹے! ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے' کون سی کلاس میں پڑھتے ہیں آپ؟'' انہوں نے ہنس کر پوچھا تو اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
''کلاس فورتھ میں پڑھتا ہوں میں اور میرا نام حارث رضا ہے''۔
''ماشاء اللہ بہت پیارا نام ہے آپ کا' جیتے رہو بیٹا! بس مجھے اتنا بتا دیجیے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ مس روشنی کہاں رہتی ہیں؟'' انہوں نے اس کا گال پیار سے چھوتے ہوئے پوچھا۔
''جی انکل! مس روشنی وہ سامنے والے بنگلے کے ساتھ جو بنگلہ ہے ناں سفید گیٹ والا وہاں رہتی ہیں''۔ حارث رضا نے بتایا۔
''عباس ولا'' ہے وہ تو''۔ انہوں نے آتے ہوئے دیکھا تو نام ذہن میں رہ گیا۔
''جی انکل! یہ اسکول سر عباس کا ہی تو ہے اور مس روشنی بھی انہیں انکل کہتی ہیں''۔ حارث رضا نے مزید بتایا۔
''حارث بیٹا! آپ کا بہت بہت شکریہ' خوش رہیے' اللہ تعالیٰ آپ کو بہت ساری کامیابیاں عطا فرمائے' یہ لیں چاکلیٹ''۔ انہوں نے اس کا گال چوم کر کہا اور اپنے کوٹ کی جیب میں سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکال کر دے دیا۔

تھینک یو انکل! اللہ حافظ''۔ حارث رضا نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا اور چاکلیٹ لے لی۔
''اللہ حافظ بیٹا''۔ وہ سن گلاسز لگا کر اسکول کی عمارت سے باہر چلے آئے۔

☆

''اُف کس قدر سردی ہے' ہیٹر کے ساتھ بھی کوئی مسئلہ ہوگیا ہے چل ہی نہیں رہا' شاید تار میں گڑبڑ ہوگئی ہے' میں دوسری تار لگا کر دیکھتی ہوں ورنہ رات کیسے کٹے گی' کمرہ تو گرم ہو جائے پھر بند کر دوں گی ہیٹر''۔ اس نے لائٹ گرے کلر کا پل اوور پہنتے ہوئے کہا' پھر جرابیں پہنیں' رات کے پونے دس بج رہے تھے' باہر گہری دھند چھائی ہوئی تھی' اسے لاؤنج میں آہٹ سنائی دی تو وہ اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوئی۔ اسے کوئی شخص کھڑا دکھائی دیا' اس کی پشت اس کی جانب تھی اس لیے وہ پہچان نہ سکی کہ کون ہے؟ لیکن ڈر بھی گئی تھی کہ اس وقت اُس کے گھر میں کون آ سکتا تھا' وہ بھی بغیر اجازت لیے۔
''کون ہیں آپ؟'' اس نے پُراعتماد لہجے میں پوچھا' مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ گھبرا گئی۔ لہجے کو سپاٹ رکھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔
''میں نے آپ سے پوچھا ہے مسٹر! کون ہیں آپ؟ اور بغیر اجازت کے میرے کمرے میں کیسے داخل ہوئے؟'' اس کی مسلسل خاموشی سے وہ خوفزدہ ہوگئی' اس کی نظر ٹیبل پر رکھے فروٹ کٹر پر پڑی اس نے وہی اٹھا لیا اپنی حفاظت کے خیال سے اور اس کی طرف اس کا رخ کر لیا۔
''مسٹر! آپ کون ہیں؟ کیوں آئے ہیں بغیر اجازت کے میرے کمرے میں؟'' اس نے غصیلے اور تیز لہجے میں پوچھا تو وہ اس کے سامنے چلے آئے۔
''کیا تمہارے کمرے میں آنے کے لیے مجھے تم سے اجازت لینے کی ضرورت ہے؟'' نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا' وہ حیرت سے ان کا چہرہ تکے جا رہی تھی' اس کا ہاتھ جوں کا توں اٹھا رہ گیا تھا' زبان گنگ ہوگئی تھی۔
''یعنی! میں تمہارا مجرم ہوں' مارو مجھے یہ کٹر میرے سینے میں اتار دو کہ میری وجہ سے ہی تم اس حال کو پہنچی ہو' میرے حوالے نے بہت دکھ دیئے ہیں تمہیں' بہت رُلایا ہے نا میں نے تمہیں' تمہارا دل ٹوٹا ہے' روح زخمی ہوئی ہے صرف میری وجہ سے' پلیز کچھ بولو یعنی! مجھے مارو یعنی!'' نفیس نے اس کے شانوں کو تھام کر پُرنم آواز میں کہا تو اس کے ہاتھ سے کٹر چھوٹ کر نیچے گر گیا اور اس کا ہاتھ بھی بے جان ہو کر پہلو میں آ گرا' ان کا لمس اسے ہوش میں لے آیا اور اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے ان کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیئے۔
''یعنی!'' نفیس نے تڑپ کر اسے دیکھا۔
''آئی ایم ناٹ یعنی' مائی نیم از روشنی..... اینڈ آئی ڈونٹ نو ویٹ ہو آر یو؟'' یعنی نے بہت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ بے چین ہو گئے۔
''یعنی! ایسا مت کہو تم یعنی ہو' میری یعنی..... میری آنکھوں کی روشنی ہو' آنکھوں کی ٹھنڈک ہو' نام' لباس اور زبان بدلنے سے کیا دل بدل سکتا ہے' کیا روح تبدیل ہو سکتی ہے یعنی؟'' انہوں نے تڑپتے ہوئے کہا۔
''میں یعنی نہیں ہوں پلیز جائیے یہاں سے''۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''میں تو جہاں سے بھی چلا جاتا لیکن تمہاری دعاؤں نے مجھے بچا لیا''۔ نفیس نے نرم لہجے میں کہا تو اس نے تڑپ کر انہیں دیکھا' اس کی آنکھوں کی تڑپ نفیس سے چھپی نہیں رہ سکی تھی' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔
''تم یعنی نہیں ہو تو یہ رونمائی کی انگوٹھی تمہارے ہاتھ کی انگلی میں کیسے آ گئی' یہ تو میں نے اپنی یعنی کو پہنائی تھی''۔ نفیس نے

www.Paksociety.com

اس کی انگلی میں چمکتی انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے رخ پھیر لیا۔ اس کے گلے میں نفیس کی پہنائی ہوئی سونے کی زنجیر اپنی موجودگی کا نظارہ کرانے لگی تو نفیس نے لاکٹ اس کے پل اوور سے باہر نکال کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر تم نفیس کی عینی نہیں ہو تو یہ کس کا پیار ہے جو اب تک تمہارے گلے سے لپٹا ہوا ہے''۔

''یہ کسی کا پیار نہیں ہے نفرت ہے مجھے آپ سے' جائیے یہاں سے''۔ وہ چیخ کر روتے ہوئے بولی تو انہوں نے محبت سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''نفرت تو تمہیں مجھ سے کبھی ہو ہی نہیں سکتی' نفرت ہوتی تو مجھے اسپتال میں سرخ گلابوں کا تحفہ نہ بھجواتیں' گھر فون کر کے میری خیریت نہ معلوم کرتیں''۔

''میں نے کب فون کیا؟'' وہ سٹپٹا کر بولی۔

''کیا تم نے فون نہیں کیا تھا' تمہارا کل کا فون ہی تو مجھے یہاں تک لایا ہے' کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا میں نے تمہیں اور تم ہو کے مجھ سے نفرت کا اظہار کر رہی ہو' کیوں ظلم کر رہی ہو اپنے آپ پر' کل تو تم نے مجھے اپنا پیار بھیجا تھا سرخ گلابوں کی صورت میں' بھیجا تھا ناں عینی؟'' نفیس نے بہت محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''نفیس!'' وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی اور دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔ نفیس نے اس کے چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹائے تو ان کے سینے میں چہرہ چھپا کر بلکنے لگی۔ نفیس بھی آج اپنے آنسو اس کے ساتھ شیئر کر رہے تھے۔ ان کی زندگی' ان کی محبت انہیں مل گئی تھی' ان کا دل شکر کے سجدے ادا کر رہا تھا۔

''عینی جانو! میں تمہیں لینے آیا ہوں' چلو گی نا میرے ساتھ؟'' ان کے آنسو تھمے تو انہوں نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں بھر کر پیار سے پوچھا تو وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔

''نہیں..... میں اب وہاں نہیں جاؤں گی' آپ جائیں میں یہاں خوش ہوں''۔

''میرے بغیر تم یہاں خوش ہو عینی! ذرا میرے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ بات کہو''۔ ان کا سوال سنتے ہی انہیں یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے پیچھے آنسوؤں کی اور بھی صراحیاں تھیں جو سوال سنتے ہی الٹ گئی تھیں اور یہ آنسو اس کا چہرہ دھوئے جا رہے تھے' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ کے دل کا حال بھی معلوم ہے اور اپنے دل کی کیفیت بھی جانتی ہوں' لیکن نفیس! میں اس گھر سے جس طرح نکالی گئی تھی' جو کچھ میرے ساتھ وہاں ہوتا رہا' میں وہ سب دوبارہ جھیلنا نہیں چاہتی۔ آپ کو کیا معلوم کہ میں کس اذیت سے گزر رہی ہوں' کتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں میں نے''۔

''عینی! مجھے اندازہ ہے جانو''۔ وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولے۔

''نہیں آپ اندازہ نہیں لگا سکتے' آپ کو کیا معلوم کہ اس گناہ کی اذیت کیسی ہوگی جو آپ نے کیا ہی نہ ہو' اس جرم کا احساس کیسا ہوگا جو آپ سے سرزد ہی نہ ہوا ہو' کیسے گناہ' کیسے جرم اور الزام میں میرے پاکیزہ کردار پر لگائے گئے' کیسی کیسی تہمتیں مجھ پر دھری گئیں' آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں کس اذیت اور عذاب سے گزری ہوں گی۔ نہیں نفیس! میں اس گھر میں وہاں نہیں جاؤں گی جہاں میرے کردار کو داغدار کیا گیا''۔ وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

''عینی! میں نے تو یقین نہیں کیا تھا ان تصویروں پر' کنول اور سلمیٰ آنٹی کی باتوں پر' میرا کیا قصور ہے جانو! مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟'' وہ تڑپ کر پُرنم لہجے میں بولے۔

''نہ آپ کا قصور تھا نہ میرا' تو بتائیے کس کا قصور تھا؟ کنول آپا پر تو آپ کو بہت اعتبار تھا شاید مجھ سے بھی زیادہ۔ آپ نے تو کہا تھا کہ تمہارے ظرف کی بات ہے' بتائیے نفیس! میں نے کہاں کم ظرفی دکھائی تھی جو مجھے یہ انعام دیا گیا'

آپ نے کہا تھا کہ تم اپنوں کے بیچ ہو' کنول آپا پر اعتبار تھا آپ کو اور آئندہ مجھے کچھ کہنے سے منع کر دیا تھا۔ میں نے کچھ نہیں کہا تھا' چپ چاپ ان کے ظلم سہتی رہی' ان کی ہر زیادتی پر خاموش رہی کہ مجھے آپ کا پیار اور اعتبار حاصل تھا لیکن آپ خود سے کچھ بھی نہ دیکھ سکے' کچھ بھی نہ سمجھ سکے''۔

''آئی ایم سوری عینی!'' نفیس نے بے بسی اور شرمندگی سے کہا۔

''میرے اعتبار کا خون ہوا ہے' تم سمجھ سکتی ہو کہ میں کس کرب سے گزرا ہوں گا' میرے دل کا کیا حال ہوا ہے تمہارے جانے کے بعد' تم جانتی ہو عینی! ان کی باتوں پر یقین کر لیتا تو یوں مارا مارا نہ پھرتا تمہاری تلاش میں۔ دو رہ کر اب تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ میں تمہارے بغیر موت کے دہانے پر پہنچ جانے کا جو دعویٰ کیا کرتا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ عینی! کنول نے مجھ سے معافی مانگ لی ہے اور میرے پاس اسے معاف کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا' اس نے احساسِ ندامت میں گھر کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں بروقت پہنچ گیا اور وہ..... ایک اور جرم کرنے سے بچ گئی' وہ بہت نادم ہے اپنے کیے پر' تم سے بھی معافی مانگنا چاہتی ہے' اس نے یہ سب کچھ میری محبت میں کیا تھا' مجھے کسی اور کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی' کچھ اس کی ممی نے اسے تمہارے خلاف بھڑکایا تھا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا اس کی تلافی تو نہیں ہو سکتی لیکن معافی تو مل سکتی ہے ناں اسے''۔ نفیس نے نرم' مدھم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کتنی جلدی اور کتنی آسانی سے آپ نے انہیں معاف کر دیا' آپ کے لیے تو یہ اعزاز ہی بہت ہے کہ انہوں نے آپ کی محبت میں مجھ سے عداوت کی' مرد کے لئے یہی بات اہم ہوتی ہے نا کہ اس کی بیوی اس کی محبت میں سب کچھ کر سکتی ہے اور اس کے اس عمل پر اس کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں''۔ عینی نے تلخی سے کہا۔

''عینی! یہ بات نہیں ہے جان..... مجھے بتاؤ میں کیا کرتا' تم نے جس گھر کی عزت بچانے کے لیے وہ گھر چھوڑنا ضروری سمجھا' میں اس گھر کی عزت کیسے داؤ پر لگا دیتا' میرا دل تو چاہا تھا کہ کنول کو شوٹ کر دوں یا اسے طلاق دے دوں لیکن جانو! میں ایسا نہیں کر سکتا تھا' مجھے جوش اور جذبات میں آ کر نہیں سوچنا تھا' سمجھ اور شعور کے مطابق فیصلہ کرنا تھا' میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے چلی جائے لیکن وہ نہیں گئی' احساس جرم اور احساسِ ندامت نے اسے جانے نہیں دیا۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے' اس طویل رفاقت کے بعد میں اسے طلاق دے دیتا تو لوگ تو یہی کہتے ناں کہ میں نے عینی کی وجہ سے کنول کو طلاق دی ہے۔ میں تم پر کوئی الزام نہیں آنے دینا چاہتا تھا' مجھے کنول کی دس گیارہ برس کی خدمتوں اور چاہتوں کا بھی خیال تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ میرے بچوں کی ماں ہے' میں اسے طلاق دے کر اپنے بچوں کو ماں سے محروم نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی شخصیت کو مسخ ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا عینی! تم بھی تو بچوں کی وجہ سے خاموش رہتی تھیں' اس میں ان معصوموں کا کیا قصور تھا جو انہیں ماں سے محروم کر دیتا۔ کنول نے میرا دل توڑا' میرا دل دکھایا' سچ کہتا ہوں اس کے اس عمل سے میرا دل اس کی محبت سے خالی ہو گیا ہے' اب میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی اور خلوص تو ہے لیکن اعتبار اور پیار نہیں ہے یا شاید اس کی گزشتہ محبتوں کے صلے میں کچھ پیار بھی باقی ہو۔ کیا کروں میں عینی؟ میں نفرت نہیں کر سکتا' نہیں ہوتی مجھ سے نفرت۔ کنول کو اپنے کیے کی بہت سزا مل چکی ہے اور کیا یہ سزا اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ میں نے اس کی اتنی سنگین غلطی پر بھی اسے معاف کر دیا ہے اور غلطیاں تو ہر انسان سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس نے دس گیارہ برس کے اس عرصے میں اگر ایک جرم کیا ہے' ایک غلطی' ایک زیادتی اس سے سرزد ہو گئی ہے تو اسے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف کر دینا ہی بہتر ہے''۔

''ہاں ٹھیک کہتے ہیں آپ''۔ عینی نے گہرا سانس لے کر کہا۔

(جاری ہے)

www.Paksociety.com

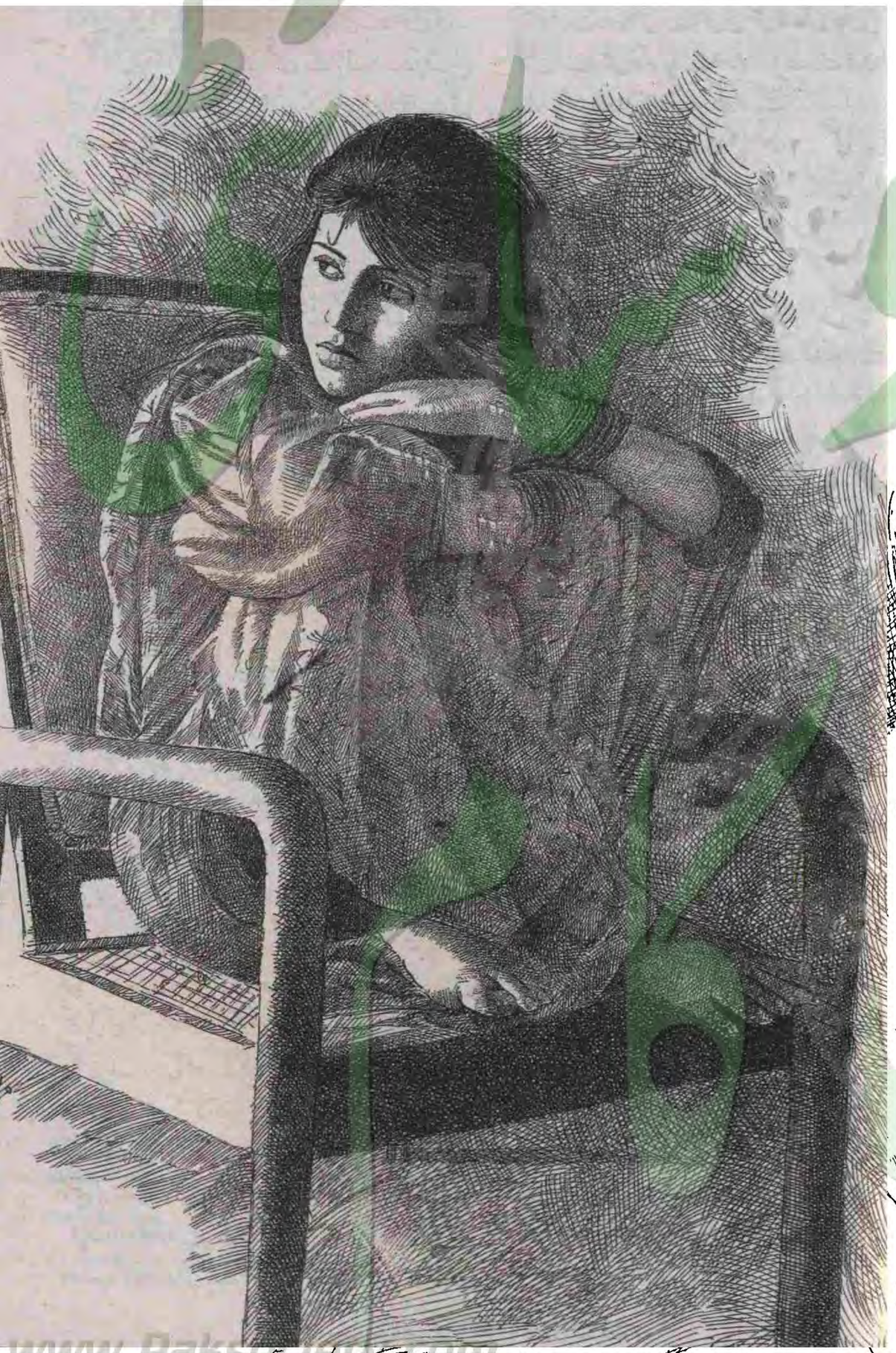

نظیر فاطمہ

افسانہ

دل کی اک اک دھڑکن تیرا نام ہوئی

ام ابیھا نے آفس سے نکل کر سڑک پار کی اور فٹ پاتھ پر چڑھ کر کھڑی ہوگئی۔

''السلام علیکم''۔ کی آواز پر اس نے اپنے دائیں جانب دیکھا تو ادھر کھڑے ضرغام عباس کو دیکھ کر پہلے اس کے چہرے پر حیرت اور پھر محبت بھری مسکراہٹ ابھر آئی' وہ اسے دو سال بعد دیکھ رہی تھی لیکن اس نے لمحوں میں اسے پہچان لیا اور ''وعلیکم السلام'' کہہ کر بڑی محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا حال چال پوچھا' ضرغام نے اسے بتایا کہ اس کے چچا کا ٹرانسفر دوبارہ لاہور ہوگیا ہے اور وہ لوگ اس کالونی کے بی بلاک میں رہ رہے ہیں۔

ام ابیھا نے پچھلے چھ سات سال اچھی ساکھ کے ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھایا تھا' دو سال پہلے ضرغام عباس اس کی کلاس میں پرموٹ ہو کر آیا تھا' اس وقت وہ آٹھویں جماعت کو پڑھاتی تھی' ام ابیھا کو اس گم صم سے بچے سے بہت ہمدردی محسوس ہوتی تھی' پھر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ چار سال پہلے اس بچے کے والدین ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہوگئے تھے تو اسے اس بچے کا دکھ اپنے سینے پر محسوس ہونے لگا اور اس کا دل اس بچے کے لئے محبت سے بھر گیا' وہ ضرغام کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگی اور اسے زیادہ توجہ دینے لگی تاکہ وہ بچہ زندگی کی دلچسپیوں کی طرف لوٹ آئے' اس کی کوششوں سے ضرغام آہستہ آہستہ مختلف سرگرمیوں میں حصہ لینے لگا۔ ام ابیھا اس کو زندگی کی طرف لوٹتا دیکھ کر بہت خوش تھی' اس کی پوری فیملی ضرغام سے غائبانہ طور پر متعارف تھی' ضرغام عباس کو بھی اپنی اس ٹیچر سے بہت انسیت ہوگئی تھی۔

ام ابیھا اپنے فری پیریڈ میں بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ اسے پرنسپل کے آفس سے بلاوا آگیا' وہ چائے کا کپ وہیں رکھ کر پرنسپل کے آفس میں آگئی' وہاں ایک باوقار سی خاتون بیٹھی ہوئی تھیں' وہ انہیں سلام کرکے پرنسپل صاحب کی طرف متوجہ ہوئی تو انہوں نے ان خاتون سے مخاطب ہو کر کہا۔

''میم! یہ ہیں مس ام ابیھا''۔ پھر ام ابیھا سے کہنے لگے۔

''یہ خاتون ضرغام عباس کی دادی ہیں اور آپ سے ملنا چاہتی ہیں''۔ انہوں نے پرنسپل صاحب سے اس کی بہت تعریف کی اور وہ اس کی بہت شکر گزار تھیں کہ وہ ان کے پوتے کو نارمل زندگی کی طرف واپس لے آئی ہے۔ جب آٹھویں جماعت کے سالانہ امتحان قریب آئے تو ضرغام کے چچا کا ٹرانسفر بہاولپور ہوگیا' امتحانات کے بعد ضرغام عباس نے وہ اسکول چھوڑ دیا لیکن جانے سے پہلے اس کی دادی نے ام ابیھا کو اپنے گھر چائے پر بلایا اور اس کو ایک اچھا سا سوٹ تحفے میں دیا' اس کے بعد ان کا رابطہ ختم ہوگیا' ان دو سالوں میں ام ابیھا ترقی کرتے ہوئے اسی اسکول [illegible]

www.Paksociety.com

بیچ میں سٹڈیس، کام کر رہی تھی' آج اسکول سے واپسی پر ہی اس کی ملاقات ضرغام عباس سے ہوئی تھی۔

اس روز ام ایمھا نے آفس سے ہاف ڈے آف کیا اور باہر آ کر کسی سواری کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی' اسی اثناء میں ایک گاڑی اس کے پاس آ کر رکی اور ضرغام گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر باہر نکلا' اس نے ام ایمھا کو سلام کیا اور ان سے کہنے لگا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں''۔ ام ایمھا نے اس کی یہ پیش کش قبول کر لی اور گاڑی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو پتہ سمجھانے لگی۔ ضرغام کہنے لگا۔

''میں نے دادو کو آپ کے بارے میں بتایا تھا' وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں' آپ کسی دن ہمارے گھر آئیے نا آپ کے آفس کے پیچھے ہی تو ہے ہمارا گھر''۔ ام ایمھا نے کسی روز ان کی طرف جانے کی حامی بھر لی' ضرغام نے اس سے موبائل نمبر لے لیا اور اپنا نمبر اسے دے دیا۔

ام ایمھا آفس میں تین گھنٹے کی میٹنگ بھگتا کر اپنے کیبن میں واپس آئی اور اپنا موبائل چیک کرنے لگی' اس کے موبائل پر ضرغام کی چھ مس کالز تھیں' اس نے کال بیک کی تو ضرغام نے کہا۔

''دادو آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں''۔ ضرغام نے فون دادو کو دے دیا' دادو نے فون پر اس کی خیر خیریت پوچھی اور اسے اپنے گھر آنے کی دعوت پر زور دیا' ام ایمھا نے جمعہ کے روز ان کے ہاں آنے کی حامی بھر لی کیونکہ جمعہ کو دو گھنٹے کی لنچ بریک ہوتی تھی' جمعہ کو وہ لنچ بریک شروع ہوتے ہی ام ایمھا نے اپنا بیگ لیا اور آفس سے باہر آ گئی' وہاں ضرغام عباس پہلے سے موجود تھا وہ دونوں پیدل چلتے ہوئے گھر تک آئے' دادو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور اسے گلے سے لگا کر پیار کیا۔ دادو کو شروع سے سادہ سی ام ایمھا بہت بھاتی تھی وہ اب بھی دو سال پہلے جیسی ہی تھی' وہی سیدھے بالوں کی مانگ' سر پر دوپٹہ' دھلا دھلا فریش چہرہ اور ہونٹوں پر مسکراہٹ' دادو اس سے اس کی فیملی کا حال چال پوچھنے لگیں' اتنے میں نوکر چائے اور لوازمات سے بھری ٹرالی لے آیا' ام ایمھا اتنا اہتمام دیکھ کر کہنے لگی۔

''آنٹی! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی''۔ آنٹی کہنے لگیں۔

''کوئی تکلف نہیں ہے' یہ سب تو میری بیٹی کے لئے ہے''۔ آنٹی نے اسے بتایا کہ ضرغام عباس تمہیں اکثر یاد کرتا تھا اور وہ اب بھی یہ کہتا ہے کہ مس ام ایمھا نہ ہوتیں تو وہ اپنی محرومی کو اپنے اوپر ہمیشہ سوار رکھتا۔ دو گھنٹے بعد ضرغام اسے آفس واپس چھوڑ گیا۔

☆

اتوار کے روز ام ایمھا نے واشنگ مشین لگا کر سارے کپڑے دھوئے اور نہا دھو کر فریش ہونے کے بعد اپنے کمرے میں آ کر ٹی وی دیکھنے لگی اسی دوران امی اس کے پاس آئیں اور بولیں۔

''کل تمہارے آفس جانے کے بعد تمہارا اسٹوڈنٹ ضرغام عباس اور اس کی دادی ہمارے گھر آئے تھے''۔ ام ایمھا نے حیرت سے پوچھا۔

''کیوں......؟'' امی کہنے لگیں۔

''وہ اپنے بیٹے یعنی ضرغام کے چچا کا رشتہ لے کر آئی تھیں''۔ وہ ہر طرح سے تسلی کروا رہی تھیں۔

''لیکن میں نے اور تمہارے ابو نے ان سے سوچنے کا وقت لیا ہے' اس سے پہلے کہ ہم بات آگے بڑھائیں تم اپنی رائے دو''۔ ام ایمھا نے کہا۔

''جیسے آپ کی مرضی''۔ کہہ کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی اور امی اٹھ کر باہر چلی گئیں اگرچہ وہ کئی دفعہ ضرغام عباس کے گھر جا چکی تھی لیکن کبھی اس کے چچا حیدر عباس سے نہیں ملی تھی' وہ ان کے بارے میں زیادہ جانتی بھی نہیں تھی اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا' ام ایمھا کو اس معاملے میں اللہ کے بعد اپنے والدین پر بھروسہ تھا کہ وہ اس کے لئے جو کریں

گے اچھا ہی کریں گے۔

آج آفس کے بعد وہ اپنی سہیلی کے لئے گفٹ خریدنے ''ورائٹی'' آئی اور اپنی مطلوبہ چیزیں دیکھنے لگی' وہیں پر اسے ضرغام نظر آیا تو اس نے ہیلو کہہ کر اسے متوجہ کیا' اسے دیکھ کر ضرغام کی آنکھوں میں شرارت ناچنے لگی' ام ایمھا نے نا سمجھنے والے انداز میں بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

''کیا بات ہے......؟'' ضرغام عباس بولا۔

''آیئے' میں آپ کو کسی سے ملاؤں''۔ وہ اسے لے کر کتابوں والے سیکشن میں گیا اور پینتیس چھتیس سالہ ایک اونچے لمبے قبول صورت شخص کے پاس جا کر کہنے لگا۔

''چاچو! دیکھیں یہ مس ام ایمھا ہیں اور مس! یہ ہیں میرے چاچو عباس''۔ ام ایمھا کو عجیب سی خفت محسوس ہوئی تاہم اس نے انہیں سلام کیا' حیدر عباس نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈال کر سلام کا جواب دیا اور ضرغام سے کہنے لگے۔

''اگر تم فارغ ہو گئے ہو تو آ جاؤ میں بل پے کر دوں''۔ ام ایمھا ضرغام کی طرف مڑی اور بولی۔

''ضرغام! یہ بے ہودگی تھی؟ میں آنٹی سے تمہاری شکایت کروں گی''۔ ضرغام شرارت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کیا شکایت کریں گی دادو سے......؟'' ام ایمھا اسے غصے سے گھورنے لگی۔

ام ایمھا کے گھر والوں نے پوری چھان بین اور تسلی کے بعد حیدر عباس کے لئے ہاں کر دی' آنٹی تو جلد از جلد ام ایمھا کو اپنے گھر لے جانا چاہتی تھیں' انہوں نے ایک ماہ بعد کی تاریخ رکھوا لی اور اس کے والدین سے کہنے لگیں۔

''مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے' مجھے تو بس آپ کے گھر کا یہ اجالا ہی چاہئے''۔ ام ایمھا واقعی اپنے گھر کا اجالا تھی' کم آمدنی کے باوجود اس کے ابو کا یہ خواب تھا کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائیں' یہ ام ایمھا ہی تھی جو تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاب کر کے اپنے والد کا سہارا بن گئی اور اپنے سے چھوٹی دو بہنوں اور دو بھائیوں کو تعلیم مکمل کرنے میں سپورٹ کیا' ایم اے کرنے کے بعد اس کی دونوں بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور اس کے دونوں بھائی تعلیم مکمل کر کے ملٹی نیشنل کمپنیوں میں اچھی پوسٹ پر جاب کر رہے تھے یہ سب کرنے میں ام ایمھا نے اپنی زندگی کے دس بہترین سال خرچ کئے تھے اب اس کی عمر بتیس سال تھی' لیکن وہ اتنی دھان پان تھی کہ اپنی عمر سے پانچ چھ سال چھوٹی ہی دکھتی تھی' اس کے والدین کو اس کی شادی کی بہت فکر تھی' لیکن ام ایمھا بھی اپنے رب سے مایوس نہیں ہوئی تھی اس کا یقین تھا کہ اس کا رب اسے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا اور اب وہ حیدر کے ساتھ زندگی کا نیا سفر شروع کرنے جا رہی تھی اس کے والدین بہت خوش اور مطمئن تھے اور اللہ کے شکر گزار تھے جس نے ان کی بیٹی کو اتنے محبت کرنے والا گھر دیا تھا۔

☆

ام ایمھا رخصت ہو کر حیدر عباس کے گھر آ گئی' اسے لاؤنج میں صوفے پر بٹھایا گیا تو ضرغام عباس اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا اور بہت محبت سے کہنے لگا۔

''اب تو میں آپ کو چاچی کہہ سکتا ہوں نا' آپ کیا جانیں اس شادی کے لئے میں نے اور دادو نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں' پھر کہیں جا کر چاچو تیار ہوئے تھے شادی کے لئے''۔ ام ایمھا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

مختلف رسموں کے بعد اسے حیدر عباس کے کمرے میں بٹھا دیا گیا' تھوڑی دیر بعد دروازے پر شور و غل کی آوازیں آنے لگیں' حیدر عباس کی کزنز اس کا راستہ روکے نیگ کا مطالبہ کر رہی تھیں خوب تکرار ہو رہی تھی' آخر دس منٹ بعد حیدر نے ان کو ان کی مطلوبہ رقم دی تو اسے کمرے میں آنے کی اجازت ملی' سب کے جانے کے بعد حیدر عباس نے دروازہ لاک کیا اور کچھ دیر

www.Paksociety.com

کمرے کے وسط میں کھڑے رہے' پھر بیڈ پر اس کے سامنے آن بیٹھے' ام ایبھا کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا اور اس کا دل دھڑک اٹھا' حیدر عباس نے اس کا گھونگھٹ الٹا اور اسے غور سے دیکھنے لگے' ام ایبھا نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں' لیکن حیدر کی طنزیہ آواز سن کر اس کی آنکھیں حیرت اور دکھ کی زیادتی سے پھیل گئیں حیدر کہہ رہے تھے۔

''تو آپ ہیں وہ ہستی جس نے میری ماں اور میرے بھتیجے کو اپنے خلوص کے جال میں پھنسا کر مجھ سے شادی کی ہے' کیا میں آپ کو عقل کا اندھا نظر آتا ہوں کہ میں آپ کی اس چال کو سمجھ نہ سکوں' آپ کیا سمجھتی ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ جب امی اور ضرغام نے آپکو یہ بتایا ہوگا کہ میں شادی کرنے پر اس لئے رضامند نہیں ہوتا کہ پتہ نہیں آنے والی میرے بھتیجے کو برداشت کر پائے گی یا نہیں' تو آپ نے سوچا میں اسے ہی سیڑھی بنا کر اپنا مطلب پورا کرسکتی ہوں اور آپ نے ایسا ہی کیا' میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا.....؟'' ام ایبھا اس الزام تراشی پر توہین کے احساس سے زرد ہوگئی اور دھیرے دھیرے لرزنے لگی' اس نے لب بھینچ کر اپنے آپ کو کچھ بھی کہنے سے روکا' حیدر عباس نے مزید کہا۔

''جائیے جا کر کپڑے بدلئے اور اس بات کو ذہن میں رکھئے گا کہ آپ اس گھر میں صرف میری ماں اور ضرغام کی ضد کی وجہ سے آئی ہیں اور ہاں اس بات کا تو اپنے دل میں خیال بھی مت آنے دیجئے گا کہ آپ کبھی حیدر عباس کے دل تک رسائی حاصل کرسکتی ہیں''۔ ام ایبھا اٹھی اور ڈریسنگ روم کا دروازہ پوری قوت سے بند کیا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ہر چیز تہس نہس کردے خود پر قابو پا کر اس نے اپنا زیور اتارا' کپڑے بدلے اور منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آگئی' حیدر عباس لباس تبدیل کر کے بیڈ پر پھیل کر لیٹ چکے تھے' ام ایبھا نے تکیہ اٹھایا اور صوفے پر لیٹ گئی' بے وقعتی کے احساس سے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہوگیا' رات نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی' اچانک کسی کے زور سے ہلانے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تو حیدر عباس کو اپنے سر پر کھڑے پایا وہ اس سے کہہ رہے تھے۔

''اٹھئے اور جا کر فریش ہوجائیے' ناشتے کا بلاوا آیا ہے''۔ وہ جانے لگی تو بولے۔

''اور سنیں! اس کمرے کی باتیں اس کمرے میں ہی رہنی چاہئیں ورنہ نتائج کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی''۔ ام ایبھا کا دل چاہا ابھی کھری کھری سنا کر ان کی طبیعت صاف کردے لیکن وہ مڑ کر واش روم میں چلی گئی۔

☆

ولیمے کے روز ام ایبھا پریشان تھی کہ نہ جانے حیدر عباس اس کے گھر والوں سے کیسا سلوک کریں لیکن وہ یہ دیکھ کر مطمئن ہوگئی کہ حیدر عباس اس کے گھر والوں سے بہت اچھے طریقے سے مل رہے تھے' ولیمے کے بعد رسم کے مطابق ام ایبھا اپنے والدین کے گھر آ گئی' اگلے روز آنٹی' حیدر عباس اور ضرغام عباس اسے لینے آ گئے۔

گھر پہنچ کر ام ایبھا نے سب سے پہلے زیورات اور میک اپ سے نجات حاصل کی' اس کے بعد نسبتاً ایک سادہ سا جوڑا پہن کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوکر بالوں میں کنگھی کرنے لگی' اسی اثناء میں حیدر عباس کمرے میں آئے اور اس پر ایک سرد سی نظر ڈال کر واش روم میں چلے گئے' ام ایبھا نے سر جھٹکا' بالوں کو کیچر لگایا اور لاؤنج میں چلی آئی' جہاں آنٹی اور ضرغام بیٹھے باتیں کررہے تھے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئی' تھوڑی دیر بعد حیدر عباس بھی وہیں چلے آئے' کچھ دیر گپ شپ کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ بھی اپنے کمرے میں چلی آئی' حیدر بیڈ پر لیٹ چکے تھے لہٰذا وہ تکیہ اٹھا کر صوفے پر لیٹ گئی۔

اگلے چند روز دعوتوں میں گزر گئے' اس کے بعد حیدر عباس نے آفس جوائن کرلیا' ام ایبھا نے نوکری چھوڑ دی تھی وہ پورا وقت اپنے گھر کو دینا چاہتی تھی' وہ صبح سویرے اٹھ کر سب کا ناشتہ خود بناتی' حیدر کے آفس اور ضرغام کے کالج جانے کے بعد ماسی سے سارے گھر کی صفائی کرواتی اور کچھ وقت آنٹی کے ساتھ باتوں میں گزارتی اور پھر دوپہر کا کھانا بناتی' حیدر دوپہر کا کھانا کھانے گھر نہیں آتا تھا' لہٰذا وہ آنٹی اور ضرغام دوپہر کا کھانا اکٹھے کھاتے' شام کو جب ضرغام اکیڈمی سے واپس آتا تو وہ دونوں ڈھیروں باتیں کرتے' ٹی وی دیکھتے اور کبھی کبھار آئس کریم کھانے قریبی مارکیٹ تک پیدل ہی چلے جاتے' اب وہ ضرغام عباس سے پہلے کی نسبت زیادہ محبت کرنے لگی تھی اور اس کا ایک ماں کی طرح خیال رکھنے لگی تھی' وہ اس گھر میں ہر طرح سے ایڈجسٹ ہوچکی تھی اور ہر کسی کے دل میں اپنی جگہ بنا چکی تھی سوائے حیدر عباس کے' وہ ابھی تک اس سے روز اول کی طرح فاصلے پر تھے' ام ایبھا کو یہ چیز بہت دکھ دیتی تھی' وہ پریشان ہوکر اپنے اللہ سے دعا کرتی تھی کہ وہ حیدر عباس کے دل میں اس کی محبت ڈال دے' حیدر عباس کی بے رخی کے باوجود ام ایبھا کو ان سے محبت ہو چکی تھی اور اس کا دل بچوں کی طرح ہمک ہمک کر ان کے پاس جانے کی ضد کرتا تھا' لیکن حیدر عباس اس بات سے بے خبر تھے ان کی بے اعتنائی کے باوجود وہ ان کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی۔

☆

ایک شام حیدر عباس گھر آئے تو انہیں بخار تھا' وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئے آنٹی نے ام ایبھا کو بتایا تو وہ چائے اور بخار کی ٹیبلٹ لے کر کمرے میں گئی اور کہنے لگی۔

''یہ چائے اور ٹیبلٹ لے لیجئے''۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تو ام ایبھا نے دوسری بار اپنی بات دہرائی' نہ جانے حیدر عباس کو کیا ہوا وہ اٹھے اور دھاڑ کر بولے۔

''کیوں میرے سر پر سوار ہیں' جائیے یہاں سے میں یہ سب خود لے سکتا ہوں آؤٹ''۔ ام ایبھا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں وہ یکدم مڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی' اس کی انا پر بہت گہری چوٹ پڑی تھی اس دن ام ایبھا نے خود کو بہت سمجھایا اور حیدر عباس کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ ام ایبھا پہلے ہی حیدر سے بہت کم بات کرتی تھی اب بالکل نہیں کرتی تھی' بلکہ اب وہ ان کے سامنے آنے سے بھی گریز کرتی تھی' رات کو اس وقت کمرے میں آتی جب وہ سو چکے ہوتے' لیکن اس سب کے باوجود وہ ان کی ہر ضرورت اور ہر چیز کا خیال رکھتی تھی' حیدر عباس اس کے اس رویئے پر جز بز ہو رہے تھے۔

جمعے کی شام کو ضرغام' ام ایبھا کو ٹینس کھیلنا سکھا رہا تھا لیکن اسے کھیلنا ہی نہیں آرہا تھا' ضرغام کی صورت پر بے چارگی اور جھنجھلاہٹ دیکھ کر وہ گھاس پر بیٹھ گئی اور زور زور سے ہنسنے لگی' اسی وقت حیدر اپنی گاڑی سے اترے' انہوں نے ام ایبھا کو اس طرح ہنستے ہوئے دیکھا تو وہاں سے سیدھا لان میں آئے' انہوں نے ام ایبھا کا بازو پکڑ کر اسے جھٹکے سے اٹھایا اور اس پر برس پڑے۔

''یہ کیا جاہلوں کی طرح قہقہے لگائے جارہے ہیں' بجائے اس کے کہ آپ ضرغام کی تربیت کریں آپ اسے بگاڑ رہی ہیں۔ آپ بچی نہیں ہیں کہ سب باتیں آپ کو سمجھانا پڑیں' آئندہ میں یہ سب برداشت نہیں کروں گا سمجھیں''۔ وہ اسے جھٹکے سے چھوڑ کر اندر کی جانب بڑھ گئے' وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور نیچے گر گئی' ضرغام بھاگ کر اس تک آیا اور گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گیا' دکھ اور احساس ندامت سے ام ایبھا گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی' ضرغام کچھ دیر اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''آئی ایم سوری چاچی! پلیز چپ کر جائیے' اگر آپ یونہی روتی رہیں تو میں دادو کو لے آؤں گا''۔ کچھ دیر رونے کے بعد اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اپنے آنسو صاف کئے اور اندر کی جانب بڑھ گئی ضرغام کچھ سوچنے لگا۔

ام ایبھا رات کا کھانا تیار کرتے ہوئے آنکھوں

www.Paksociety.com

میں بار بار بھر جانے والے آنسوؤں کو بڑی مشکلوں سے پیچھے دھکیل رہی تھی لیکن پھر بھی کچھ آنسو اس کے گالوں پر پھسل رہے تھے' جنہیں وہ بار بار صاف کررہی تھی' حیدر عباس پانی پینے کچن میں آئے تھے اور اسے یوں روتے دیکھ کر واپس چلے گئے' وہ حیدر کے آنے اور جانے سے بے خبر رہی' حیدر ٹی وی لاؤنج میں جا بیٹھے' ضرغام بھی اس کے پاس آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

''چاچو! مجھے آپ سے بات کرنی ہے''۔ حیدر اس کی طرف متوجہ ہوئے' اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''چاچو! آج آپ نے چاچی کے ساتھ بالکل اچھا سلوک نہیں کیا''۔ حیدر نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''کیا مطلب.....؟'' لیکن مقابل بھی انہی کا بھتیجا تھا کہنے لگا۔

''مطلب یہ کہ شام کو آپ کو چاچی کے ساتھ اس طرح بی ہیو نہیں کرنا چاہئے تھا ان کا کوئی قصور نہیں تھا میں ہی انہیں زبردستی ٹینس کھیلنا سکھا رہا تھا' ان سے بار بار کوشش کے باوجود صحیح ہٹ نہیں لگ رہی تھی اسی بات پر وہ ہنس رہی تھیں لیکن مجھے سمجھ نہیں آئی کہ آپ کو آخر ہوا کیا تھا آپ نے انہیں اتنی بری طرح ڈانٹ دیا' آپ کو ان سے سوری کرنا چاہئے''۔ ضرغام یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور جاتے جاتے پلٹ کر بولا۔

''آپ نے ہی مجھے یہ سکھایا ہے کہ اپنی غلطی کی معافی مانگنا بہادروں کا کام ہے' امید ہے آپ اپنی اس بات پر خود بھی عمل کریں گے''۔ اب حیدر عباس ضرغام کو کیا بتاتے کہ انہیں کیا ہوا ہے؟ وہ خود اپنی اس بدلتی ہوئی کیفیت پر حیران تھے پہلے جب ام ایحا ان کا بہت دھیان رکھتی تھی تو بھی انہیں برا لگتا تھا اور اب جب وہ انہیں نظر انداز کررہی تھی تو بھی یہ سب ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا' وہ عجیب مشکل میں گرفتار تھے' ام ایحا نے آہستہ آہستہ ان کے دل پر قبضہ جما لیا تھا اور وہ یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے اور اس حقیقت پر جھنجلائے ہوئے سے تھے' اسی لئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر ام ایحا کو ڈانٹنے لگے تھے۔ ساری رات جب بھی حیدر عباس کی آنکھ کھلی انہیں ام ایحا کی سسکیوں کی آواز سنائی دیتی رہی' اگلی صبح ام ایحا ان کے کپڑے بیڈ پر باہر رکھ کر جانے لگی تو حیدر عباس نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا اور اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولے۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں اس طرح رو دھو کر آپ میرے دل میں جگہ بنالیں گی' میں آپ کو اول روز ہی بتا چکا ہوں کہ حیدر عباس کے دل تک آپ کبھی بھی نہیں پہنچ سکتیں' انڈر اسٹینڈ''۔ آج ام ایحا کی برداشت بھی جواب دے گئی اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو حیدر عباس کی گرفت سے چھڑوایا اور روتے ہوئے چلا کر بولی۔

''کیا چاہتے ہیں آپ.....؟ کیوں میرے ساتھ ایسا کررہے ہیں.....؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں آپ پر مرمٹی تھی؟ تو آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مجھے تو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ ضرغام کے چچا شادی شدہ نہیں ہیں اور نہ ہی میں آپ سے کبھی ملی تھی' آنٹی اپنی رضامندی سے میرے والدین کے پاس گئی تھیں اس میں میری کسی کوشش کا عمل دخل نہیں تھا' اس بات کی تصدیق آپ آنٹی اور ضرغام دونوں سے کرسکتے ہیں' اگر مجھے اس بات کی بھنک بھی پڑ جاتی کہ آپ اس شادی کے لئے رضامند نہیں تھے تو میں خود انکار کردیتی اور رہی آپ کے دل تک پہنچنے کی بات تو مجھے کوئی ایسا شوق نہیں ہے سمجھے آپ' یہ تو آنٹی اور ضرغام کی محبتیں ہیں جو میں اب تک یہاں رو رہی ہوں' لیکن اب میں آپ کے ہاتھوں مزید ذلیل نہیں ہوسکتی''۔ ابھی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی تھی کہ آنٹی ایکدم دروازہ کھول کر اندر آئیں اور حیدر عباس پر ایک ناراض نظر ڈال کر ام ایحا کے کندھے پر بازو رکھ کر اسے باہر لے گئیں۔

ام ایحا کا رو رو کر برا حال تھا' ضرغام اس کے پاس

شرمندہ سا بیٹھا تھا' وہ اس سب کے لئے اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھ رہا تھا کیونکہ اسی کی ضد پر دادو نے حیدر عباس کی شادی ام ایحا سے کی تھی' آنٹی نے اسے گرم دودھ پلا کر لیٹا دیا' دوپہر تک وہ بخار میں جل رہی تھی' مغرب کے وقت جا کر اس کی طبیعت تھوڑی بحال ہوئی تو وہ اٹھ کر لاؤنج میں آ بیٹھی' آنٹی مغرب کی نماز پڑھ کر اس کے پاس آ بیٹھیں اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی' ام ایحا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''آنٹی! میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں آپ کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکی' میں پچھلے چھ مہینوں سے حیدر عباس کا رویہ برداشت کررہی ہوں لیکن اب میں یہ سب برداشت نہیں کرسکتی کہ وہ بار بار مجھ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ میں نے آپ اور ضرغام کو سیڑھی بنا کر ان سے شادی کی ہے آنٹی! خدا گواہ ہے میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' میں یہ سب کیسے کرسکتی تھی میں نے تو شادی سے پہلے اپنی سوچوں اور جذبوں تک کو اپنے شوہر کی امانت سمجھ کر بہت سنبھال کر رکھا تھا اور کبھی اس میں خیانت کرنے کا سوچا بھی نہیں' تو پھر میں اس کام کے لئے کسی کو کیسے پھانس سکتی تھی' میں شادی کے بعد محبت کی قائل تھی اور میں اپنے اس دعویٰ میں سچی ہوں' مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ میں اپنے شوہر سے دل و جان سے محبت کرنے لگی ہوں لیکن شاید ان کی محبت میرا نصیب نہیں ہے''۔ آنٹی نے اسے گلے سے لگا لیا اور لاؤنج کے دروازے پر کھڑے حیدر عباس یہ سب سن کر خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کررہے تھے کہ انہیں اتنی خالص سوچ رکھنے والی شریک حیات ملی ہے اور اس کا اعتراف محبت سن کر ان کی مردانہ انا بھی سرخرو ہوگئی تھی اور چپ چاپ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ رات کھانے کے بعد آنٹی نے ان کی خوب کلاس لی اور بولیں۔

''حیدر عباس! تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے' تم اس بچی پر جو الزام لگا رہے ہو وہ میں سن چکی ہوں اور مجھے بہت افسوس ہے کہ تم میری اولاد ہو کر اس طرح کر رہے ہو' اس سے تو بہتر تھا تم اس شادی سے انکار پر ڈٹے رہتے''۔ حیدر عباس نے اپنی امی کے گلے میں بازو ڈال کر کہا۔

''امی! مجھے معاف کردیجئے اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی''۔ آنٹی بولیں۔

''مجھے نہیں اب ام ایحا کو تم سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے ورنہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی''۔ رات ام ایحا دوا لے کر آنٹی کے پاس ہی لیٹ گئی اور تھوڑی دیر میں گہری نیند سو گئی' حیدر عباس کافی دیر اس کا انتظار کرتے رہے آخر اٹھ کر اسے دیکھنے آئے تو اسے امی کے ساتھ سوتے دیکھ کر واپس چلے گئے۔

☆

اگلی صبح حیدر عباس کے جانے کے بعد ام ایحا نے آنٹی سے دو دن کے لئے اپنی امی کے گھر جانے کی اجازت مانگی تو آنٹی نے اس کی طبیعت کے پیش نظر اجازت دے دی' امی کے گھر آ کر ام ایحا کا موڈ بحال ہوگیا اور اس نے گھر والوں کو اپنے اور حیدر عباس کے جھگڑے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ شام کو حیدر عباس گھر آئے تو انہیں ضرغام باہر لان میں بیٹھا ملا' اس وقت عموماً ام ایحا بھی اس کے ساتھ ہی ہوتی تھی' آج جب وہ نظر نہ آئی تو اس نے ضرغام سے پوچھا۔

''کیوں بھئی آج تمہاری پارٹنر کہاں ہیں.....؟'' ضرغام بولا۔

''اپنی امی کے گھر گئی ہیں''۔ حیدر عباس کو محسوس ہوا کہ کچھ دنوں سے ضرغام عباس اس سے بات نہیں کررہا بلکہ اگر وہ خود کوئی بات کرتے تو اس کا جواب دے کر خاموش ہوجاتا تھا' وہ جانتے تھے کہ وہ اس سے کیوں ناراض ہے اس لئے وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے اور بولے۔

''شہزادے..... کیا بات ہے اپنے چاچو سے ناراض ہو.....؟'' وہ چپ رہا تو حیدر عباس نے

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر کہا۔

''یار! اگر میں تمہاری چاچی کو منالوں تو یہ ناراضگی ختم ہوسکتی ہے.....؟'' ضرغام عباس نے حیرت اور خوشی سے سر اٹھا کر حیدر عباس کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا تو حیدر بولے۔

''چلو! پھر تمہاری چاچی کو لینے چلتے ہیں''۔ ضرغام بولا۔

☆

''لیکن وہ تو دو دن کا کہہ کر گئی ہیں''۔ حیدر بولے۔

''چلو تو سہی ہم انہیں آج ہی لے آئیں گے''۔

رات کے آٹھ بج رہے تھے' ام ایبھا عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو امی نے بتایا۔

''حیدر عباس اور ضرغام عباس تمہیں لینے آئے ہیں وہ بتا رہے ہیں کہ ضرغام کی دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ تمہیں بلا رہی ہیں''۔ بات ہی ایسی تھی کہ ام ایبھا فوراً چلنے کو تیار ہوگئی' گاڑی میں خاموشی تھی جب ضرغام عباس بولا۔

''چاچو! اب آئس کریم تو کھلا دیں پلیز.....''

حیدر عباس نے گاڑی آئس کریم پارلر کے سامنے روکی تو ضرغام عباس نیچے اتر کر آئس کریم لینے چلا گیا' حیدر عباس نے اپنے برابر بیٹھی ام ایبھا کو غور سے دیکھا جو کسی سوچ میں گم باہر دیکھ رہی تھی۔ گھر آ کر حیدر اپنے کمرے میں چلے گئے اور وہ آنٹی کے کمرے میں ان کی طبیعت پوچھنے آ گئی اور انہیں ٹھیک ٹھاک دیکھ کر حیران ہوئی لیکن بولی کچھ نہیں' کمرے سے باہر آ کر وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی' ضرغام بھی اس کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

''چاچی! یہ میرا اور چاچو کا پلان تھا آپ کو واپس لانے کے لئے اور پلیز چاچو آپ سے اپنے رویئے کی معافی مانگیں تو انہیں معاف کر دیجئے گا''۔ ام ایبھا حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی کہ یہ کیا کہہ رہا ہے اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ پوچھتی وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا' اب اکیلے بیٹھنا بے کار تھا' سو وہ بھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

حیدر عباس کوئی کتاب کھولے بیٹھے تھے' ام ایبھا نے ان کی سائیڈ سے تکیہ اٹھایا اور صوفے پر لیٹ کر بازو اپنی آنکھوں پر رکھ لیا' حیدر عباس نے ایک نظر اسے دیکھا' کتاب سائیڈ پر رکھی' اٹھے اور صوفے کے پاس جا کر اسے زبردستی اٹھا کر صوفے پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے' ام ایبھا اس حرکت پر بہت جز بز ہوئی اور منہ دوسری طرف کر کے ان سے دور ہونے کی کوشش کی۔

''ام ایبھا! ادھر دیکھو''۔ وہ ان کے پکارنے کے انداز پر چونکی ضرور لیکن اس نے وہاں سے اٹھنے کی کوشش کی جس پر حیدر عباس نے اس کا بازو تھام کر دوبارہ بٹھا دیا اور یہ شعر پڑھا۔

''کون پکارے گا یوں تجھ کو دیکھ' نہ جا
دل کی اک اک دھڑکن تیرا نام ہوئی''

حیدر عباس نے اس کے شانوں پر بازو رکھا اور بولے۔

''پلیز معاف کر دو''۔ ام ایبھا نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی' حیدر عباس نے اسے کھل کر رونے دیا' ام ایبھا چپ ہوئی تو وہ کہنے لگے۔

''معاف کر دیا ہے نا مجھے.....؟'' ام ایبھا نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر اپنے آنسو صاف کئے' حیدر عباس شرارتی انداز میں کہنے لگے۔

''اچھا تو آپ کو اپنے شوہر سے محبت ہوگئی ہے' ہے ناں.....؟'' ام ایبھا نے گھبرا کر دوبارہ وہاں سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن حیدر عباس نے اس کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا اور بولے۔

''تو لیں جناب..... آپ کے شوہر نامدار آپ کے سامنے ہیں اپنی محبت کا عملی مظاہرہ کیجئے''۔ ام ایبھا شرم سے سرخ ہو کر انہی کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔

☆

www.Paksociety.com

انعم خان

قسط نمبر 14

مکمل ناول

اس دل میں بس ہوئے

''کیوں......؟''ادینہ بے یقین ہوئی۔

''شکر ہے''۔جبکہ مہ روش سنتے ہی دل میں شکر بجالائی۔

''آفس میں کام بہت ہے اور تم جانتی ہو کام میں مجھے کوتاہی برداشت نہیں' ویسے بھی بکواس لگتا ہے یہ سب مجھے' ٹائم اور پیسے کا زیاں ہے''۔توجہ ڈرائیونگ پر رکھے وہ صاف بولا۔ادینہ نے حیرانگی سے اُسے پھر مہ روش کو دیکھا۔

''کچھ ہی دن کی تو بات ہوگی مراد''۔ادینہ نے آہستگی سے کہا۔جرح مراد کو پسند نہ تھی۔

''فائدہ کیا ہے اس سب کا تم بتاؤ مجھے؟''

''فائدے کی بات اس میں کہاں سے آ گئی' تھوڑی آؤٹنگ ہوجائے گی''۔ادینہ بری پھنسی تھی پوچھ کر' بے تکا سا جواز دیا۔ماہی جسے ہنی مون پر جانے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی شانت سی بیٹھی رہی۔

''مجھے قطعاً کوئی شوق نہیں ہے گھومنے پھرنے کا نہ مہ روش کو ہونا چاہیے' ویسے بھی شادی میں کافی فنکشنز تھے میری تو اب تک تھکاوٹ بھی نہیں اتری''۔اس کا ارادہ سرے سے جانے کو نہیں تھا۔

''ہاں ادینہ! میں بھی نہیں جانا چاہتی ویسے بھی ساری جگہیں تو دیکھی ہوئی ہیں''۔ماہی نے بھی گویا انکار کیا۔

''تم دونوں بھی عجیب ہو بٹ جیسے تم دونوں کی مرضی' اب میں کیا کہہ سکتی ہوں''۔ادینہ نے بھی بات سمیٹنی مناسب سمجھی۔

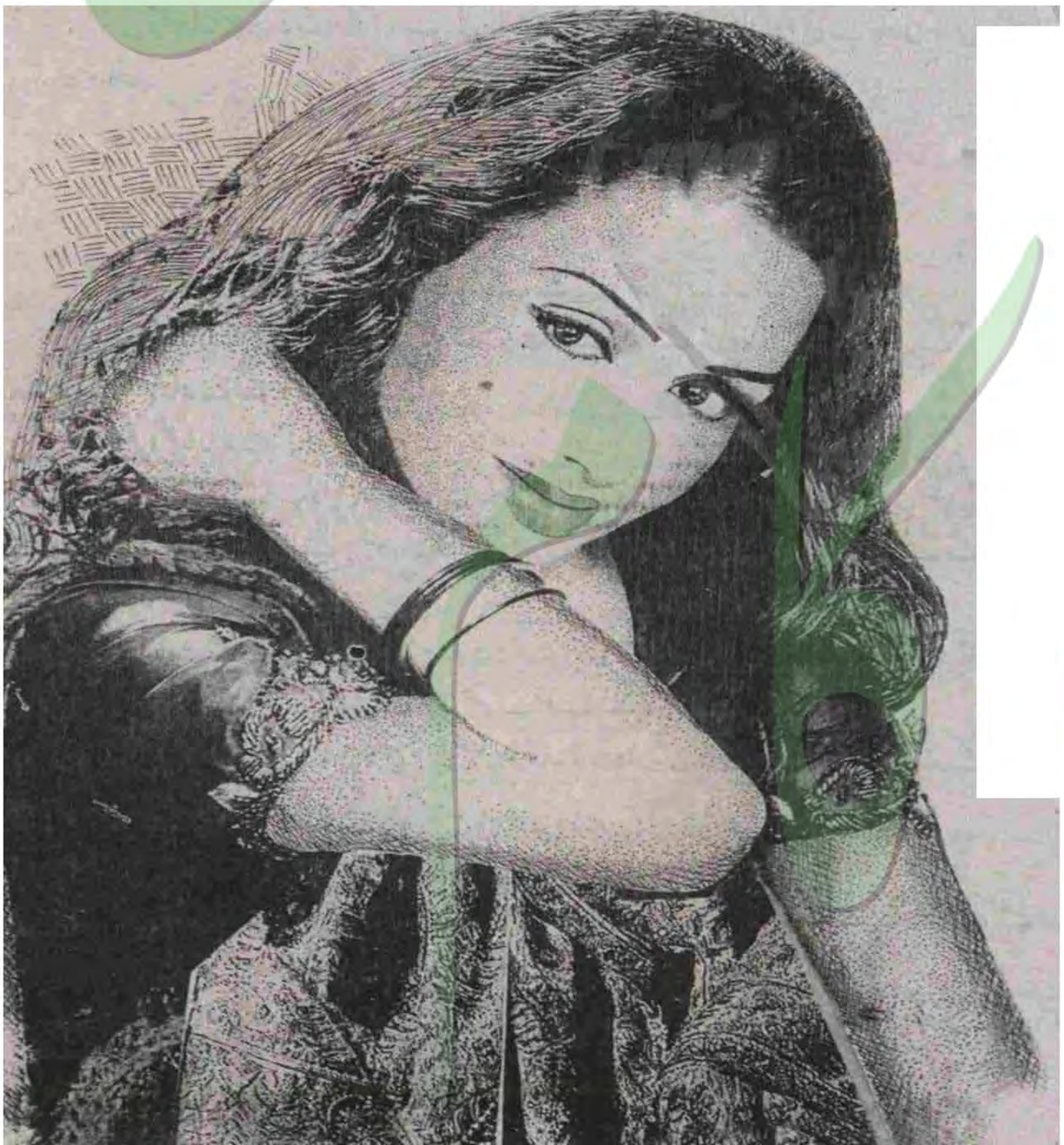

آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد مراد نے گاڑی ادینہ کے گھر کے سامنے روکی۔ ادینہ کے ساتھ وہ اندر تو نہیں جانا چاہتا تھا مگر ساتھ میں سامان وغیرہ زیادہ تھا سو ماہی کو گاڑی میں ہی چھوڑ کر سامان اٹھائے اندر گیا۔ پھپھو کو دور سے ہی سلام کیا اور الٹے قدموں واپس آ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی پہلی نظر ماہی پر ڈالی جس نے اس کی آمد پر خاص توجہ نہ دی تھی۔

''دل کے ارمان آج دل میں ہی دبانے پڑے تمہیں' ہے ناں؟'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ہنی مون ٹرپ پر اس نے جان بوجھ کر جانے سے انکار کیا تھا' مقصد ماہی کے جذبات پر وار تھا مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ ماہی کے تمام احساسات و جذبات اس نے شادی کی پہلی رات ہی اپنی سفاکیت سے کچل ڈالے تھے' اب شاید وہ مراد سے متعلق کوئی خاص جذبہ دل میں نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

''مجھے ایسا کوئی ارمان نہیں تھا''۔

''کمال ہے' خود سے زیادہ چاہا ہے تم نے مجھے' پھر بھی نہیں تھا؟ تعجب ہے من چاہے شوہر کے ساتھ بھی تمہارے ارمان سوئے ہوئے ہیں''۔ ماہی کے منہ سے اگلوائے جملے کو ذہن میں رکھے وہ طنز سے باز نہ آیا۔ وہ لب بھینچے باہر دیکھنے لگی۔ اس لمحے مراد سے اعترافِ محبت اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت لگی۔

''دل تو تمہارا بہت چاہتا ہوگا کہ سب کے سامنے چیخ چیخ کر مجھے برا بھلا کہو' اپنی بے چارگی ظاہر کرو''۔ وہ پھر سے بولا تھا۔

''یہ آپ کی غلط فہمی ہے' میں ایسا کچھ نہیں کروں گی''۔

''کب تک ڈیئر! آخر کب تک؟'' وہ لطف اندوز ہوا۔

''جب تک ہو سکا''۔

''چلو دیکھتے ہیں تمہاری برداشت کی حد کہاں تک ہے''۔ وہ چیلنج پر اتر آیا۔

''برداشت کی حد جہاں تک بھی ہوئی مگر ایک بات تو طے ہے' اپنے عمل کو زبان آپ خود دیں گے''۔ ماہی بنا کسی سوچ یا مستحکم ارادے کے برجستہ بولی۔

''پاگل سمجھا ہے مجھے''۔ وہ تمسخرانہ ہنسا۔

''نہ میں اپنے ماں باپ کو اپنی وجہ سے کوئی دکھ دوں گی نہ آپ کی وجہ سے اپنے بھائی کو اُن کی نظروں میں گرنے دوں گی۔ وقار بھائی میرے لیے ہر صورت قابلِ محترم ہیں''۔ ماہی نے اسے چڑانے اور غصہ دلانے کے لیے مضبوط آواز میں وقار کا ذکر کیا۔

''ایک بات بتا دوں میں تمہیں' میرا بیر بہت برا ہے' جس شخص سے مجھے نفرت ہو اُس کے ساتھ میں اُس سے جڑے رشتوں کو بھی نہیں بخشتا''۔ مراد نے جواباً ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے ڈرانا چاہا۔

''اب مجھے پرواہ نہیں''۔ ماہی کا لہجہ آج مضبوط تھا۔ نڈر آواز میں بولتی بے خوف انداز میں کندھے اچکائے۔ گاڑی سست روی سے مین روڈ پر دوڑ رہی تھی۔

''تمہیں پرواہ ہونی چاہیے' تم وقار کی بہن ہو''۔ وہ تلخ ہوا۔

''اس میں میرا کوئی قصور ہے نہ میں اپنے بھائی کو قصوروار سمجھتی ہوں' مجھے تقدیر کے لکھے پر انسان کے فیصلے سے زیادہ یقین ہے' انسان بدلہ لے سکتا ہے لیکن تقدیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا''۔

''بولتی اچھا ہو تم مگر بے کار' مجھے ایسی باتوں سے کوئی غرض نہیں۔ یہ دنیا مکافاتِ عمل کے گرد گھومتی ہے' جو جس

کے ساتھ جیسا کرے گا ویسا ہی تمام عمر کاٹے گا' مجھ میں اور تمہارے بھائی میں کوئی فرق نہیں ہاں البتہ اس نے بویا تھوڑا تھا مگر اب کاٹے گا زیادہ''۔ مراد کے لہجے میں لچک نام کو نہ تھی۔ اب کے مہ روش وقار کے مسلسل ذکر سے بیزار ہوئی۔

''آپ اپنا کھیل اپنے طریقے سے جاری رکھیں' نہ میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں نہ ہی میرا بھائی۔ آپ کا انتقام میری بے بسی کو اتنا بے بس نہیں کرے گا کہ میں آپ سے اچھے کی امید کروں' میں کبھی آپ کے سامنے نہیں روؤں گی نہ اپنی وجہ سے کسی کو مجبور کروں گی کہ وہ میرے لیے آپ کے سامنے جھکے''۔ سنجیدگی سے کہتی آخر میں وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئی تھی اور پھر بہری بنی باقی تمام راستے لب سیئے خود کو باہر محو کیے رہی البتہ مراد منصور اپنی عادت سے مجبور اسے سنانے میں مصروف رہا۔

☆

اس کا عزم ناکام ہو چکا تھا۔ سوچیں گہرے قفل کے باوجود مسلسل منتشر ہوتی جا رہی تھیں اسے بے بس کرنے' علی کی یادیں ہر وقت اس کے تعاقب میں رہتیں۔ اس کے ہر ارادے کو مات دینے کے لیے بے قرار رہتیں اور وہ لاکھ جدوجہد کے باوجود تھک ہار سی جاتی تھی۔

''پلیز علی.....!''

فری پیریڈ میں اسکول کے لان کے تنہا گوشے میں بیٹھے اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے گویا علی کے تصور سے استدعا کی تھی جو گزرے ہر لمحے کے ساتھ اس کے ذہن پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔

''کیوں نہیں چھوڑ رہے تم میرا پیچھا..... کیوں تنگ کر رہے ہو مجھے' میں تمہیں سوچنا نہیں چاہتی۔ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا پھر کیوں مجھے ماضی میں قید کرنا چاہ رہے ہو''۔ اس کے سر میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کسی سے اس بارے میں شیئر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اور نہ اکیلے اس عجیب ہوتی صورتحال سے نمٹ پا رہی تھی۔

''بے شک مجھے تمہیں فریب نہیں دینا چاہیے تھا''۔ اندر ہی اندر وہ اعتراف کرنے لگی مگر یہ اعتراف، وہ محض اپنی جان چھڑانے کے لیے کر رہی تھی۔ اسے ذہنی سکون چاہیے تھا جو تین ماہ سے نہیں ملا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ تمہارے بے لوث جذبات کو میرے جھوٹے محبت کے ناٹک سے ٹھیس پہنچی ہے مگر میں مجبور تھی..... کیسے بتاتی میں تمہیں۔ میرے بتانے پر تم کبھی اپنے قدم پیچھے نہ لیتے۔ جو ہوا وہ گزر گیا ہے اور گزرا ہوا وقت راہیں جدا کر دیتا ہے۔ پھر تم کیوں میرے تعاقب میں ہو۔ ہماری راہیں شروع سے جدا تھیں''۔

معلوم نہیں مستبشرہ' علی آیان کو سمجھا رہی تھی یا خود کو تسلی دے رہی تھی البتہ محو حیرت تھی کہ اس کے تصور کا ہر فیصلہ دماغ سے قبولیت کی سند لیتا دل کی طرف سے رَد کیوں کیا جا رہا تھا۔ کیا اس کا دل دماغ سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے مسلسل اس کی ناکامی کی وجہ بن رہی تھی یا شاید اس کا دل' دماغ سے بدلہ لے رہا تھا۔

وہ عجب صورتحال میں پھنسی دل و دماغ کے چکر میں نئے سرے سے گھن چکر بنی۔ ایک مرتبہ پھر بہت سے سوال' اس سے جواب کے منتظر تھے۔ دماغ کے الجھاؤ کے باوجود کیوں اس کا دل شانت تھا.....؟

کیا اس کا دل دماغ کی بے سکونی پر شاد' علی کی یادوں کی روانی پر مطمئن ہو کر بے خبر رہنا چاہتا تھا.....؟

کیا اس کا دل اس لیے دماغ کی بھرپور نفی میں سرگرداں تھا کہ علی کو فریب دے کر محبت کی راہوں سے پیچھے ہٹانے کے فیصلے پر اسے نظر انداز کر کے محض دماغ کی رائے مانی گئی تھی۔

اور اب دل' دماغ کے اُسی فیصلے کے غلط ثابت کرنے پر مصر تھا۔

www.Paksociety.com

''اگر تھا تو کیوں تھا.....؟''

''یوں تو وہ خود بے قرار رہ سکتا ہے؟''

مستبشرہ جمال نے کوئی تسکین بخش جواب نہ پایا تو خود پر بپھر گئی۔

''کیا ہوتا جا رہا ہے مجھے؟'' نا سمجھی میں بے بس ہوتی وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے غیر مرئی نقطے کی طرف دیکھنے لگی جبھی ایک جملہ سماعتوں سے دھماکا بن کر ٹکرایا۔ اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ کان میں ابھرتی آواز اس کی دوست نما روش کی تھی۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ کل تمہیں اپنے دماغ کے اس فیصلے کی وجہ سے اپنے دل کے لیے پچھتانا پڑے''۔ ماہی کے تب کے دوستانہ لہجے میں کہی بات نے مستبشرہ کو اس لمحے بری طرح جھنجھوڑ کر سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر شاید کچھ دیر پہلے ذہن میں ابھرتے دل و دماغ کے اختلافات میں پھنسے سوالات کے جواب جاننے کی راہ دکھا کر اُسے حواس باختہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ بھنویں سکیڑ کر نفی میں سر ہلاتی وہ بے یقین تھی۔

''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا''۔ وہ ماننے سے انکاری ہوئی۔

اگر یہ انکشاف تھا تو اس کے لیے بہت برا ناقابلِ ستائش تھا' اگر یہ سچ تھا تو اس کی ہار تھی۔ اس کی تمام تر جدوجہد کی ناکامی تھی' فسانے کی حقیقت تھی تو پھر مستبشرہ جمال کی بے یقینی لازم تھی۔ اپنے ہی کھیل میں بازی خود پر الٹتے وہ برداشت کیسے کرتی..... محبت اس کے دل کا روگ نہ تھی پھر اعترافِ محبت کیسے کرتی۔

''نہیں..... میرے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا' یہ سنگین مذاق میری توہین نہیں کر سکتا' ایسا ہو ہی نہیں سکتا' میں پیچھے مڑ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں نے بابا جان کا اعتبار ملتان واپسی تک نہیں ساری عمر خود پر سلامت رکھنا ہے..... علی میری زندگی میں کسی صورت تمہاری گنجائش نہیں نکلتی''۔ بینچ سے اٹھ کر وہ باقاعدہ نفی میں سوچتی چھوٹے چھوٹے چکر کاٹتی اپنے اندر لچک لانے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی مگر ایسے میں شاید بہت سی چیزیں اور باتیں اس کے خلاف اس کی راہِ فرار میں روڑے اٹکانے کے لیے مسلسل تگ و دو کر رہی تھیں۔

''میری یادیں تمہارا سکون تباہ کر دیں گی''۔ یہ علی کا جملہ تھا۔ اس کی کرب میں بھیگی آواز مستبشرہ کو اپنے بے حد قریب سنائی دی۔

کیا واقعی..... علی کا کہا سچ ہو رہا تھا۔ مستبشرہ اپنا سکون کھوئے جا رہی تھی مگر اسے تو علی سے نہ تب لگاؤ تھا نہ اب۔ پھر اس بے سکونی کی وجہ..... پچھتاوا تھا..... مگر نہیں..... اسے اب بھی اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا نہیں تھا' وہ اپنے حق بجانب ہونے پر اب بھی قائم محض چھٹکارے کی خواہاں تھی' تو پھر یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ اس کی بے قراری کیوں بڑھتی جا رہی تھی' کیوں اس کا دماغ سوچوں پر مضبوط قفل ڈالنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

''کہیں اس سب کی وجہ اس کا دل تو نہ تھا؟''

جہاں بناء اسے خبر ہوئے کچھ نہ کچھ بدلتا جا رہا تھا' کیا اس کے جذبات دھیرے دھیرے اس سے بغاوت پر آمادہ ہوتے جا رہے تھے' کیا اس کے احساسات علی کا خط پڑھنے کے بعد کچھ بہت خاص محسوس کرنے لگے تھے؟

''نہیں!'' مستبشرہ نے دل ہی دل میں چیختے ہوئے کھلے بالوں کو جوڑے کی شکل دی۔ اب کے اسے دماغ کی ہر بات پُرسوچ' ہر فیصلہ میلوں دور ہوتے دکھائی دیئے۔ دھیان تھا تو صرف دل کی طرف مائل' جبھی متحیر سی چکرا کر گرنے کو ہوئی مگر اس سے پہلے کہ وہ کسی حتمی نقطے کو صحیح یا غلط قرار دیتی پیریڈ اوور ہونے پر بجتی زوردار گھنٹی اسے باہر کی دنیا میں واپس لائی۔ اسے اپنا سر بھاری ہوتا محسوس ہوا۔ پیریڈ لینے کو ذرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کچھ ہی پل میں قریب سے ارم کا

گزرنا ہوا تو مجبوراً اسے آواز دی۔

''ارم!'' آواز پر وہ مڑی اور اس کے قریب چلی آئی۔

''تم فری ہو ابھی؟'' مستبشرہ نے سوالیہ پوچھا۔

''ہاں کیوں؟'' وہ بولی اور اسے دیکھتے ہوئے مزید اضافہ کیا۔ ''مسلسل سوچنے سے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی' کیا ہوا ہے؟'' ارم نے اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔ مستبشرہ کا چہرہ واقعی الجھن آمیز تاثر دے رہا تھا۔

''سر میں بہت درد ہے اسی لیے تمہیں بلایا کہ پلیز اگر تم فری ہو تو میری کلاس لے لو''۔ اس نے کہا۔

''کیوں نہیں ضرور..... تم یہاں بیٹھو میں جاتے ہوئے ٹوا سے کہتی جاؤں گی کہ تمہارے لئے چائے لے آئیں اور باقی پیریڈز کی بھی فکر مت کرنا' میں یاماریہ جو بھی فری ہوئی تمہارا پیریڈ لے لے گی''۔ ارم نے خالص دوستانہ انداز میں کہا تو مستبشرہ تشکر سے مسکرائی۔

''تھینک یو سو مچ!''

جواباً ارم نے ایک پیاری سی اسمائل اس کی طرف پاس کی اور چلی گئی۔ مستبشرہ نے اس کے جانے کے بعد ریلیکس ہو کر بیٹھنا چاہا مگر پُرسوچ انداز میں۔

''مجھے کسی کی نظروں میں نہیں آنا' اماں تو مجھے یوں گم صم پریشان دیکھ کر ضرور مجھ سے وجہ پوچھیں گی' میں انہیں پھر کیسے قائل کروں گی' انہیں تو ویسے بھی میری صحت کی فکر رہتی ہے' میری ٹیچنگ انہیں میری ڈسٹربنس کی وجہ لگے گی اور میں نہیں چاہتی کہ وہ پریشان ہوں' مجھے کمزور نہیں پڑنا۔ اماں اور بابا کی نظروں میں علی کے ہاتھوں مشکوک نہیں بن سکتی میں' نہ علی کو خود پر حاوی رکھ کر اپنی زندگی کا سکون داؤ پر لگا سکتی ہوں' محض علی کی یاد مجھے دل سے نکالنی ہے' پھر میں اسے سوچوں گی بھی نہیں''۔ ایک اور عزم خود سے کرتی وہ شانت ہونے کی سعی کرنے لگی مگر شاید..... نہیں بلکہ یقیناً علی کی یاد دل سے نکالنے کا عزم اس کے لیے نہایت مضبوط مگر دراصل بہت کمزور تھا' اس کے شعور پر مکمل طور پر واضح ہونے سے قبل علی کی یادیں اس کے دل میں بسیرا کر چکی تھیں جن سے چھٹکارا اب اس کے بس کی بات نہ تھی۔

پُرفریب محبت کا ناٹک تین ماہ بعد پُرسحر انداز میں چھانے لگا تھا۔

☆

''اب تک کتنی نفرت کرنے لگی ہو مجھ سے؟'' مہ روش کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے اس نے بغور اسے دیکھا' ساتھ ہی سوال داغا' کلثوم بیگم محلے میں کسی کی عیادت کو گئی ہوئی تھیں' مراد لان میں بیٹھا تھا اور اب چائے کا سپ لیتے ہوئے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا' ماہی نے کچھ پل کو اُسی کے انداز میں اُسے دیکھا' فرار کا کوئی ارادہ اب وہ بھی نہیں رکھتی تھی ہاں جواب دے کر مراد منصور کے کھیل میں برابر ساتھ ضرور دے رہی تھی۔

''جتنی آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں''۔

''یعنی دیوانگی کی حد تک!'' وہ محظوظ ہوتا ہنسا۔

''آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے''۔ جبھی وہ بولی۔

''تم سے شادی کر کے..... یا..... انتہا کی محبت کر کے''۔ غیر سنجیدہ انداز میں سوال مراد کے استفہامیہ لہجے سے ملاپ کرتا ماہی سے پوچھا گیا۔

''اپنی اعلیٰ ظرفی پر پردہ ڈال کر''۔ تیسرے ہفتے وہ سنبھل چکی تھی' تحمل سے معنی خیز انداز اپنایا۔

www.Paksociety.com

''مطلب.....؟'' مراد نے چائے کا سپ لیتے ہوئے سوالیہ اسے دیکھا۔
''چار دیواری میں وار آپ کے غصے کو کم کرسکتا ہے نہ آپ کو آپ کے مقصد میں کامیابی دلا سکتا ہے''۔ وہ دوٹوک بولی۔
''تم نے کیا مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے جو میں خود کو سب کی نظروں میں برا بناؤں گا''۔ وہ کپ ٹیبل پر رکھتا اس کے برابر آیا۔
''دکھ والم کی مورت میں بھی نہیں بنوں گی''۔ وہ اب کمزور بالکل نہیں ہونا چاہتی تھی۔
''تم شاید ابھی تک مجھے ٹھیک سے جان نہیں سکی کہ میں کتنا خراب بندہ ہوں''۔ بڑھتی جرح کے ساتھ مراد کا لہجہ اپنے اندر سختی لے آیا تھا۔
''جان کے کوئی فائدہ نہیں ہے''۔ ماہی نے اگنور کیا۔
''اب تک میں ایک حد کے اندر تم سے برتاؤ کررہا ہوں' تمہارا چیلنجنگ انداز تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے سو احتیاط برتو ورنہ ایک ایک لمحہ تنگ گزرے گا تمہاری سانسوں پر''۔ وہ مقابل کو سننے کی اتنی ہی سکت رکھتا تھا' شہادت کی انگلی اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتا اسے تنبیہ کرنے لگا۔
''ایک مرتبہ اعتبار و محبت کر کے نقصان اٹھالیا ہے۔ اب زندگی کی حقیقت اور کتنی بربادی لاسکتی ہے میں اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی''۔ وہ چپ نہ ہوئی۔
مراد کے ہاتھوں محبت کے نام پر دھوکا کھانے کے بعد وہ دل تو سنبھال نہیں سکی تھی۔ محبت' محبوب کی محبت کے نام پر دھڑکتا دل ایک زوردار چھناکے سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بھی صبر کرتی اپنے ہی لیے بے حس بنی۔ ٹوٹے دل کی کرچیاں سمیٹیں نہ کھل کر روئی۔ ابھی تک باقاعدہ پلان اگرچہ اس نے نہیں بنایا تھا مگر سوچ لیا تھا کہ اب مراد کے سامنے کمزور نہیں پڑے گی۔
''میرے سامنے اکڑنے کی غلطی کبھی مت کرنا ماہی!'' مراد کو اگرچہ اس کی بات طیش دلا چکی تھی مگر وہ کنٹرول کر گیا۔
مہ روش اب کے بناء کچھ بولے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ فی الحال وہ کسی سوچ پر عمل کی پکڑ کو نہیں لے سکی تھی۔ مراد کے سامنے اسے عجب کوفت ہوتی' صبح وہ آفس جاتا تو کچھ ریلیکس فیل کرتی' شام کو وہ واپس آتا تو اُسی کے کہنے پر اسے چائے بنا کر دیتی پھر اُس کی نظروں سے اوجھل ہونے کی تگ و دو کرتی' کبھی پھپھو کے ساتھ باتوں میں لگتی تو کبھی بہانے سے کچن میں ان کے ساتھ کھڑی ہوجاتی۔ ڈنر کے بعد ٹی وی لگا کر بیٹھ جاتی مگر رات کے وقت فرار کے تمام راستے اس کے لیے مفقود ہوجاتے' مراد روزِ اول کی طرح اس سے برتاؤ کرتا۔ ماہی اس کے لمس سے گھبراہٹ محسوس کرتی مگر مراد اپنا حق بڑی شان سے وصول کرتا' ساتھ کئی طعنے' طنز اسے سناتا' ماہی کے لیے اس کی قربت سے جان چھڑانا تو ناممکن تھا مگر ایک دو دفعہ کی برداشت کے بعد وہ برابر اُس سے اُسی کے انداز میں گفتگو کرتی' ہر رات کا ایک ایک منٹ گزارنا اسے بھاری لگتا۔
شادی سے پہلے کے دیکھے خواب سپنے' مراد کی قربت کا خوشگوار تصور' پیار محبت کی باتیں سوچتی تو انجانی اذیت کا شکار ہوتی۔
''کتنی بے وقوف تھی میں..... کیوں باآسانی دھوکا کھا گئی''۔ اپنی ہی سوچوں کے محور میں وہ پھنستی تو بے چارگی سے سوچ کر رہ جاتی۔ مراد کا شاطر دماغ نہ پڑھ سکنے کا اسے بے حد افسوس تھا۔ شادی کو ایک مہینہ ہونے کو تھا اس دوران کمرے سے باہر ماں کے سامنے وہ اسے بے حد محبت سے بلاتا' یوں ظاہر کرتا جیسے ماہی کو دیکھے بناء ہر لمحہ اس کا

www.Paksociety.com

بے تاب گزرتا ہو' بیٹے کا انداز اور مہ روش کے لیے پیار دیکھ کر کلثوم بیگم نہال سی ہوجاتیں۔
''شکر ہے اب یہ بھی زیادہ تر خوش رہتا ہے' اللہ تم دونوں کو یونہی شاد و آباد رکھے' مراد کے غصے کو کم کرے' تم دونوں سدا خوش رہو مجھے اور کیا چاہیے''۔ جس کا اظہار وہ مہ روش کے سامنے کرتیں تو وہ ان کے سامنے مسکرا دیتی۔
دن ایک ایک کر کے گزر رہے تھے۔ مہ روش نے ایک دو دفعہ امی کی طرف رہنے کی بات مراد سے کلثوم بیگم کے سامنے کی مگر وہ اپنے ہی انداز میں اسے روک گیا۔
''کچھ دن رک جاؤ' ابھی مہمان بھی آجارہے ہیں اور بائیس سال ماموں کے یہاں گزارے ہیں تم نے' یہاں ایک مہینہ ہوا ہے ابھی' ہمیں بھی اپنی خدمت کا موقع دو' کیوں امی؟'' انداز ہلکا پھلکا' لہجہ مسکراتا تھا۔
''کچھ دن بعد چلی جانا' میں اتنا ظالم تو نہیں کہ تمہیں روکوں گا''۔ بات جاری رکھتے ہوئے بولا' ماہی اس کی دوغلی' جھوٹی باتوں اور محبت بھرے انداز پر دل ہی دل میں سوچ کر رہ جاتی۔
''کاش..... میں ابھی کے ابھی آپ کے چہرے سے اچھائی و محبت کا نقاب اتار سکوں' آپ کا اصلی روپ کم از کم پھپھو کے سامنے لاسکوں''۔
''ہاں بیٹا! کچھ دن بعد چلی جانا' اب ہمیں بھی تمہاری عادت سی ہوگئی ہے''۔ پھپھو نے بھی بیٹے کی بات پر یہی کہنا مناسب سمجھا۔
''پھپھو! جیسے آپ چاہیں''۔ وہ اتنا ہی بولی۔
چار پانچ دن گزرے تو پریشے کی کال آئی۔
''کیسی ہو پریشے بیٹا؟''
''میں ٹھیک ہوں پھپھو! آپ کیسی ہیں؟''
''اللہ کا شکر ہے بیٹا! ٹھیک ہوں' سعید بھائی کیسے ہیں؟''
''ابو بھی ٹھیک ہیں' پھپھو! ماہی کو کچھ دنوں کے لیے بھیجیں ناں۔ سب اسے بہت یاد کرتے ہیں اور پکچرز بھی Develop ہوکر آگئی ہیں' میں نے اسے بتایا بھی تھا کہ آکر دیکھے''۔ وہ فوراً ہی اصل مدعا کی طرف آئی تھی۔
''کیوں نہیں بیٹا! میں مراد سے کہوں گی وہ ماہی کو تمہاری طرف کچھ دنوں کے لیے چھوڑ آئے گا''۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔
''تھینک یو سو مچ پھپھو!'' وہ خوشی سے گنگنائی۔
''مہ روش کہاں ہے اس وقت' اس سے بات ہوسکتی ہے؟''
''میں ابھی اسی کی طرف سے آرہی ہوں' اس کے سر میں درد تھا ابھی ٹیبلٹ وغیرہ دی ہے اسے' آرام کررہی ہے' کہو تو اسے بلالاتی ہوں''۔ انہوں نے بتایا۔
''نہیں پھپھو! پھر رہنے دیں' ویسے بھی اب آئے گی تو پھر کرلوں گی اس سے ڈھیر ساری باتیں''۔ اس نے منع کیا۔
''چلو ٹھیک ہے''۔ وہ ہنسیں۔
''اچھا پھپھو! اب میں فون رکھتی ہوں اللہ حافظ''۔ پریشے نے نفیسہ بیگم کے بلانے پر اجازت چاہی۔
''اللہ حافظ بیٹا''۔ الوداعی کلمات کے بعد انہوں نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھا۔ شام کو جب مراد گھر آیا تو انہوں نے پہلا کام یہی کیا اسے ماہی کو لے جانے کے لیے کہا۔

www.Paksociety.com

''ٹھیک ہے میں اسے لے جاؤں گا مگر وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے' کل صبح میں آفس جاتے ہوئے اسے ڈراپ کردوں گا اور واپسی پر لے آؤں گا''۔ حامی بھرنے کے علاوہ کچھ دن ماہی کے وہاں قیام کا سن کر ساتھ ہی وہ بولا۔

''بات ضرورت کی نہیں ہوتی' ماں باپ کے گھر بیٹیاں جاتی ہیں رہنے' ابھی ادینہ بھی تو یہاں رہ کر گئی تھی اور مہ روش کی شادی کو صرف ایک ڈیڑھ مہینہ ہی ہوا ہے' اتنی جلدی میکے کی یاد پیچھا نہیں چھوڑتی' اس کا دل بھی چاہتا ہوگا بے چاری پہلے بھی تمہارے کہنے اور روکنے پر رک گئی تھی' کچھ بولی بھی نہیں' اب جائے گی اور دو تین دن رہ کر واپس آ جائے گی''۔ انہوں نے کہا۔

''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں''۔ اس نے کندھے اچکائے۔

''کچھ دیر بعد اسے لے جانا' میں نے اسے تیار ہونے کو کہہ دیا ہے''۔ وہ اسے ہدایت دینے لگیں۔

''اوکے!'' وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھا' مہ روش تیار تھی' اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آخر موقع مل رہا ہے تمہیں' خوب...... سب اپنی زبانی کہہ سنانا میری طرف سے مکمل اجازت ہوگی''۔ وہ پہلا قدم اندر رکھتے کے ساتھ ہی بولا۔

''میں باہر ہوں آپ ڈریس چینج کرلیں' دیر ہو رہی ہے' پریشے کا بار بار فون آ رہا ہے''۔ ماہی نے سنی ان سنی کرنے کی کوشش میں آہستگی سے کہا اور جانے لگی تھی فی الحال وہ مراد سے ہرگز نہیں الجھنا چاہ رہی تھی۔

''آں ہاں......!'' مراد نے فوراً سے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے قریب کرلیا۔ مہ روش نے اچانک افتاد پر سنبھلنے کی سعی میں نگاہ جھکائے اس کی قربت میں بنا حرکت کے ہونٹ کاٹے۔

''تمہیں اتنی چاہ سے اس لیے بیاہ کر لایا تھا کہ تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹوں مگر تم تو فرار کے چکر میں رہتی ہو' اتنی بیزاریت کیوں ڈیئر وائف...... یو نو آئی لو یو اینڈ آئی کانٹ لیو وِدآؤٹ یو''۔ مراد نے اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے کہا ارادہ محض اسے تپانے کا تھا۔

''پلیز!'' وہ واقعی الجھے انداز میں ایسا تاثر دے کر مراد سے دور ہٹی کہ وہ ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

''حد ہوتی ہے جھوٹ فریب کی' مت کریں مجھ سے ایسی باتیں''۔ وہ مزید بھڑکی۔

''تم سے نہ کروں تو اور کس سے کروں ڈیئر!'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''اپنی اس ناکام محبت سے کریں جو کم از کم آپ کے معیارِ محبت پر پوری اترے' میں آپ کے گھٹیا جذبات اور عروش کا مقابلہ کھلی بے شرمی سے نہیں کر سکتی' ہاں البتہ عروش نے آپ کو آپ کے ہی انداز میں جواب دے کر آپ کی محبت کا حق دار ہونے کا پورا ثبوت دیا ہے تو پھر آپ اپنے تمام جذبے اسی کے لیے بچا کر رکھیں۔ کسی دن اس کے بھی اور آپ کے بھی کام آ جائیں گے''۔ وہ بولی تو بڑے دھڑلے اور بے خوف انداز میں تھی مگر اگلے ہی لمحے گال پر پڑنے والے زوردار تھپڑ نے اس کے قدموں کو جگہ سے ہلایا تھا' گرنے سے بچنے کے لیے دیوار کا سہارا لیتی وہ بے یقین بالکل بھی نہ تھی البتہ چہرے پر سرکتے بالوں کی اوٹ میں اس کی آنکھیں نمی سے تر ہونا چاہتی تھیں مگر بڑی دقتوں سے اس نے خود پر قابو پالیا تھا۔

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ''۔ بے حد غصہ ہوتا وہ دبی آواز میں بپھر کر دھاڑا تھا' آج ماہی کی باتوں نے اس کا ایک اور سفاک روپ اس کے سامنے لایا تھا' ماہی کا انداز اس کی برداشت سے باہر نکل گیا تھا۔

''تمہیں میں نے کہا تھا کہ میرے سامنے اس انداز میں اور عروش کے متعلق کچھ غلط مت بولنا' میں برداشت نہیں کرسکوں گا''۔ وہ ماہی کو یاد دلانے کی کوشش میں کھینچ کر اپنے سامنے لایا' ماہی کو فوراً خود کو سنبھالنا پڑا۔ (جاری ہے)

عمیرہ عزیز

افسانہ

کٹھن ہیں راستے الفت کے

رخشندہ تقسیم پاکستان کے وقت نئی نویلی دلہن تھی' گود میں شیر خوار بچے کو اٹھائے ایک لٹے پٹے قافلے کے ہمقدم اس نے اس سرزمین پاک پر 28 اگست 1947 کو قدم رکھا' اس کا شوہر سکھوں کی یلغار میں مارا گیا' زخم تازہ تھے لیکن وطن ملنے کی خوشی بھی تھی اور اسے ابھی اپنے بیٹے کے لئے بھی جینا تھا' وقت اس کے لئے سب سے بہترین مرہم ثابت ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے زخم مندمل ہوتے چلے گئے۔

یہاں اپنے بچے کے درخشاں مستقبل کے لئے اس نے دوسری شادی کی اور خداوند کریم نے اسے چار بچوں سے نوازہ' سب بچے بڑے ہوئے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا' کما کر لانے لگے تو بوڑھے ماں باپ کا سہارا بنے' اسی اثناء میں باپ فوت ہوگیا' بڑے بیٹے کی شادی کی اسے علیحدہ کردیا' وہ لاہور چلا گیا' اس کے بعد باقی تین کی شادی یکے بعد دیگرے کی' لیکن ان میں سے ایک بیٹی دو بچوں کے بعد ہی بیوہ ہوگئی' وہ میکے آنے کی بجائے ایک اسکول میں نوکری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے لگی' ایک بیٹا خاور سعودی عرب چلا گیا' اس کے بعد ایک اور بیٹی آمنہ کی شادی کی لیکن اس کی سسرال والوں سے نہ نبھ سکی اور وہ جلد ہی طلاق لے کر گھر واپس آ گئی' اب خاور واپس آ رہا تھا' بہت دیر بعد کسی خوشی نے ان کے گھر میں قدم رکھا۔

''اب آئے ہو تو شادی کروا کے جاؤ''۔ رخشندہ نے اسے گھیرا۔

''اماں! آپ کی مرضی لیکن مجھے شادی سے بہت ڈر لگتا ہے''۔ اس نے جواب دیا۔

''خاور! سب کے نصیب ایک جیسے نہیں ہوتے' اب بڑے بھیا کو ہی دیکھ لو وہ ماشاءاللہ کتنے خوش باش ہیں''۔ آمنہ بولی۔

رخشندہ نے آمنہ کو دیکھا' اس کے چہرے پر یاسیت کی لہر آئی' رخشندہ کو اس کی آنکھیں نم محسوس ہوئیں۔

''چلیں چھوڑیں اماں! میں آج آپ کو اپنے ہاتھ کی کوئی مزیدار چیز کھلاتا ہوں''۔ خاور موضوع تبدیل کرنے کے لئے بولا۔ پھر دن بیتنے لگے' خاور کے لئے لڑکی کی تلاش زوروں پر تھی ایک جاننے والی کے توسط سے لاہور میں رشتہ طے ہوا۔ لڑکی کا باپ نہیں تھا' اس لئے جہیز نہیں لیا گیا' اس نے نیا گھر خریدا' اسے سجایا۔ صائمہ نے خاور کے گھر میں قدم رکھا تو اسے یوں لگا کہ جیسے اس کا خوبصورت گھر کا سپنا تعمیر پا گیا ہو' اس گھر میں اسے بے حد عزت پیار اور مرتبہ ملا لیکن صائمہ کی ماں فساد برپا کرنے والی خاتون تھیں' وہ اپنی بیٹی کو غلط پٹیاں پڑھانے لگیں' صائمہ وہ سب نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی ماں اسے مجبور کرتی اور اسے بدتہذیب ہونا پڑا۔

www.Paksociety.com

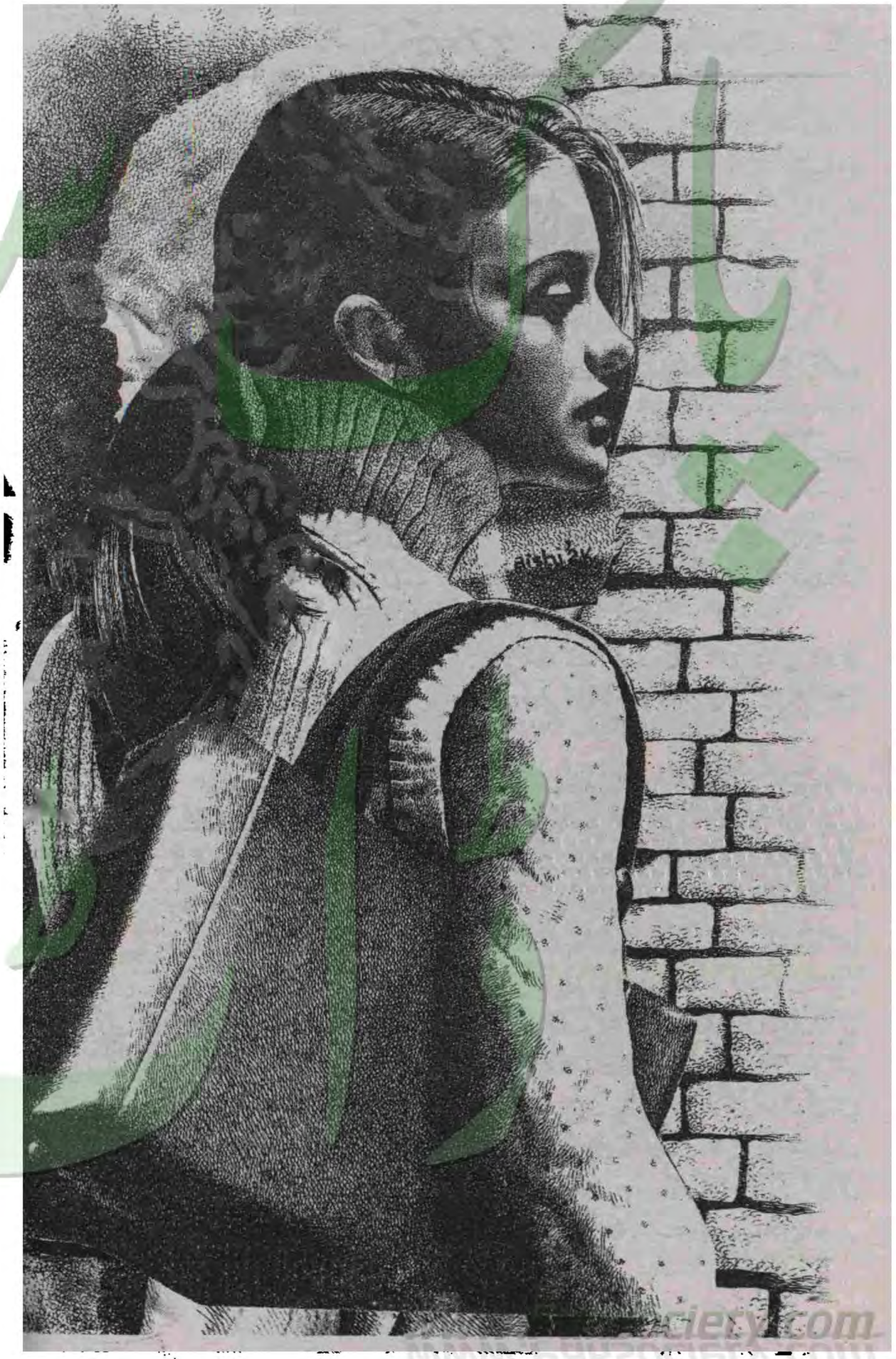

''خاور! میں مزید آپ کی اماں کے ساتھ نہیں رہ سکتی''۔ صائمہ بستر کی سلوٹیں درست کرتے ہوئے بولی۔

''لیکن کیوں......؟'' وہ دوستوں سے میل ملاقات کے بعد واپس آیا تو صائمہ عجب موضوع بحث لئے بیٹھی تھی۔

''خاور! میری بھی کوئی زندگی ہے وہ ہروقت میری پہرہ داری پر مامور نظر آتی ہیں' یہ نہ کرو' وہ نہ کرو ہونہہ......'' صائمہ چہرے پر نخوت طاری کرتے ہوئے بولی۔ خاور پلک جھپکے بنا اس کا چہرہ تک رہا تھا' اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی نئی نویلی دلہن بھی ایسے بولتی ہے۔

''ٹھیک ہے' اگر اسی میں تمہاری خوشی ہے تو کہہ دیتا ہوں اماں سے کہ آپ کی بہو کو آپ کا یہاں رہنا پسند نہیں''۔ خاور نے رخ پھیرا اور بستر پر جا کے لیٹ گیا۔

رخشندہ کو اس گھر سے تو ویسے ہی جانا تھا' وہ کچھ دیر کے لئے رکی تھیں' اگلے دن وہ چلی گئیں' صائمہ سمجھی کہ شاید خاور نے رخشندہ کو کہا ہے اس لئے وہ چلی گئیں' کافی دن وہ خاور کی نگاہوں سے نگاہیں نہ ملا پائی' خاور بھی روٹھا روٹھا معلوم ہوتا تھا' لیکن کب تک ایسے چلتا' اس نے اپنے مسئلے کا تذکرہ اپنی اماں سے کیا تو انہوں نے اسے جھڑک دیا۔

''ساس کو ہمیشہ ساس ہی سمجھو اور کبھی بھی اس کی زیادہ خاطر مدارات نہ کرو ورنہ وہ سر چڑھ کر بولے گی''۔ صائمہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

کچھ عرصہ بعد خاور واپس چلا گیا' صائمہ کی ماں اس کے پاس آ کر رہنے لگیں' اماں اسے روزانہ اس کی سسرال کے خلاف اکساتیں اور خاور کی کمائی پر مفت گزارہ بھی کرتیں۔

☆

خاور کو گئے چند ماہ ہی ہوئے تھے اب اماں ایک نیا سازشی جال بن رہی تھیں' معلوم نہیں کیوں وہ اپنی بیٹی کا گھر اجاڑ رہی تھیں؟ وہ روزانہ صائمہ کا سر کھاتیں اور واویلا کرتیں۔

''تمہارا خاوند اب واپس نہیں آنے والا' وہ بدبخت تمہیں چھوڑ کر چلا گیا' ہائے میری ہیروں جیسی بیٹی اکیلی رہ گئی''۔ وہ بس ہروقت یہی کہتی رہتیں۔

''بی بی! کس کا انتظار کرتی ہو......؟ بس کرو انتظار خاور کو واپس بلاؤ یا خود میرے ساتھ چلو''۔ اس کے دل میں ہوک اٹھتی' آخر کار وہ ایک دن بلبلا اٹھی۔

''اماں! کبھی تو بس کیا کرو' کبھی تو چپ کر جایا کرو ہروقت ڈراتی رہتی ہو' خاور وہاں کمانے گئے ہیں' آپ انہی کے پیسوں کا پکا کھاتی ہیں اور انہی کی باتیں بنائے جا رہی ہیں' اگر وہ واپس آ گئے تو بھوکے مر جائیں گے''۔

''لڑکی! ہم تو تمہارا بھلا ہی چاہ رہے تھے' تمہیں نہیں منظور تو نہ سہی' آج کل تو بھلائی کا دور ہی نہیں' اولاد کے تیور دیکھو ماں کی کس طرح تذلیل کر رہی ہے' ہم آج ہی واپس چلے جاتے ہیں''۔ یہ کہہ کر وہ مگرمچھ کے آنسو بہانے لگیں اور صائمہ پیر پٹختی چلی گئی۔

شام میں جب کمرے سے باہر آئی تو دیکھا اماں سامان تیار کئے گلی میں سے کسی رکشے کے گزرنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

''اماں......'' صائمہ بولی وہ پیچھے مڑیں اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''اماں! نہ جائیں''۔ یہ کہہ کر وہ ان کے گلے لگ گئی' اماں نے بھی اسے گلے لگایا اور بولیں۔

''بٹیا! ایک ماں سے بڑھ کر اپنی اولاد کا بھلا کون چاہے گا......؟''

☆

''ہاں ہاں...... پتا ہے آپ کا بھی آنٹی جی! معلوم ہے مجھے کہ یہاں آ کر کیوں بیٹھیں؟ بیٹے

www.Paksociety.com

کماتے نہیں' کھائیں گی کہاں سے ....؟ کماتا دامادِ مل گیا تو ادھر کا رخ کر لیا اور میرے بھائی کی دی ہوئی رقم پر پلنے لگیں"۔ جس پر اماں چلا اٹھیں۔

"ارے چپ کر جا' اب ادھر نظر آئی تو پھر دیکھنا"۔ اماں سے سچ کہاں برداشت ہونا تھا' اس لئے ہاتھ نچاتی بولیں اور دھمکی دے ڈالی۔

"بڑی آئیں مجھے سنانے والیں ہوتی کون ہیں؟ اگر اتنی ہی عزت والی ہوتیں ناں تو یوں بیٹی کے گھر آ کے نہ بیٹھتیں"۔ آمنہ نے بھی حساب برابر کیا۔

"اور ہاں مجھے طلاق یافتہ کہنے سے پہلے سن لیں کہ تمہاری بیٹی پر بھی یہ نوبت آ سکتی ہے' کیونکہ گود تو اس کی ہری ہوئی نہیں اس لئے بھیا کی دوسری شادی کرنا ہی پڑے گی"۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلتی بنی اور پیچھے اماں اور صائمہ کلس کے رہ گئیں' آمنہ کو نہیں معلوم تھا کہ صائمہ پریگنینٹ ہے۔

"لو دیکھ لو.... جس کی حمایت میں تو اتنا بول رہی تھی اس کی بہن تجھے کتنا بے عزت کر کے گئی"۔ اماں اپنی بے عزتی کا غصہ اس پر اتارنے لگیں۔ وہ ہاتھوں کو آپس میں رگڑنے لگی۔

"اور تیرے منہ میں زبان نہیں تھی اس کو کچھ کہنے کے لئے؟ میرے سامنے تو بڑی چلتی ہے"۔ صائمہ اماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"چل اب منہ کیا دیکھتی ہے؟ کر خاور کو فون ..... کہہ اسے کہ اب تو نہیں رہے گی اس گھر میں' اس سے زیادہ ہماری اور کیا بے عزتی ہو سکتی ہے"۔ اماں غصے سے بھری بیٹھی تھیں۔

صائمہ اٹھی اور اماں کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس نے خاور کو فون کیا اور مرچ مصالحہ لگا کر ساری روداد خاور کو سنائی' اس نے خاور کو روتے ہوئے کہا کہ وہ اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی' جب وہ واپس آئے گا تب ہی واپس آئے گی' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا' سامان باندھا اور ماں کے ساتھ چل دی۔

☆

ادھر آمنہ گھر پہنچی تو اس نے بھی ساری کتھا رخشندہ کو الف سے یے تک سنائی' رخشندہ یہ سب کہاں برداشت کر سکتی تھیں' اس نے بھی خاور کو فون کیا اور فوراً واپس آنے کو کہا' خاور دوہری صورتحال کا سامنا کر رہا تھا' ادھر صائمہ روزانہ خاور کو فون کر کے اس کے کان کھاتی اور ادھر آمنہ بھی اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا سوچ رہی تھی۔

☆

وہ واپس آیا تو آمنہ ایک کی دو کر کے بتانے لگی کہ کس طرح اس دن اس کے بے داغ کردار پر انگلیاں اٹھائی گئیں یہ سن کر خاور کی سانولی سی رنگت غصہ سے سرخ ہو گئی' اس نے آمنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کے اس کو دلاسا دیا' آمنہ کو معلوم ہو گیا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔ اب وہ روزانہ خاور کو بھڑکاتی اوپر سے رخشندہ نے بھی راگ الاپنا شروع کر دیا کہ اسے پوتا چاہئے' خاور کو آئے ہوئے کافی دن ہو گئے لیکن مسئلہ تھا کہ حل ہونے کی بجائے بڑھتا ہی چلا گیا' صائمہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا' رخشندہ اور آمنہ کی تو چال ختم ہو گئی اور ان کی زبان بند ہو گئی لیکن صائمہ تو اور شیر ہو گئی اور اسے مزید موقع مل گیا' وہ آنے کا نام تک نہیں لے رہی تھی۔

"صائمہ! واپس آ جاؤ"۔ خاور نے صائمہ کو دوبارہ فون کیا۔

"میں نے کہا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں آؤں گی جب تک آپ اپنی بہن اور باقی گھر والوں سے قطع تعلق نہیں کر لیتے یا وہ لوگ آ کر میری ماں سے معافی نہیں مانگ لیتے"۔ صائمہ نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

"صائمہ! دیکھو قصور میرے گھر والوں کا نہیں اور جہاں تک بات قطع تعلق کی ہے تو قطع تعلق کرنا گناہ

ہے"۔ خاور اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتی بس آپ کو میری شرط پر عمل کرنا ہو گا"۔ صائمہ ضدی لہجے میں بولی۔

"صائمہ! میرے گھر والے تو بالکل بھی نہیں آئیں گے اور قطع تعلق' اس سے اسلام میں منع فرمایا گیا ہے یہ حرام ہے اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ میں نے اپنا بچپن اور لڑکپن گزارا انہیں چھوڑ دوں.....؟ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس ماں نے اپنا پیٹ کاٹ کر مجھے پالا پوسا میری پرورش کی اور مجھے اس مقام پر کھڑا کیا اس سے منہ موڑ لوں ناممکن....."

"تو پھر ٹھیک ہے آپ مجھے چھوڑ دیں"۔ صائمہ نے خاور کی بات کاٹی۔

"میں تمہاری یہ خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہوں میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں لیکن اپنے گھر والوں اور اپنی ماں کو نہیں اور ویسے بھی تم نے مجھے آج تک دیا ہی کیا ہے سوائے دکھ و تکلیف کے"۔ خاور غرایا اور اس نے فون پٹخ دیا۔

☆

انہی دنوں جائیداد کی تقسیم کا وقت آ گیا' بڑے بھائی اور منجھلے بھائی نے ملی بھگت سے زیادہ حصہ خود رکھ لیا اور باقی ماندہ دوسرے بہن بھائیوں کو بانٹ دیا سوائے خاور کے اسے یہ کہہ کر حصہ نہیں دیا گیا کہ وہ پہلے ہی مشترکہ پیسوں سے مکان لے چکا ہے' اب وہ بے چارا ئی صورتحال کا سامنا کر رہا تھا' مایوسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

"ہیلو....." فون سے خاور کی آواز ابھری۔

"ہیلو....." دوسری جانب سے صائمہ کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"صائمہ! میں آخری بار کہہ رہا ہوں' اپنی شرط ختم کر دو' اس فضول کی لڑائی سے کوئی فائدہ نہیں واپس آ جاؤ"۔ خاور بے بسی سے بولا۔

"میری شرط برقرار ہے' میں اس سے پیچھے کیوں ہٹوں.....؟"

"ٹھیک ہے تم اپنی شرط اور اپنا بھرم قائم رکھو لیکن کل جب تم میرے مرنے کی خبر سنو تو تب بھی نہ آنا' آئی سمجھ"۔ خاور نے فون بند کر کے بستر پر اچھال دیا وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"آج رات بس آج رات اگر کل تک حالات ٹھیک نہیں ہوتے ہیں تو میں واپس چلا جاؤں گا کبھی نہ آنے کے لئے"۔ خاور نے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆

خاور پٹڑی پر لیٹا تھا ٹرین کے ہارن کی آواز فضا میں گونجی' اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کلمہ شہادت کا ورد کرنے لگا' ٹرین کے قریب آنے کی آواز آنے لگی' ٹرین بہت تیزی سے اس کی گردن کے قریب پہنچی اور صائمہ فوراً چیخ کے اٹھ بیٹھی' اس کا پورا بدن پسینے سے شرابور تھا' چیخ کی آواز سن کر اماں بھی جاگ گئیں۔

"کیا ہوا.....؟"

"اماں! وہ خاور....." اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

"آئے ہائے رات کو تو سکون کر لینے دے"۔ اماں غصے سے بولیں۔

"اماں خاور خود کو کچھ کرنے والے ہیں مجھے ان کے پاس جانا ہے"۔ صائمہ بچوں کی طرح بولی۔

"شرط تو اس نے تیری مانی نہیں اور تو اس کے پاس جانے کی بات کر رہی ہے کچھ نہیں ہونے لگا اسے سو جا"۔ اماں کروٹ لے کر بولیں۔

"خاور صحیح کہتے ہیں یہ لڑائی بے کار ہے"۔ صائمہ نے خود کلامی کی۔

"کیا.....؟" اماں کو شاید سنائی نہیں دیا تھا۔

"اماں! میں یہ فضول اور بے کار جنگ لڑ لڑ کے

www.Paksociety.com

تھک چکی ہوں' اماں مجھ پر رحم کھاؤ' میں تنہا رہ جاؤں گی''۔اس نے ماں کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''اچھا چل اب سوجا صبح اٹھ کر بات کریں گے''۔ اماں کو شاید نیند زیادہ پیاری تھی' اس لئے منہ تک چادر لی اور سو گئیں' لیکن صائمہ کی وہ رات کاٹے نہیں کٹ رہی تھی' اسے کیا ہوگیا تھا.....؟ صرف ایک خواب ہی تو تھا پھر اتنا ڈر کیوں.....؟ نہیں شاید وہ خواب بہت بھیانک تعبیر پا سکتا تھا' اس کا دل ڈوبا جارہا تھا' خاور کو فون کررہی تھی لیکن اس کا فون بند مل رہا تھا' جس سے وہ مزید گھبرا گئی' وہ رات اس نے جاگتے اپنے مجازی خدا کی سلامتی کی دعائیں مانگتے گزاری۔

☆

اگلے دن ہر فون کال پر اس کا دل دہل جاتا' ناشتے کے بعد اس نے اماں سے بات کرنے کی ٹھانی۔

''اماں''۔

''ہوں.....'' اماں وضو کرنے جارہی تھیں۔

''اماں! مجھے واپس جانا ہے''۔

''کیوں.....؟'' اماں نے ابرو چڑھائے۔

''اماں! یہ بے کار کی جنگ لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس سے خاور کے دل میں میرے لئے میل ہی آئے گا اور ویسے بھی اسلام میں قطع تعلق کرنا گناہ ہے تو ہم خوامخواہ کیوں گناہ کے مرتکب ہوں''۔ اس نے اماں کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ اماں خاموش رہیں۔

''اماں! مجھے بتاؤ کیا فائدہ اس جنگ کا.....؟ کوئی فائدہ نہیں''۔ صائمہ بولی لیکن اماں پھر بھی خاموش رہیں' صائمہ جھلا گئی۔

''اماں! آپ کو نہیں لے کے جانا تو نہ لے کر جائیں میں خود ہی چلی جاتی ہوں''۔ صائمہ وہاں سے جانے لگی تو اماں بولیں۔

''چل میں بھی تیرے ساتھ چلتی ہوں''۔ صائمہ خوشی سے اچھل پڑی۔ پھر وہ تیار ہو کے اماں کے ساتھ چل دی اور خاور کے مکان کے سامنے ہی جا کر اتری' ابھی وہ مکان کے سامنے کھڑی خوشی سے سرشار اسے دیکھ ہی رہی تھی کہ اندر سے وہ دشمن جاں گیٹ کھول کر باہر آیا' خاور بھی صائمہ کو اپنے سامنے دیکھ کر دنگ رہ گیا' اس نے پلکیں جھپکیں آیا کہ وہ کوئی سپنا ہی نہ دیکھ رہا ہو لیکن وہ حقیقتاً اس کے سامنے موجود تھے' بادامی رنگ کی شلوار قمیص پہنے دھوپ کی تمازت سے اس کی رنگت سرخ ہورہی تھی اور خاور سن گلاسز تھامے ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ میں آستین اوپر کئے کتنا خوبرو دکھائی دے رہا تھا' صائمہ دیکھتی رہ گئی۔

''السلام علیکم''۔ صائمہ کے مدھر سروں نے فضا پر طاری سکوت کو توڑا۔ خاور نے جواب دیا اور انہیں گزرنے کو راستہ دیا' اندر بیٹھایا اور ابھی آنے کا کہہ کر باہر نکل گیا' ایک گھنٹہ گزرا دو گزرے' اسی طرح دوپہر ہوگئی' صائمہ نہایت پریشان ہوگئی اور اماں کی زبان پھر چلنے لگی۔

''لو..... تمہیں ہی آنے کی پڑی تھی ادھر ان صاحبزادے کو کوئی خیال نہیں' معلوم نہیں بیوی کتنے دن بعد گھر واپس آئی ہے چلو اسے چھوڑو' بیٹا پہلی دفعہ آیا ہے اسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا اور.....''

''اوہو اماں! آپ تو چپ کر جائیں پہلے ہی آپ کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی ہے' معلوم ہے خاور مجھے چھوڑنے کی بات کررہے تھے''۔ آج اس نے اماں کے سامنے اس اہم راز سے بھی پردہ اٹھایا۔ اماں نے مزید اسے لتاڑ دیا۔

''اور تو ایسی بے شرم پھر یہاں چل پڑی''۔ صائمہ نے انہیں ٹوکا۔

''اماں! اب بس چپ کر جائیں کیوں میرے بسے ہوئے گھر کے پیچھے پڑی ہیں.....؟ مائیں اپنی بیٹیوں کا گھر بساتی ہیں اجاڑتی نہیں''۔ وہ چلائی۔

خاور سرشام گھر آیا اور آتے ہی کمرے میں بند ہوگیا پھر تو یہ معمول بن گیا' خاور اس کے کمرے میں جانے سے پہلے ہی سوجاتا یا اتنی دیر سے گھر لوٹتا کہ تب تک صائمہ سو چکی ہوتی' چھٹی والا دن ہی آمنا سامنا متوقع ہوتا لیکن اس دن خاور بیٹے کو گھر سے لے کر باہر نکل جاتا اور صائمہ گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔ خاور بیٹے کو پا کر بے حد خوش تھا' وہ اسے رخشندہ سے بھی ملا کر لایا' رخشندہ اور آمنہ نے بچے کو تو ہاتھوں ہاتھ لیا' لیکن خاور کو بھی ساتھ ہی تنبیہ کردی کہ وہ اس وقت تک خاور کے گھر نہیں آئیں گے جب تک صائمہ ان سے معافی نہ مانگ لے۔

☆

یہ انتظار بھی کیسا ظالم ہے.....؟ اس دنیا کی سخت ترین سزاؤں میں سے ایک انتظار بھی ہے' انتظار کی سولی پر تو نیند بھی کوسوں دور بھاگتی ہے' یہ سزا یا تو انسان خود چنتا ہے یا پھر کبھی اس کے اپنے ہی اسے اس کرب میں مبتلا کردیتے ہیں' صائمہ کو بھی تو انتظار ہی تھا' اپنے من میت کے لوٹ آنے کا۔

محبوب پاس ہو لیکن وہ نظر ملانا بھی گوارہ نہ کرتا ہو اور پھر بھی اس کی جانب نگاہیں مرکوز رکھنا' یہ انتظار ہی تو ہوتا ہے۔ ساجن پاس ہو لیکن وہ بات نہ کرتا ہو اور پھر بھی اس کی آواز سننے کے لئے کان کھڑے رکھنا' یہ بھی تو انتظار ہوتا ہے۔

''ہائے رے یہ انتظار..... کب تک چلے گا ایسے شاید جب تک یہ زندگی ہے''۔ یہ سوچ کر وہ دہلا گئی۔ کوئی اس کے اندر بہت زور سے چیخا۔

''اس انتظار کو ختم کیوں نہیں کرتی ہو' ختم کرو یہ انتظار' ورنہ یہ انتظار کسی امربیل کی طرح تمہارے جسم و روح سے چپک جائے گا اور انہیں مردہ و کھوکھلا کردے گا لیکن حاصل کچھ بھی نہ ہوگا سوائے ہجر و فراق کے نصیب میں خسارہ ہی خسارہ ہوگا''۔

''مجھے آج ہی خاور سے بات کرنی ہوگی''۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے آنسو پونچھے اور کھانا پکانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس دن خاور شام کو ہی گھر واپس آ گیا' اور کمرے میں بند ہوگیا۔ حمزہ کو سلا کر وہ اپنے کمرے کی جانب چل دی۔ وہ کمرے میں جاتی جھجک بھی رہی تھی' لیکن اسے یہ ہمت بھی کرنا تھی وہ اندر داخل ہوئی۔

''خاور''۔ اس نے خاور کو مخاطب کیا' خاور نے پلٹ کے اسے دیکھا اور پھر جا کر بستر پر لیٹ گیا۔

''اب کیوں واپس آئی ہو.....؟'' وہ رخ پھیر کر بولا۔

''میں نے آپ کے متعلق بے حد برا خواب دیکھا خاور' دل گھبرا گیا''۔

''اور تم اپنے دل کی تسلی کے لئے چلی آئیں''۔ خاور نے اس کی بات اچک لی۔

''نہیں خاور! یہ بات نہیں' میں واقعی اپنے کئے پر شرمندہ ہوں''۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں اور وہ خاور کے قدموں میں بیٹھ کر زار زار رونے لگی۔

''خاور! مجھے معاف کردیں خاور میں بہک گئی تھی مجھے بہکایا گیا تھا''۔ خاور تو بوکھلا گیا اس نے صائمہ کو فوراً کاندھوں سے تھاما اور اپنے برابر بیڈ پر بٹھالیا' اور اسے اپنی نگاہوں کا مرکز بنایا' ان تین سالوں میں وہ نہایت کمزور و لاغر دکھائی دینے لگی تھی' آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے' رنگت میں زردی نمایاں تھی' جیسے جدائی نے اس کا خون ہی چوس لیا ہو۔ حالت تو خاور کی بھی اچھی نہ تھی' کپڑے ملگجے ہورہے تھے اور بے ترتیب بال لئے آنکھوں پر چشمہ ٹکائے وہ نہایت عجیب دکھائی دے رہا تھا' گویا دونوں طرف ایک قیامت صغریٰ نازل ہوئی ہو۔

''خاور! میں آپ کی گناہ گار ہوں' آپ مجھے ماریں پیٹیں جو مرضی کریں میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں لیکن مجھ سے بات تو کریں انتظار کی بھینٹ مت چڑھائیں''۔ اس نے خاور کے آگے ہاتھ

www.Paksociety.com

جوڑے۔

اس کے نین کٹورے پھر آنسوؤں سے بھرنے لگے' خاور نے آگے بڑھ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا' صائمہ نے اس کے کاندھے پر سر رکھا اور بے آواز رونے لگی' لیکن آنسوؤں کی ندیاں تھیں کہ بہتی جارہی تھیں خاور کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

''چلو اب چپ بھی کر جاؤ' اتنی دیر بعد ملے ہیں مجھے خوش کرنے کی بجائے رلا رہی ہو''۔ خاور نے پہل کرتے ہوئے اس کا چہرہ سامنے کیا اور اس کی نازک ستواں ناک دبائی جہاں ایک باریک چمکدار لونگ موجود تھا۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا......؟''

''ہوں معاف تو کر دیا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی''۔

''کونسی بات......؟'' صائمہ کو دور کہیں خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی۔

''تم نے کہا کہ تمہیں کسی نے بہکایا' کس نے بہکایا......؟'' خاور نے پوچھا' صائمہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''خاور! میں یہ بتاتے ہوئے حد درجہ شرمندہ ہوں کہ بہکانے والی کوئی اور نہیں میری اپنی ماں تھیں' اس دن آمنہ باجی کے ساتھ اماں نے جان بوجھ کر لڑائی کو طول دیا' اس وقت میں بھی بہک گئی' میں اماں کے ساتھ چل دی' لیکن اماں کے گھر جا کر ادراک ہوا اس دل بے چین کو وہاں قرار کب تھا' میں جب بھی اس بات کا ذکر اپنی ماں کے سامنے کرتی وہ مجھے جھڑک دیتیں''۔ یہ کہہ کر وہ اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔ خاور اسے مسلسل دیکھے گیا۔

''لیکن انہوں نے ایسا کیوں کیا......؟'' اس نے دریافت کیا۔

''میں خود بھی نہیں جانتی' بخدا خاور! مجھے کوئی شوق نہیں تھا آپ کو ستانے اور آپ کو چھوڑنے کا' لیکن اماں مجھے ایموشنل بلیک میل کرتیں اور مجھے یہ سب کرنا پڑتا''۔ اس نے سر اٹھا کر خاور کی طرف دیکھا اور خاور نے اسے مضبوط پناہوں میں لے لیا۔

☆

اگلے دن ان دونوں کی آنکھ دیر سے کھلی' وہ دونوں نیچے آئے تو اماں نے پھر بولنا شروع کر دیا۔

''آگئے تم دونوں نہ نماز روزے کی فکر نہ کچھ اور بس سو رہے گھوڑے بیچ کر......''

''فائدہ تو آپ کے بھی کسی نماز و روزے کا نہیں''۔ خاور منہ ہاتھ دھو کر آیا اماں کی بات کاٹی۔

''آئے ہائے لڑکے یہ تو کیا بول رہا ہے......؟''

اماں نے اسے گھورا۔

''خالہ جی! میں آپ کو بتاتا ہوں' صائمہ! جاؤ تم ناشتہ تیار کرو میں نے ان سے کچھ بات کرنی ہے''۔ خاور نے صائمہ کو وہاں سے بھیجنا مناسب سمجھا اور پھر اماں کی طرف متوجہ ہوا۔

''خالہ جی! میں کوئی لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا صرف اتنا پوچھوں گا کہ آپ صائمہ کی زندگی کیوں اجاڑ رہی ہیں......؟''

''اے میاں! زبان سنبھال کر بات کرو' ہم اپنی بیٹی کی زندگی کیوں اجاڑیں گے''۔ اماں نظر چرا گئیں اور پان دان بند کرنے لگیں۔

''پہلے میری پوری بات سن لیں' صائمہ نے مجھے خود بتایا کیوں کیا آپ نے ایسا......؟ اس نے آپ کو کیا فائدہ دیا......؟'' خاور نے دوٹوک بات کی۔

''اچھا اس نے تمہیں سب سچ بتا دیا''۔ اماں کی تیوری پر بل آگئے۔

''خالہ جی!'' اس سے پہلے کہ خاور کچھ کہتا اماں نے مزید گل فشانی شروع کر دی۔

''جب سے یہ میرے گھر میں آئی ہے مجھے سکون کب ہے......؟ میری نند کی بیٹی ہے یہ''۔ خاور ہمہ تن گوش ہوا۔

''اس کی ماں کے مرنے کے بعد اس کا باپ اسے ہمارے گھر چھوڑ گیا میں کیوں اپنا رزق اس سے بانٹتی' لیکن اس سے پہلے اس نے اپنی نحوست کا رنگ دکھانا شروع کیا' پہلے اپنی ماں کو اس نے نگلا اب میرا شوہر کھا گئی۔ میری بیٹی پیدا ہوئی وہ بھی چند دن کے بعد مر گئی' اس کے بعد تو میں اسے بالکل بھی نہ پیار دے سکی' جب جوان ہونے لگی تو لوگوں کے سمجھانے بجھانے پر جیسے تیسے کر کے اس کا جہیز تیار کیا اور اسے تمہارے ساتھ رخصت کر دیا''۔ اماں سانس لینے کو رکیں اور خاور اپنا اوپری ہونٹ کاٹنے لگا۔ لیکن اسی دوران صائمہ آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی۔

''اماں! منحوس میں نہیں تمہارے اپنے بیٹے تھے جن کے غلط کاموں سے ماموں کو دل کا دورہ پڑا اور وہ فوت ہو گئے اور مرنے والی بیٹی میرے آنے سے پہلے مر گئی تھی''۔ اماں ہونق بنی بیٹھیں تھیں۔

''ویسے ہی آپ کو اپنی نند سے ازلی پرخاش تھی' اس لئے تم مجھے پیار نہ دے سکیں' نہ اپنی بیٹی بنا سکیں لیکن جب بیٹے بالکل ہی بگڑ گئے اور تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کے قابل نہ تھے تو تم میرے ساتھ چل پڑیں' لیکن تمہاری نند کی بیٹی جو تھی اس لئے پھر مختلف حیلوں بہانوں سے گمراہ کر کے میری زندگی تباہ کرنے لگیں' لیکن افسوس تمہاری چال کامیاب نہ ہوئی''۔ صائمہ بولنے پر جو آئی تو چپ نہ کر رہی تھی اور خاور نے بھی اسے چپ کرانے کی ضرورت نہ محسوس کی' وہ خاموش تماشائی بنا یہ سب تماشہ دیکھتا رہا۔

اس سے پہلے کہ اماں کچھ کہنے کے لئے لب وا کرتیں خاور اسے وہاں سے لے گیا' کمرے میں جا کر صائمہ پھر رونے لگی' خاور نے اسے سکون آور دوا دی اور گھر سے نکل گیا۔

دوپہر میں جب وہ باہر آئی تو اماں کو ان کے کمرے میں بے ہوش پایا' ان کا شوگر لیول کم ہو گیا تھا' اس نے خاور کو فون کیا' اماں کو جلدی سے اسپتال پہنچایا گیا علاج معالجے پر کافی خرچ آیا' اماں کو جب ہوش آیا تو ایک وجود ان کے پاس بیٹھا آنسو بہا رہا تھا اور دوسرا تسلی دے رہا تھا' یہ صائمہ اور خاور تھے پھر انہوں نے دیکھا کہ صائمہ کس طرح ان کی تیمارداری میں رات دن ایک کئے ہوئے تھی اور خاور وہ بھی بہت محبت و اپنائیت سے پیش آیا' اماں صحیح معنوں میں شرمندہ تھیں انہوں نے صائمہ و خاور سے معافی مانگ لی' صحت یاب ہونے کے بعد وہ صائمہ کو ساتھ لئے رخشندہ کی طرف آگئیں' وہاں آمنہ اور رخشندہ سے معافی مانگی' انہوں نے کھلے دل سے معاف کیا کیونکہ دلوں میں بغض اور کینہ رکھنے سے کیا فائدہ......؟ وہاں سے آتے ہوئے صائمہ زبردستی رخشندہ کو اپنے ساتھ لے آئی۔ اس عمل سے خاور بے حد خوش ہوا' اس نے بھی صائمہ کو پاکستانی فرم میں ہی ملازمت ملنے کی خوشخبری سنائی' وہ مسرت سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال گئی۔

''میں آپ سے ایک بات پوچھوں......؟'' وہ اس کے گرد بازو حمائل کئے ہوئے بولی۔

''ہوں......'' خاور مدھم لہجے میں بولا۔

''جب میں واپس آئی تو آپ گھر میں کیوں نہیں ٹکتے تھے......؟'' وہ ذرا نخرہ دکھاتے ہوئے بولی۔

''میں تمہیں انتظار کی لذت چکھانا چاہتا تھا''۔ خاور نے اس کے چہرے پر آئی آوارہ لٹ پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا اس نے خاور کے سینہ پر مکا جڑنے پر اکتفا کیا۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا ناں......؟'' وہ غزال نین اس کے چہرے پر گاڑے بولی۔

''تم نے تو غصے کی کوئی گنجائش باقی ہی نہیں رہنے دی' جس حالت میں تم معافی مانگ رہی ہو''۔ خاور شرارتاً بولا تو اس کے گالوں پر لالی بکھر گئی۔

☆

www.Paksociety.com

عائشہ الیاس

افسانہ

سوچا نہ تھا

وہ پڑھنے کی غرض سے لان میں کتابیں لے کر بیٹھی تھی اور جیسے ہی لیکچر والا رجسٹر کھولا تو اس میں سے ایک گلاب کی کلی اور خط برآمد ہوا۔ وہ پریشان سی ہوگئی' یہ خط اور کلی ساتھویں مرتبہ ملی تھی' پچھلے کئی دنوں سے وہ پریشان ہوکر رہ گئی تھی' نجانے کون تھا جو اکثر اس کی کتابوں اور ہینڈ بیگ میں چپکے سے ایک خط اور کلی ڈال دیتا؟ خط میں ہمیشہ رومانوی غزلیں یا پھر بڑے خوبصورت الفاظوں کے چناؤ سے اپنی محبت کے بارے میں اظہار لکھا ہوتا تھا' پہلے پہل تو وہ یہ سمجھی کہ کوئی شرارت کررہا ہے اس کے ساتھ' پر یہ شرارت اب کافی طویل ہوگئی تھی وہ پریشان ہوکر رہ گئی تھی' آخر کون ہے جس نے خط میں اپنا نام تک نہ لکھا تھا' اس نے اپنی سب ہی فرینڈز سے پوچھ لیا' کہ کہیں وہ تو اس کے ساتھ یہ شرارت نہیں کررہیں پر سب ہی نے بڑی حیرت سے لاعلمی ظاہر کی۔ وہ تو سر پکڑ کر ہی بیٹھ گئی کہ آخر کون ہے وہ.....؟ وہ سوچ رہی تھی کہ لیکچر رجسٹر اس نے کس کو دیا تھا' کافی دیر سوچ بچار کے بعد یاد آ ہی گیا۔

''ہاں میں نے رمیس کو دیا تھا' تو کیا رمیس.....؟ نہیں وہ کیسے ہوسکتا ہے پر' کیا مصیبت ہے کون ہوسکتا ہے.....؟'' وہ خود سے سوال کرتے کرتے جھنجھلا گئی۔ رمیس اس کا کلاس فیلو تھا' اچھا خاصا ہینڈسم' اس سے اس کی کافی اچھی ہائے ہیلو تھی' پر وہ کوئی دل پھینک شخص نہیں تھا' کافی سنجیدہ تھا' مائرہ کو یقین نہیں آیا کہ وہ ہوسکتا ہے' وہ کافی دیر بیٹھی سوچتی رہی پر کچھ سمجھ نہ آرہا تھا'

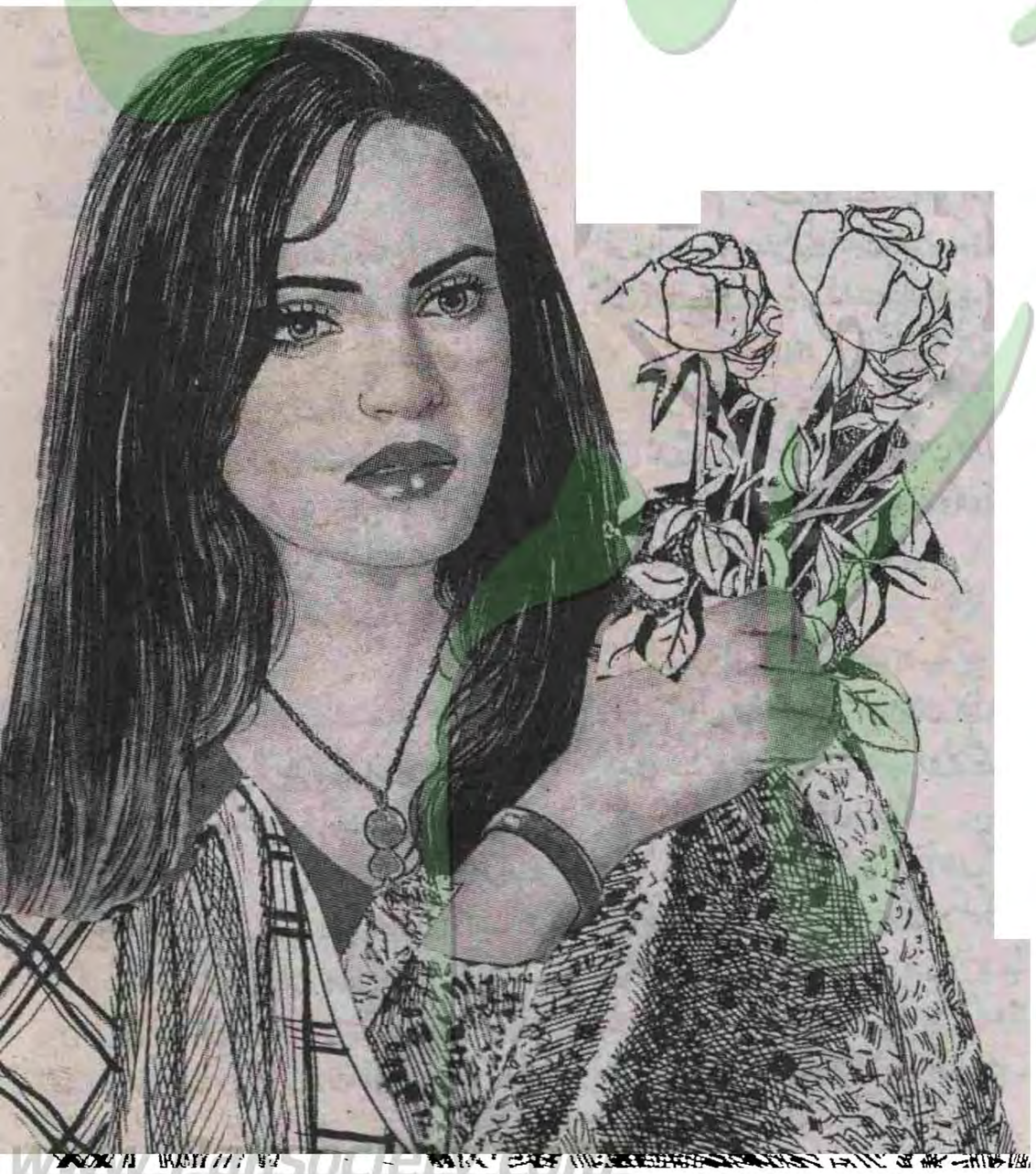

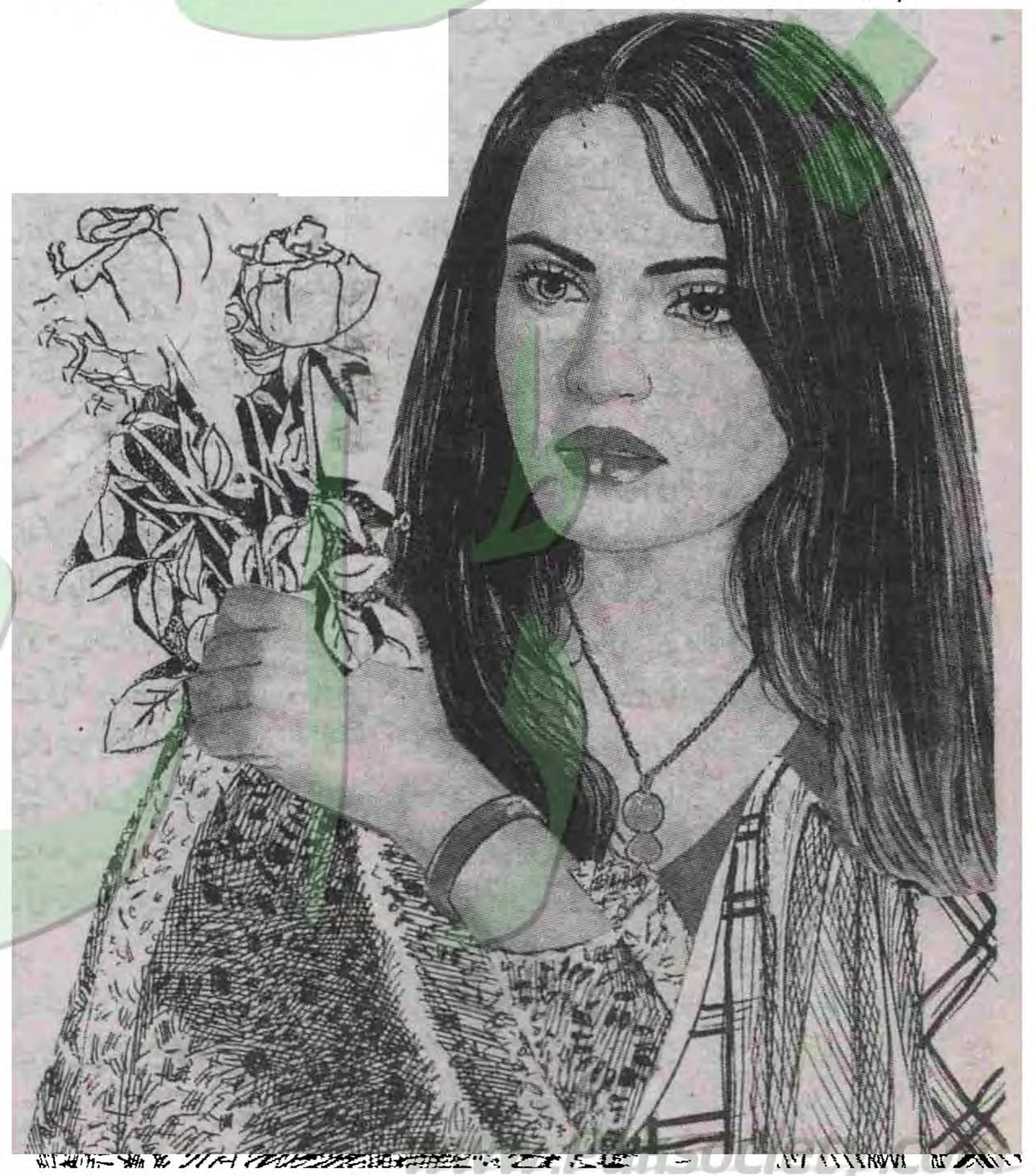

وہ عجیب فکر میں مبتلا ہوگئی تھی۔

⁂

وہ کینٹین میں فرینڈز کے ساتھ بیٹھی تھی جب اس نے چائے سموسے کے پیسے دینے کے لئے ہینڈ بیگ کھولا تو اوپر ہی ایک خط اور گلاب کی کلی رکھی تھی وہ پریشان سی ہوگئی۔

''کیا ہوا یہ اچانک چہرے پر بارہ کیوں بج گئے......؟'' سامنے بیٹھی اریم نے اس کے فق پڑتے چہرے کو دیکھ کر کہا تو اس نے خط اور گلاب سامنے کردیا' پھر سب متوجہ ہوگئیں۔

''ارے پھر ایک خط اور گلاب''۔ ساتھ بیٹھی ماریہ نے کہا۔

''مائرہ آخر یہ ہے کون......؟'' حرا کو بھی تجسس ہوا۔

''اگر مجھے پتا ہوتا تو ابھی میرے ہاتھ میں یہ خط اور گلاب نہ ہوتا''۔ وہ تنک کر بولی۔

''پر پھر بھی مائرہ! تم کوئی اندازہ نہیں کر پائیں کہ یہ کس کی حرکت ہے......؟'' اریم سنجیدگی سے بولی۔

''یہی تو سمجھ نہیں آرہا کہ آخر ہے کون''۔ کہتے ہوئے اچانک سامنے کی طرف اس کی نظر اٹھی' سامنے رمیس اپنے گروپ کے لڑکوں کے ساتھ باتیں کررہا تھا' اس کے دل میں اچانک پھر وہی خیال آیا' نجانے کیوں اس کی چھٹی حس اسے رمیس کی طرف سگنل دے رہی تھی' پر پھر اس نے اپنے اس خیال کو جھٹک دیا' کوئی ثبوت جو نہ تھا اس کے پاس۔

⁂

آج اس نے اپنی فرینڈز کے ساتھ اپنے گھر میں کمبائن اسٹڈی کا پروگرام بنایا تھا' سب ہی ایک اہم موضوع کو دلچسپی سے ڈسکس کررہی تھیں' تبھی اس نے کچھ پوائنٹس نوٹ کرنے کے لئے بک کھولی تو ایک لیٹر اور گلاب کی کلی گری' کلی کچھ مرجھا سی گئی تھی' نجانے کب کی اس کی بک میں رکھی تھی' اس نے تو دھیان ہی نہ دیا تھا' اچانک سب کی بھی بے اختیار نظر اٹھی' مائرہ پھر پریشان سی ہوگئی۔

''مائرہ یار! سمجھ میں نہیں آتا یہ آج کے اتنے ماڈرن دور میں اتنے دقیانوسی طریقے سے اظہار محبت کون کرسکتا ہے''۔ حرا نے تمسخر اڑایا۔

''بدھو! اسے دقیانوسی نہیں بلکہ سادگی کہتے ہیں''۔ اریم کو اس کی بات اچھی نہ لگی۔

''تم اسے سادگی کہہ رہی ہو یہ سادگی نہیں بلکہ ایک گھٹیا سا مذاق ہے کسی دل سے کھیلنا کوئی شریف حرکت نہیں ہوتی''۔ ماریہ سنجیدگی سے بولی۔

''ضروری نہیں ہے کوئی مذاق کررہا ہو ہوسکتا ہے کوئی واقعی سنجیدہ ہو' بس سامنے اظہار کرنے سے ڈرتا ہو''۔ اریم نے دلیل دی۔

''ناممکن...... کم سے کم مجھے ایسا نہیں لگتا''۔ ماریہ اٹل تھی اور مائرہ پریشان سی خاموش تھی۔

''مائرہ! تم فکر مت کرو' مجھے نہیں لگتا کوئی تمہارے ساتھ مذاق کررہا ہے دیکھ لینا بہت جلد سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا''۔ اریم نے اسے دلاسا دیا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو......؟'' ماریہ کو یقین نہ تھا۔

''بس یقین ہے میرا''۔ وہ اٹل تھی' کچھ دیر تک ماحول میں گہری خاموشی چھا گئی' پھر ان لوگوں نے اپنا ذہن دوبارہ پڑھائی میں مگن کرلیا پر مائرہ کا ذہن نہ بٹ سکا وہ الجھ کر رہ گئی۔

⁂

کتنے ہی دن اسی طرح الجھتے ہوئے گزر گئے' خطوط کا وہی معمول تھا' اب وہ کم پریشان ہوتی اور زیادہ سنجیدگی سے سوچتی' اس نے جب وہ غزلیں غور سے پڑھیں تو ان کا چناؤ اسے کافی اچھا لگا۔

''مائرہ! جب جب تمہیں دیکھتا ہوں تمہیں سوچتا ہوں اور سوچتا ہوں کیا تم کبھی میری ہوسکو گی......؟ کیا میں تمہارے دل میں کبھی جگہ بنا پاؤں گا' نجانے تم مجھے دیکھو گی تو کیساری ایکٹ کرو گی پر تم جو بھی کردیں اپنے دل سے تمہاری محبت کبھی نہیں نکال سکتا اور تم سے ایک وعدہ بھی کرتا ہوں' میں ایک دن تمہارے سامنے آکر اپنی محبت کا اظہار کروں گا اور تمہیں منانے کی ہر کوشش کر ڈالوں گا باقی میری قسمت تم مجھے ملو یا نہ ملو''۔ اس طرح کے کئی ہی خط تھے اور اپنی سچی محبت کے دعوے بھی۔

نجانے اسے کیا کشش محسوس ہورہی تھی وہ روز ان خطوط کو لے کر بیٹھ جاتی اور ان کو بار بار پڑھتی' نجانے کیسی خوشی سی ہونے لگی تھی گلاب کی کلیوں کی خوشبو اسے خوش کردیتی۔

⁂

اب وہ بار بار خود اپنی چیزیں چیک کرتی کہ کہیں کوئی خط تو نہیں ہے اور جب ہوتا تو دل بے اختیار زور سے دھڑکنے لگتا' دل میں عجیب طوفان اٹھ رہا تھا' اسے خود بھی سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیوں اتنا زیادہ محسوس کرنے لگی تھی۔

⁂

ایک دن اچانک یونیورسٹی میں بارش شروع ہوگئی وہ یونیورسٹی میں ہی تھی اور اتفاق سے اس کے گروپ کی کوئی لڑکی نہ آئی تھی' اسے ٹینشن ہورہی تھی کہ اتنی طوفانی بارش میں وہ گھر کیسے پہنچے گی' سبھی اسٹوڈنٹ جانے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے کچھ اپنی اپنی کنوینس کے ذریعے جارہے تھے تو کچھ بارش تھم جانے کا انتظار کررہے تھے کہ بارش ہلکی ہو تو وہ جائیں' وہ بھی ایک درخت کے نیچے کھڑی پریشان سی' ادھر ادھر دیکھ رہی تھی' اور انتظار کررہی تھی کہ کسی طرح بارش ہلکی ہو تو وہ جائے' تبھی اس کے پاس ایک بلیک کرولا آکر رکی' مائرہ چونکی' گاڑی کے شیشے نیچے ہوئے تو سامنے حیدر کو دیکھ کر کچھ مطمئن ہوئی۔

''آؤ مائرہ گھر ڈراپ کردوں''۔ وہ ہمیشہ کی طرح اپنی سوبر شخصیت کے مطابق رسانیت سے بولا' مائرہ نے اسے منع کرنا مناسب نہ سمجھا اور گاڑی میں بیٹھ گئی' اس وقت وہ اس کے لئے بڑا غنیمت ثابت ہوا تھا' حیدر اس کا خالہ زاد تھا' عمر میں اس سے دو تین سال بڑا تھا' پر وہ اپنی عمر سے زیادہ سنجیدہ اور بڑا لگتا تھا' وہ بھی اسی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا' پر اس کا ڈپارٹمنٹ اور سبجیکٹ الگ تھے' مائرہ سے بھی کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی تھی' حیدر کی شخصیت بھی ایسی تھی کہ وہ زیادہ کسی سے فری بھی نہیں ہوتا تھا' زیادہ تر کزنز بھی اس سے ریزرو ہی رہتے تھے' خود مائرہ بھی مشکل سے مخاطب ہوتی تھی اس سے۔

''گھر میں سب کیسے ہیں......؟'' حیدر نے گہری خاموشی کو توڑا۔ مائرہ جو کھڑکی سے باہر تیز برستی بارش کو دیکھنے میں محو تھی ایکدم چونکی۔

''جی ٹھیک ہیں''۔ وہ بامشکل بول پائی۔ اس کے بعد ان کے بیچ میں کوئی بات نہ ہوئی' سارا سفر خاموشی سے کٹا۔

''اندر آئیے نا حیدر بھائی''۔ جب وہ گاڑی سے اتری تو مروتاً کہا۔

''نہیں پھر کبھی' ابھی موسم کافی خراب ہے جلدی گھر پہنچنا ہے''۔ اس نے سہولت سے منع کردیا۔

''ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی' بائی دا وے گھر ڈراپ کرنے کا شکریہ''۔

''اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں' میرے پاس کنوینس تھی تو تمہارے کام آگیا''۔ مائرہ اس کی بات پر ہلکا سا مسکرادی۔

''خالہ جان کو اور باقی سب کو میرا سلام کہنا''۔

''جی''۔ وہ کہہ کر اندر آگئی اور وہ تیزی سے گاڑی لے گیا۔

⁂

روز بروز کے ملتے خطوط نے اس کے اندر اچانک ہل چل مچادی تھی' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس معاملے کو سوچنے لگی تھی' یہ زندگی میں اس کے ساتھ پہلا ایسا اتفاق ہوا تھا' چاہے جانے کا احساس اتنا خوبصورت ہوگا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی' وہ جو کوئی بھی تھا وہ اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی' اور اب نجانے کتنی شدت سے یہ احساس جاگ اٹھا تھا کہ وہ کسی طرح اس

www.Paksociety.com

کے سامنے آجائے۔

آج جب اسے رمیس نے اس کے نوٹس واپس کئے تو ان میں سے ایک خط برآمد ہوا' اس کے تو پاؤں سے جیسے زمین کھسکنے لگی' یہ سب خط رمیس دے رہا تھا' اسے یقین نہ آرہا تھا' پر وہ کیوں چپکے چپکے ایسا کررہا تھا اگر اس کے دل میں کچھ تھا تو وہ سامنے آکر بھی تو کہہ سکتا تھا' اس کا تو جیسے دماغ ہی ماؤف ہونے لگا' کتنے ہی دن سوچتے ہوئے گزر گئے' خط اسی طرح اسے روزمل رہے تھے' وہ رمیس کے ایک ایک موومنٹ کو غور کرتی کہ وہ اسے دیکھ کر کیساری ایکٹ کرتا ہے پر اس کا انداز ہمیشہ کی طرح فرینک ہوتا اور مائرہ کو کچھ سمجھ نہ آتا' ایک سال پورا اسی طرح گزر گیا' وہ پڑھائی میں خود کو پوری طرح مصروف کردینا چاہتی تھی' پر جب کوئی نیا خط ملتا تو وہ پھر ڈسٹرب ہوجاتی' اب تو وہ بس اس انتظار میں تھی کہ ایک بار رمیس اس کے سامنے اظہار کرے تو وہ اسے خوب سنائے گی' پر ایسا کچھ ہو ہی نہ سکا' انہی گزرتے دنوں کے ساتھ اچانک ایک دن اس کی امّاں کی طبیعت بے حد خراب ہوگئی' گھر میں گویا کہرام سا مچ گیا' اس کے تو سبھی بہن بھائی شادی شدہ تھے' بس ایک وہ بچی تھی۔ وہ تو تھی بھی پروین بیگم کی لاڈلی پروین بیگم کی دل کی تکلیف نے انہیں ہولا دیا تھا' انہیں مائرہ کی بہت پریشانی تھی اگر ان کو کچھ ہوگیا تو ان کے بعد اس کا کیا ہوگا؟ ایسی صورتحال میں وہ چاہتی تھیں کہ کسی طرح اس کی شادی ہوجائے پر ایسے وقت میں اتنی جلدی مناسب رشتہ ملنا ناممکن تھا' بچے ماں کو دلاسہ دے رہے تھے پر انہیں تسلی نہ ہورہی تھی' ایسے وقت میں ان کی بڑی بہن آگے بڑھیں اور حیدر کے لئے مائرہ کا ہاتھ مانگ لیا' پروین بیگم کی تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انہوں نے جھٹ ہاں کردی' مائرہ اس سب کے لئے بالکل تیار نہ تھی' اس نے تو ایسی سچویشن کا خواب میں بھی نہ سوچا تھا' وہ لاکھ منع کرتی پر ماں کی حالت اور آنسوؤں نے اسے کمزور کردیا' اس کے خواب ادھورے کے ادھورے رہ گئے' اس کے نئے جاگتے احساسات نے وہیں دم توڑ دیا جب وہ مائرہ سجاد سے مائرہ حیدر بن گئی۔ ان کی شادی بے حد سادگی سے ہوئی' ان کی شادی کے چار ماہ بعد ہی پروین بیگم اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

☆

اس کی زندگی نے اچانک ہی پلٹا کھایا تھا' حیدر بہت اچھا تھا پر ابھی ان دونوں کے بیچ میں وہ بے تکلفی کا تعلق نہ بن سکا تھا' حیدر نے اسے اس رشتے کو قبول کرنے کے لئے کافی ٹائم دے دیا تھا' حیدر کی اسٹڈیز ختم ہوگئی تھیں اور وہ اپنی جاب میں مکمل مصروف ہوگیا تھا اور اس نے تو شادی کے بعد ہی تعلیم چھوڑ دی تھی' اس کا وقت مکمل سوچوں اور خاموشی کی نظر کٹ رہا تھا' گھر والے اس سے بہت اچھے سے پیش آتے پر اس کا دل پرسکون نہ تھا' پہلے تو پروین بیگم کی موت کا صدمہ الگ تھا' دوسرا اس شخص کا جس نے اس کے دل میں محبت کے دیپ جلائے تھے وہ تو ابھی صحیح سے معلوم بھی نہ کرسکی تھی کہ وہ انسان رمیس ہے؟ اور اچانک سے یہ سب ہوگیا' اس کے اندر اداسیوں نے ڈیرے جمالئے تھے۔

☆

''حیدر بیٹا! میرے خیال میں تمہیں اور مائرہ کو ہنی مون پر جانا چاہئے''۔ حیدر رات میں اسٹڈی روم میں بیٹھا آفس کا کچھ کام کررہا تھا جب نرگس بیگم نے اسے گھیرے میں لیا وہ تو چونک سا گیا۔

''بیٹا! میں اس لئے کہہ رہی ہوں جتنی اچانک تم دونوں کی شادی ہوئی ہے اور جن حالات میں ہوئی ہے ایسے میں تم دونوں کو گھومنے پھرنے کے بہانے' ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے گا' دیکھو بیٹا کہنے کو تم دونوں کی شادی کو دس مہینے ہوگئے ہیں لیکن مائرہ مجھے آج بھی اول روز کی طرح غمگین لگتی ہے' ہنی مون کے بہانے ہوسکتا ہے مائرہ ماحول میں تبدیلی پائے گی تو شاید کچھ بہل جائے گی''۔ نرگس بیگم نے بیٹے کے چونکنے پر رسانیت سے سمجھایا' حیدر ماں کی بات پر کچھ خاموش سا

ہوگیا اور کچھ توقف کے بعد بولا۔

''ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ مائرہ سے پوچھ لیں''۔

''تم فکر مت کرو مائرہ کو میں منالوں گی' بس تم جانے کی تیاری کرو''۔ وہ خوشی سے بولیں اور اٹھ کر چلی گئیں' ان کے جانے کے بعد حیدر نے تھکے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا' نجانے آگے کیا ہونا تھا؟ اس کی زندگی کا کیا مستقبل تھا؟ اسے کچھ اندازہ نہ تھا' مائرہ کا اداس اداس چہرہ اسے فکرمند سا کردیتا۔

☆

نرگس بیگم نے سچ کہا تھا' انہوں نے مائرہ کو جانے کے لئے منالیا تھا' وہ لوگ گھومنے آسٹریلیا روانہ ہوئے تھے' ان کا پورا سفر خاموشی کی نظر گزرا' حیدر کچھ بول لیتا تو وہ جواب دے دیتی' ورنہ وہ خاموش رہتی' وہ دونوں کافی جگہ گھومے پر دونوں کے اندر خاموشی کے گہرے سناٹے تھے' حیدر کافی کوشش کررہا تھا اسے بہلانے کی' پر اس کی کیفیت ہنوز برقرار تھی' ابھی بھی وہ اسے ایک مال میں شاپنگ کروانے کے لئے لایا تھا' تب حیدر کے موبائل پر ایک ضروری کال آگئی' وہ مائرہ سے تھوڑی دیر کے لئے ایکسکیوز کر کے وہاں سے ہٹ گیا' وہ ہاتھ باندھے خاموشی سے کھڑی اردگرد پررونق ماحول کو دیکھ رہی تھی' اچانک اس کی نظر کچھ فاصلے پر شاپنگ کرتے ہوئے رمیس پر پڑی' گزرتے ہوئے ماضی نے دوبارہ ایک کروٹ لی تھی' ایک تکلیف کی ٹیسیں اٹھ رہی تھی اس کے اندر۔ وہ خود کو لاکھ ضبط کرنے کے باوجود رمیس سے بات کرنے سے نہ روک سکی' وہ صرف ایک بار اس سے پوچھنا چاہتی کہ اس نے کیوں اس کے ساتھ یہ خاموشی کا کھیل کھیلا؟ کیوں وہ اس کے دل کے ساتھ کھیلا؟ کس نے اسے یہ حق دیا تھا' رمیس اسے بھی یہاں دیکھ کر چونکا تھا' وہ بہت خوش اخلاق کے ساتھ اس سے پیش آیا تھا' پر مائرہ کے جارحانہ رویے پر وہ حیران رہ گیا تھا' وہ کیا کہہ رہی تھی' اس پر کیا الزام لگا رہی تھی اسے کچھ سمجھ نہ آرہا تھا۔

''سنو مائرہ! تم آرام سے بات کرو تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا''۔

''ہاں اب تو تم انجان ہی بنو گے کیونکہ تمہارا کھیل جو ختم ہوگیا ہے''۔ وہ اس وقت اپنے آپے میں نہیں تھی اور رمیس اس کی باتوں پر حیران تھا۔

''مائرہ! آؤ کہیں بیٹھ کر آرام سے بات کریں' تم مجھے کھل کر بتاؤ بات اصل میں ہے کیا''۔ اس نے تحمل سے اسے سمجھایا' مائرہ بھی کچھ ٹھنڈی ہوگئی' وہ دونوں مال میں بنے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے' رمیس کے فورس کرنے پر اس نے ساری کہانی اس کے گوش گزار کردی وہ تو حق دق سا رہ گیا۔

''مائرہ! میں تو تمہیں بہت میچورڈ سمجھتا تھا' تم خود غور کرو اسٹوڈنٹ لائف میں اس طرح کے تو مذاق ہوجاتے ہیں اور تم اسے اتنا سیریس لے لوگی حیرت ہے''۔ رمیس نے سنجیدگی سے کہا اور مائرہ کچھ کنفیوز سی ہوگئی۔

''پر.....''

''دیکھو مائرہ! اس بات کو سوچ کر اپنی زندگی خراب مت کرو' تمہاری شادی ہوگئی ہے تمہیں اپنے پریزیڈنٹ پر توجہ دینی چاہئے نا کہ پاسٹ میں اور رہی میری بات' میری تو بچپن میں ہی ماموں کی بیٹی کے ساتھ انگیجمنٹ ہوگئی تھی' اور میں اسے بہت پسند کرتا ہوں اس کے علاوہ کسی اور کا سوچ بھی نہیں سکتا''۔ اس نے اس کی بات کاٹ کر اسے سمجھایا' مائرہ کو تو اب الگ پریشانی لگ گئی وہ تو خود سے نجانے کیا سوچے جارہی تھی اور اسے کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔

''اپنا خیال رکھنا اور میری بات پر غور ضرور کرنا' ٹیک کیئر چلتا ہوں''۔ رمیس ایک سوبری مسکراہٹ پاس کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور پیچھے مائرہ کو حیرانی کے سمندر میں چھوڑ گیا' گلاس ڈور کی دوسری طرف حیدر نے یہ منظر صاف اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور وہ بھی کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

☆

www.Paksociety.com

وہ کھڑکی کی چوکھٹ پر سر ٹکائے شام کے گہرے سایوں کو دیکھنے میں محو تھی' تب حیدر کی آمد نے اسے چونکا یا وہ رمیس سے ملنے کے بعد اپنے حیدر کے ساتھ دو ئیے پر کافی شرمندہ تھی' اس سارے معاملے میں تو اس کا کہیں بھی قصور نہ تھا پھر اسے کیوں سزا دی' رمیس ٹھیک کہہ رہا تھا وہ شاید کسی کی شرارت ہی تھی اور اس نے بلاوجہ اتنا سیریس لے لیا تھا' اس نے نرمی سے حیدر کی طرف دیکھا' حیدر کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی' حیدر نے ایک کاغذ مائرہ کی طرف بڑھایا جسے مائرہ نے حیران ہوتے ہوئے تھام لیا اور حیرت کا دوسرا جھٹکا اس میں لکھی تحریر کو دیکھ کر ہوا ہو بہو وہی لکھائی' وہی محبت بھرے خوبصورت الفاظ' وہ شاکڈ ہوگئی تھی۔

"یہ سب.....؟" وہ بمشکل بولی۔

"مجھے معاف کردو میں تمہارا مجرم ہوں مجھے احساس ہے میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا' پر کیا کرتا مجھے کوئی اور طریقہ سمجھ نہ آیا یا شاید مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنی محبت کے اظہار کے بعد تمہارے منہ سے انکار سنو"۔ اس نے صاف گوئی سے کہا اور مائرہ اسے حیرت سے تک رہی تھی' کیسے کیسے شاکڈ ملے اسے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"آپ کو ذرا شرم نہ آئی اس طرح کا گھناؤنا کھیل کھیلتے ہوئے"۔ وہ طیش میں آگئی۔

"نہیں مائرہ! میرا یقین کرو میں نے کوئی کھیل نہیں کھیلا' میں تم سے سچ میں بہت محبت کرتا ہوں"۔ اس نے نرمی سے کہتے ہوئے مائرہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھے' مائرہ نے تیزی سے اس کے ہاتھ جھٹکے۔

"کسی کو چپکے چپکے اس طرح کے لیٹرز دینا' رومانوی باتیں کرنا اور سامنے نہ آنا کھیل ہی ہوتا ہے' آپ کو کس نے حق دیا تھا یہ سب کرنے کا؟ کیوں کیا آپ نے ایسا؟" وہ زاروقطار روتے ہوئے بولی اس کی انا کو پیروں تلے روندا گیا تھا۔

"مجھے معاف کردو مائرہ پلیز! ایک بار"۔ وہ التجائیہ بولا۔

"معاف کردوں.....؟ کیسے کردوں آپ نے ایک بار بھی نہ سوچا مجھے کتنی تکلیف ہوگی' یہ سب جاننے کے بعد اور اوپر سے آپ مجھے اب بتا رہے ہیں اتنا وقت گزر جانے کے بعد"۔

"میں تمہیں بتانا چاہتا تھا' پر اچانک آناً فاناً ہماری شادی ہوگئی اور بعد میں میں نے کئی بار ہمت کی پر نجانے کیوں تمہاری اداس صورت دیکھ کر ہمت ٹوٹ سی جاتی' کہ نجانے جب تمہیں اس بات کا علم ہوگا تو تم کیسا ری ایکٹ کروگی' مجھے اریم نے بہت فورس کیا کہ تمہیں سب بتادوں پر....." وہ ایک دم کہتے کہتے رکا اسے لگا بے اختیار اس کے منہ سے کچھ غلط نکل گیا' اس نے خوف سے مائرہ کو دیکھا' اس کا چہرہ مزید حیرت میں مبتلا ہوگیا تھا۔

"اریم..... کیا مطلب اریم' یہ اریم اس معاملے میں کہاں سے آگئی؟ حیدر! مجھے سچ سچ پوری بات بتائیں اور کیا کیا آپ نے مجھ سے چھپایا ہے اور کتنے دھوکے دینے باقی رہ گئے ہیں"۔ وہ چیخی' حیدر نے اسے نرمی کے ساتھ بیڈ پر بٹھایا۔

"مجھے غلط مت سمجھو مائرہ! میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا شاید یہ سب میری بزدلی کا نتیجہ ہے اور رہی بات اریم کی وہ مجھے تم سے ملانے کی کڑی بنی تھی' میں مانتا ہوں وہ لیٹرز میرے ہی کہنے پر وہ تم تک پہنچاتی تھی پر یقین کرو ہمارا مقصد تمہیں ہرٹ کرنے کا نہیں تھا"۔ اس نے نرمی سے کہا۔

"واہ..... کتنی آسانی سے آپ نے کہہ دیا آپ کا مقصد ہرٹ کرنے کا نہیں تھا' میری بیسٹ فرینڈ کے ہاتھوں مجھ تک خط پہنچا سکتے ہیں پر آپ مجھ سے نہیں کہہ سکتے یہ کیسی بزدلی ہے آپ کی' حیدر! مجھے آپ کی کسی بھی بات پر یقین نہیں آرہا پلیز مجھے کچھ دیر کے لئے اکیلا چھوڑ دیں"۔ اس کے لہجے میں کرواہٹ واضح تھی اور حیدر اس کی اس کیفیت سے پریشان ہو رہا تھا۔

"پر....."

"پلیز..... کچھ دیر کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دیں"۔ اس نے اس کی بات سننا مزید گوارہ نہ کیا' حیرتوں کے جھٹکوں نے اس کا دماغ بالکل ماؤف سا کردیا' حیدر نے اسے کچھ دیر کے لئے اکیلا چھوڑنا ہی مناسب سمجھا۔

☆

ان کا ہنی مون ٹرپ ختم ہوا اور وہ دونوں اداس اداس گھر واپس آگئے۔ بیچ میں حیدر نے کئی مرتبہ اس سے بات کرنے کی کوشش کی پر اس نے بے رخی سے صاف منع کردیا کہ وہ کوئی بات کرنا نہیں چاہتی' زندگی واپس اپنے معمول پر چلنے لگی' اب وہ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لئے گھر کے کاموں میں مصروف رہنے لگی تھی' حیدر بھی اپنی جگہ خاموش سا ہوگیا تھا' اریم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے معافی کے ساتھ اسے سمجھایا بھی' پر اس کے دماغ پر تو ایک ضدی سوار ہوگئی تھی وہ اس حقیقت کو قبول ہی نہیں کر پا رہی تھی' اس پر اریم کی باتوں کے سمجھانے کا بھی کچھ اثر نہ ہوا' الٹا اس سے ناراض ہوگئی' دن خاموشی کے ساتھ تیزی سے گزرنے لگے' جب وہ ان خطوں کو دیکھتی تو پھوٹ پھوٹ کر روتی' اسے یہ سب دھوکا لگ رہا تھا' پھر آہستہ آہستہ اس نے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا' پر دوسری طرف حیدر کی گہری خاموشی اسے افسردہ کرنے لگی۔ اسے بہت رونا آتا' زندگی نجانے کیسا امتحان لے رہی تھی اب جب وہ چاہتی کہ حیدر اسے منائے تو وہ چپ سادھ کر بیٹھ گیا' ہر گزرتا دن اسے اذیت میں مبتلا کر رہا تھا' پھر ایک دن خود ہی حیدر سے الجھ پڑی۔

"آپ کیوں میرے ساتھ ایسا کر رہے ہیں؟ اور کتنی سزا دینی ہے مجھے آپ نے.....؟" حیدر اس کی بات پر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہو' میں بھلا کیوں سزا دوں گا تمہیں"۔ اس کے لہجے میں مٹھاس تھی جس نے مائرہ کو بھی نرم کردیا۔

"تو پھر آپ نے کیوں میرے ساتھ اتنا سرد رویہ رکھا ہوا ہے"۔ حیدر کو اس کے روٹھے پن پر ہنسی آئی وہ سمجھ گیا اس نے سب کچھ ایکسپٹ کرلیا ہے!

"میں تمہیں وقت دینا چاہتا تھا مائرہ مجھے یقین تھا کہ تم مجھ پر اعتبار ضرور کروگی' اس لئے میں نے تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کی"۔

"ہونہہ..... پر آپ کو کیا پتہ آپ نے مجھے کتنی تکلیف دی ہے"۔ اس نے پھر طنز کیا۔

"میں مانتا ہوں میری غلطی تھی تو کیا اب تم میری اس غلطی کی ساری عمر سزا دوگی.....؟" اس نے اپنا جرم قبول کرتے ہوئے معصومیت سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا' مائرہ کو اس کی اس ایکٹنگ پر مصنوعی غصہ آیا۔

"آپ بہت برے ہیں' مجھے تو چاہئے تھا کہ آپ کو ساری عمر سزا دوں"۔

"ارے یار! اتنی بھی بے رحم نہ بنو' اس معصوم سے انسان کو ایک بار معاف کردو"۔ وہ بڑی عاجزی سے بولا تو اسے ہنسی آگئی' اور دھیرے سے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔

"یعنی کے معافی مل گئی.....؟" حیدر نے اس کے گرد بازوؤں کا گھیرا ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا"۔ وہ اسے تنگ کرنے لگی۔

"تو کہہ دو یار! میں ترس رہا ہوں"۔

"کس چیز کے لئے.....؟" اس نے چھیڑا اسے۔

"بتاؤں کس چیز کے لئے"۔ حیدر نے بازوؤں کے گھیرے کو مزید تنگ کر کہ اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا' تو وہ جز بز سی ہوگئی۔

"حیدر پلیز....." اس نے خود کو چھڑانا چاہا پر اس کی مضبوط گرفت سے خود کو آزاد نہ کروا پائی' حیدر نے اس کی کیفیت سے خوش ہوتے ہوئے فضا میں ایک جاندار قہقہہ چھوڑا وہ بھی اس کے ساتھ مسکرادی۔

☆

www.Paksociety.com

صدف سعد

ردا کی ڈائری

حنا علی کی ڈائری سے

سیما سراج کی نظم

دیکھ گردش زمانہ میں
کوئی فرق نہیں آیا
سورج کی کرنیں
آج بھی
دیوار سے اتر کر
میری کھڑکی تک آتی ہیں
چاند بھی
ساری رات میرے صحن میں چمکتا ہے
مرجھائے ہوئے پھولوں کی جگہ
تازہ گلاب کھلتے ہیں
فرق صرف اتنا ہوا ہے
وہ لڑکی
جو سرِ شام
تمہاری آہٹ کی منتظر رہتی تھی
رات بھر
اپنے بکھرے ہوئے خوابوں کی
کرچیاں چنتی رہتی ہے

دھنک ناز کی ڈائری سے

نازیہ کنول نازی کی نظم ''بنت حوا''

دنیا کے لئے ''رونق بازار'' ہوئی ہے
خود اپنے لئے باعث آزار ہوئی ہے
ہو کر کبھی کالی' کبھی کاری' کبھی ونی
فرسودہ روایات کا شکار ہوئی ہے
بیٹی جنے کو کوسنے اس کا نصیب ہیں
بیٹے کو جن کے بھی ستا خوار ہوئی ہے
اپنی مرضی' کبھی اس کی نہیں رہی
یہ خون کے رشتوں پہ ہی نثار ہوئی ہے
زندہ کبھی زمین میں دیا جاتا ہے اس کو گاڑ
ہو کر کبھی ستی یہ نذر نار ہوئی ہے
جیون کے ہر اک موڑ پر خود کو مٹا کر
اس بنت حوا کی سدا ہار ہوئی ہے
صدیوں پرانی بات ہو یا آج کا قصہ!
ہر عہد کی عورت سدا لاچار ہوئی ہے
اپنے سبھی جذبے سبھی ارمان دفنا کر
بھائی تو کبھی باپ پر نثار ہوئی ہے
کر کے فنا خود کو رکھتی ہے سب کو خوش
وائے نصیب پھر بھی گنہگار ہوئی ہے
ہے حسن کائنات اور جنت کا وسیلہ
پھر بھی یہ ہمیشہ تار تار ہوئی ہے
ہر رشتے نے تکلیف سے اس کو کیا دوچار
ہر آن مصائب سے ہمکنار ہوئی ہے

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

نوشی گیلانی کی غزل

اب کس سے کہیں اور کون سنے جو حال تمہارے بعد ہوا

اس دل کی جھیل سی آنکھوں میں اک خواب بہت برباد ہوا
یہ ہجر ہوا بھی دشمن ہے اس نام کے سارے رنگوں کی
وہ نام جو میرے ہونٹوں پر خوشبو کی طرح آباد ہوا
اس شہر میں کتنے چہرے تھے' کچھ یاد نہیں سب بھول گئے
اک شخص کتابوں جیسا تھا وہ شخص زبانی یاد ہوا
وہ اپنے گاؤں کی گلیاں تھیں دل جن میں ناچتا گاتا تھا
اب اس سے فرق نہیں پڑتا ناشاد ہوا یا شاد ہوا
بے نام ستائش رہتی تھی ان گہری سانولی آنکھوں میں
ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا دل اب جتنا بے داد ہوا

بسمہ علی کی ڈائری سے

قتیل شفائی کی غزل

اس ادا سے بھی ہوں میں آشنا' تجھے اتنا جس پہ غرور ہے
میں جیئوں گا تیرے بغیر بھی' مجھے زندگی کا شعور ہے
نہ ہوس مجھے مئے ناب کی نہ طلب صبا و سحاب کی
تری چشم ناز کی خیر ہو' مجھے بے پیئے ہی سرور ہے
جو سمجھ لیا تجھے بے وفا' تو پھر اس میں تیری بھی کیا خطا
یہ خلل ہے میرے دماغ کا' یہ مری نظر کا قصور ہے
کوئی بات دل میں وہ ٹھان کے' نہ الجھ پڑے تری شان سے
وہ نیاز مند جو سر بہ خم' کئی دن سے تیرے حضور ہے
میں نکل کے بھی ترے دام سے' نہ گروں گا اپنے مقام سے
میں قتیل جور و ستم سہی' مجھے تم سے عشق ضرور ہے

علشبہ ملک کی ڈائری سے

عبیداللہ علیم کی غزل

بنا گلاب تو کانٹے چبھا گیا اک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص
تمام رنگ مرے اور سارے خواب مرے
فسانہ تھا کہ فسانہ بنا گیا اک شخص
میں کس ہوا میں اڑوں' کس فضا میں لہراؤں
دکھوں کے جال ہر اک سو بچھا گیا اک شخص
پلٹ سکوں میں نہ آگے ہی بڑھ سکوں جس پر
مجھے یہ کون سے رستے لگا گیا اک شخص
محبتیں بھی عجب اس کی نفرتیں بھی کمال
مری طرح کا ہی مجھ میں سما گیا اک شخص
وہ ماہتاب تھا مرہم بدست آیا تھا
مگر کچھ اور سوا دل دکھا گیا اک شخص
کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے دنیا
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اک شخص

شفق خان کی ڈائری سے

محسن نقوی کی غزل

بچھڑ کے مجھ سے کبھی تو نے یہ بھی سوچا ہے
ادھورا چاند بھی کتنا اداس لگتا ہے
یہ ختم وصل کا لمحہ ہے' رائیگاں نہ سمجھ
کہ اس کے بعد وہی دوریوں کا صحرا ہے
کچھ اور دیر نہ جھڑنا اداسیوں کے شجر
کسے خبر تیرے سائے میں کون بیٹھتا ہے
یہ رکھ رکھاؤ محبت سکھا گئی اس کو
وہ روٹھ کر بھی مجھے مسکرا کے ملتا ہے
کچھ اس قدر بھی تو آساں نہیں ہے عشق تیرا
یہ زہر دل میں اتر کر ہی راس آتا ہے
میں تجھ کو پا کے بھی کھویا ہوا سا رہتا ہوں
کبھی کبھی تو مجھے ٹھیک تو نے سمجھا ہے
اسے گنوا کے میں زندہ ہوں اس طرح محسن
کہ جیسے تیز ہوا میں چراغ جلتا ہے

☆☆☆☆☆
☆☆☆

www.Paksociety.com

اشعار

انجم.....رحیم یار خان

ملنے آئے ہو چھوڑنے کے لئے
اس تکلف کی کیا ضرورت ہے

ام فروہ.....کراچی

اب کے تجدید وفا کا نہیں امکاں جاناں
یاد کیا تجھ کو دلائیں تیرا پیماں جاناں
یوں ہی موسم کی ادا دیکھ کر یاد آیا ہے
کس قدر جلد بدل جاتے ہیں انساں جاناں

دھنک ناز.....کراچی

تیری صورت کو ترستی ہے تجھے کیا معلوم
روز یہ آنکھ برستی ہے تجھے کیا معلوم
نازِ دلدار کبھی تُو نے اٹھایا ہی نہیں
عشق کرنے میں جو مستی ہے تجھے کیا معلوم

عانیہ نیازی.....ربوہ

قدیم انسان راتوں کو بھی بے خبری سے سوتا تھا
جدید انسان کے گھر پر مگر دن کو بھی پہرہ ہے
اسی باعث تو رشتوں میں کوئی گرمی نہیں سعدی
کہ اب انسان کے دل کا ہر اک احساس مردہ ہے

ثناء تنویر.....سکھر

مجھے تو آج بادلوں نے بتایا وصی
وہ لوٹ آنے کے راستے تلاش کرتی تھی

سحر انجم.....کراچی

ہم شمع یقین کے پروانے
شعلوں سے محبت کرتے ہیں
اے زیست ہماری راہ سے ہٹ
ہم موت کی عزت کرتے ہیں

عینی مرتضیٰ.....سیالکوٹ

ہر پل کی دوستی کا ارادہ ہے آپ سے
اپنا پن ہی کچھ اتنا زیادہ ہے آپ سے
نہ سوچیئے گا صرف عمر بھر کے لئے
قیامت تک ساتھ نبھانے کا وعدہ ہے آپ سے

حنا ملک.....خیر پور

اس کی دہلیز پہ صدیوں سے کھڑا ہوں فراز
مجھ سے ملنے کے جو لمحات گِنا کرتا تھا

نور بانو.....کوئٹہ

میں بدلا نہیں سمجھنے کے انداز بدل گئے
بدلا نہیں انسان حالات بدل گئے
پہلے بھی تو ہوا کرتی تھی روز اِک تکرار
اب ہر روز کی تکرار کے انداز بدل گئے

پلوشہ.....پشاور

اپنی یادیں اپنی باتیں لے کر بھول گیا
جانے والا جلدی میں تھا مل کے بھول گیا
مڑ مڑ کے دیکھا تھا اس نے جاتے راستے میں
جیسے اس نے کہنا تھا کچھ جو وہ کہنا بھول گیا

نبیلہ ملک.....کراچی

تیری وفا کو ہم نے بھلایا کب ہے
ہر پل جدائی کا دل سے منایا کب ہے
دل لگا کر بھول جانا تیری عادت ہے
ہم نے تیرے سوا کسی اور کو چاہا کب ہے

ثناء حیات.....پشاور

شیشے کی طرح ٹوٹ کر گرنے نہیں دیتا
یہ ضبط میرا مجھ کو بکھرنے نہیں دیتا
ملتا رہا ہے ہر بار نئے بھیس میں مجھ کو
اِک شخص مجھے خود سے بچھڑنے نہیں دیتا

رمشا ممتاز.....جھنگ

میری سانس سے گزرتا ہے تیرا نام آج بھی
تیری یادوں میں ڈھلتی ہے میری شام آج بھی

حنا علی.....ملتان

گلہ کریں تو کیسے کریں فراز
وہ بے وفا سہی مگر انتخاب تو میرا ہے

رخسانہ نور.....فیصل آباد

لوگ کہتے ہیں میں بے وفا ہو گیا ہوں
زیادہ تو نہیں یاروں مگر ذرا سا ہو گیا ہوں
اجی چھوڑیئے کہاں کی اچھائی اور کہاں کی بُرائی
انہیں ملا کوئی اچھا تو میں بُرا ہو گیا ہوں

راحت علی.....لیہ

اپنی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی ہے فراز
جو چیز مانگتے ہیں سب سے جدا مانگتے ہیں

رابعہ منیر.....سرگودھا

ہجر کی پیاس میں قطرہ بھی بہت ہوتا ہے
دید کے واسطے لمحہ بھی بہت ہوتا ہے
جن کے ملنے کی نہیں دور تک کچھ امید
ان کے کھو جانے کا خدشہ بھی بہت ہوتا ہے

عائشہ حق.....ملتان

وہ اس انداز کی مجھ سے محبت چاہتا ہے
میرے ہر خواب پہ اپنی حکومت چاہتا ہے
وہ کہتا ہے کہ میں اس کی ضرورت بن چکا ہوں
تو گویا وہ مجھے حسبِ ضرورت چاہتا ہے

اسریٰ سید.....قصور

اب نیند سے کہو ہم سے صلح کر لے
وہ دیر چلا گیا جسکے لئے ہم جاگا کرتے تھے

سیرت مغل.....لاہور

فاصلوں نے دل کی قربت کو بڑھا دیا ہے
آج اس کی یاد نے بے سبب رُلا دیا ہے
اس کو شکوہ ہے کہ مجھے اسکی یاد نہیں آج
ہم نے جسکی یاد میں خود کو بھلا دیا ہے

شائلہ ملک.....کراچی

یادیں تیرے خلوص کی ڈستی ہیں آج بھی
ملنے کی آرزوئیں ترستی ہیں آج بھی
آنکھیں ہزار ضبط کی کوشش کے باوجود
رُک رُک کے بار بار برستی ہیں آج بھی

حیا علی.....کراچی

جانے اس شخص کو کیا یہ ہنر آتا ہے
رات ہوتی ہے تو آنکھوں میں اُتر آتا ہے
میں اس کے خیال سے جاؤں تو کہاں جاؤں
وہ میری سوچ کے ہر رستے پر نظر آتا ہے

مریم علی.....فیصل آباد

رات کی خاموشی راس نہیں آتی
میری پرچھائی بھی اب میرے پاس نہیں آتی
کچھ آتی ہے تو بس تمہاری یاد!!!
جو آ کر ایک پل بھی مجھ سے دور نہیں جاتی

زرمین شاہ.....پشاور

سر جھکاؤ تو پتھر دیوتا بن جائے گا
انتہا مت چاہو اسے وہ بے وفا ہو جائے گا
روٹھ جانا تو محبت کی علامت ہے
کیا خبر تھی مجھ سے اتنا خفا ہو جائے گا

رباب کریم.....سیالکوٹ

کون تولے گا اب ہیروں میں تمہارے آنسو
وہ جو اِک درد کا تاجر تھا دکان چھوڑ گیا

رمشہ سعید.....سرگودھا

اُسے پانے کی ہمت نہیں مگر کھونے کا حوصلہ بھی نہیں
عجب شخص ہے میرے مسئلے پر سوچتا بھی نہیں
کیسے سناؤں اُسے ہجر کے دنوں کی داستان
افسوس اس سے رہا اب رابطہ بھی نہیں

عروج مقصود.....خانیوال

نظر سے نظر ملاؤ کے شام کٹ جائے
کوئی غزل ہی سناؤ کے شام کٹ جائے
یہ دوریاں رہنا تمہارا تو اِک عذاب سا ہے
ہمارے پاس تو آؤ کہ شام کٹ جائے

حمیرا اعجاز.....کمالیہ

میرے ہاتھوں میں کبھی حالات کی زنجیر نہ ہو
میرے خوابوں کی بھیانک کہیں تعبیر نہ ہو
ہے قربتوں کا یہ موسم مگر اعتبار نہیں
تجھ سے مل کر ہی بچھڑنا میری تقدیر نہ ہو

زینب علی.....دہاڑی

خوشی کی یہ سحر آنکھوں میں نمی لئے
ہزار غموں سے بھی یہ روشنی مدھم نہ ہو گی

☆☆☆

www.Paksociety.com

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

تکیہ کلام

تکیہ کلام بھی عجیب چیز ہے اور عجیب عجیب شکلیں اختیار کرتا ہے مثلاً بعض لوگوں کی گفتگو میں ان کی بیوی کے بھائی کا ذکر بڑی فرخدالی سے ہوتا ہے ایک مرتبہ ایک صاحب جنہوں نے میرے علم کے مطابق ابھی ازدواجی زندگی کی ابتداء بھی نہیں کی تھی اپنے جوش گفتار میں ایک شخص کو اپنا سالا بنا دیا ہے میں نے ان کی یہ الفاظ سن کر نہایت سنجیدگی سے انہیں مبارک باد دی انہوں نے حیرت سے پوچھا ''کس چیز کی مبارک باد؟'' میں نے عرض کیا ''کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ نے اس شخص کی ہمشیرہ محترمہ کو اپنے عقد میں لے لیا ہے اگرچہ اس مبارک تقریب میں خاکسار کو یاد نہیں فرمایا مگر بھلا یہ خوشخبری سن کر آپ کو مبارکباد نہ دیتا''۔ میری یہ بات سن کر نہ معلوم کیوں وہ ذرا چپ سے ہو گئے' شاید میں نے جو خیال ان کے دل میں ڈالا تھا اس کو حقیقت بنانے کے امکانات پر غور کر رہے ہوں گے۔

مشتاق احمد یوسفی کی تحریر سے اقتباس

صبا سحر۔ ہارون آباد

کامیابی کا راز

''گداگری ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بھیک دینے والوں کو ختم کر دیا جائے' ایسے ہی اگر پولیس توجہ نہ دے تو چوری چکاری بھی ختم ہو سکتی ہے۔ یوں اگر آپ بڑھاپا ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو بوڑھا کر دیا جائے یوں بھی ہمارے ہاں کون ہے جو بوڑھا ہونا نہ چاہتا ہو' ہمارے ہاں تو سب سے بڑی دعا ہی یہ ہے کہ اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔ ہزاروں سال جیو جو سیدھی سادھی بڑھاپے کی تمنا ہے' ویسے اگر آپ پھر بھی بوڑھا ہونا نہیں چاہتے تو ایک کام کریں آپ کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے اور وہ یہ ہے کہ کبھی آئینہ نہ دیکھیں۔

ڈاکٹر یونس کی ''شیطانیاں'' سے اقتباس

انتخاب۔ عانیہ۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

اس ماہ کا فلسفہ

اگر ہمیں دنیا کے اور دنیا کے ہر شے کے فانی ہونے کا یقین ہو جائے تو شاید کبھی بھی کسی شے اور اپنی عزیز ترین ہستی کو ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا دکھ ہماری رگوں میں درد اور پچھتاوا بن کر نہ اترے' کیونکہ اگر ہمیں اتنی سی بات سمجھ میں آ جائے کہ لازوال تو صرف خدا کی ذات ہے۔ باقی تو دنیا کی ہر شے ہر ذات فانی ہے اگر اس چھوٹے سے فلسفہ کو ہم سمجھ لیں تو کبھی بھی غموں اور پچھتاوے کے پتھر رہ رہ کر ہمارے دلوں کو مسمار نہ کریں۔

صدف ۔ فیصل آباد

اس ماہ کی معلومات

☆ مٹی کو خدا نے ہفتہ کے دن پیدا کیا۔
☆ پہاڑ کو اتوار کے دن۔
☆ درختوں کو پیر کے دن۔
☆ برائیوں کو منگل کے دن۔
☆ نور کو بدھ کے دن۔
☆ جانوروں کو جمعرات کے دن۔
☆ آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن۔

(تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 106)

دھنک ناز۔ کراچی

اس ماہ کی چھوٹی سی بات

کبھی کبھار ہماری زندگی میں آنے والے چند لوگوں کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات اتنے قیمتی ہو جاتے ہیں کہ ان کی یاد بھلائی نہیں جاتی وہ لوگ جب قریب ہوتے ہیں تو دل کی دھڑکن بن جاتے ہیں لیکن پھر وہی ملنے والے ہم سے بچھڑ جاتے ہیں اور ہم اداس اور تنہا رہ جاتے ہیں۔

وریشا کنول۔ حیدر آباد

اس ماہ کی مزاحیہ غزل

حسن کی توپ کا گولہ مارا تیرا ککھ نہ رئے
تجھ پر گر جائے قطبی تارا تیرا ککھ نہ رئے
سردی اندر نہر کے بنے ساری رات کھلوتے
تو نہ آئی لایا لارا تیرا ککھ نہ رئے
بھینگی آنکھ کو اور بھی تو نے ترچھا کر کے دیکھا
دل پہ چل گیا کھنڈا آرا تیرا ککھ نہ رئے
بنکنگ کونسل والے تیری ہر شے قرقی کر دیں
چڑھ جائے تجھ پر قرضہ بھارا تیرا ککھ نہ رئے
دل کی چوری کے الزام میں پولیس کا چھاپہ پڑ جائے
پھڑیا جائے ٹبر سارا تیرا ککھ نہ رئے
ساری غزل سنا کر بھی نہیں ساڑا دل کا مکیا
ساڈا ہے بس اکو ای نعرہ تیرا ککھ نہ رئے

انتخاب۔ عانیہ نیازی۔ ربوہ

اس ماہ کے اقوال

☆ کاہلی اور کم ہمتی دو ایسی خامیاں ہیں جو آدمی کی ہر خوبی پر پانی پھیر دیتی ہیں۔
☆ مستقل مزاج ہونا مختی ہونے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔
☆ کسی شے کے مقدر میں نہ ہونے کا یقین ہونے پر ترک تمنا زندگی میں سکون لے آتی ہے۔
☆ اس شے کے حصول کی کوشش کرنا ایک المیہ ہے جو مقدر میں نہیں۔
☆ کامیاب انسان بننے کے لئے ہمیشہ وقت کی دہلیز کو عبور کرنا پڑتا ہے۔
☆ کسی کے اچھے کام پر اس سے حسد نہ کرو بلکہ اس کو داد دینے کا ظرف رکھو۔
☆ برے دوستوں سے بچو کیونکہ وہ تمہارا تعارف بن جاتے ہیں۔
☆ ہماری غلطیاں ہمیں وہ سبق پڑھاتی ہیں جو ہمیں کسی مکتب سے نہیں ملتا۔
☆ آدمی کی قابلیت اس کی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔
☆ کبھی کسی ایسی چیز کی خواہش نہ کرو جو پوری نہ ہو۔
☆ کسی کا دل مت دکھاؤ ہو سکتا ہے اس کے آنسو تمہارے لئے عذاب بن جائیں۔

سدرہ۔ لاہور

اس ماہ کا مزاحیہ قطعہ

دس روپے بھیک تجھ کو دے کر
یہ بتا میں نے کیا خطا کر دی

www.Paksociety.com

ادر بھی سینکڑوں کنوارنے تھے
میری شادی کی ہی دعا کردی
عمارہ خان۔ پشاور

اس ماہ کی خوبصورت بات

☆ فاصلے بڑھ جائیں تو دلوں کے بندھن کمزور نہیں پڑتے' کبھی کبھی ٹوٹ جاتے ہیں' انتظار نہیں مرتا ہے آنکھوں میں منجمد ہوجاتا ہے' ہاں! بس آنکھیں مرجاتی ہیں۔
نوشین مدثر۔ لاہور

اس ماہ کا سائنسدان

دنیا کے عظیم سائنسدان سرجوزف وائٹ ورتھ برطانیہ کے علاقے انگلینڈ کے باشندے تھے۔ آپ کے بنائے ہوئے نٹ' بولٹ آج بھی دنیا میں مشہور ہیں' آپ چے شائر کے مقام اسٹاک پورٹ میں 1803ء میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں اپنے باپ کے پرائیویٹ اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے چچا کے ساتھ اسکول کی تعلیم کے بعد کاٹن مینوفیکچرز کی تیاری میں مددگار رہوئے تھے۔
عظیم سائنسدان سرجوزف وائٹ ورتھ نے 22 سال کی عمر میں خاتون فنی اینکرزے سے شادی کی تھی۔ لندن میں آپ مشہور موجد ہنری ماڈسلے کے ورکشاپ پر کام کرتے رہے تھے۔ دو موجدوں جوزف کلیمنٹ اور جیکب ہولٹ زائل کے پاس ورکشاپ میں آپ کو تجربہ حاصل ہوا تھا' مانچسٹر میں آپ نے فیشن ٹول انڈسٹری جوزف وائٹ ورتھ ٹول میکر فرام لندن کے نام سے قائم کی تھی۔
عظیم سائنسدان سرجوزف وائٹ ورتھ نے اٹھارہ سال کی عمر میں خاندان سے بچھڑ کر مانچسٹر میں ایک ورکشاپ میں میکینک کی نوکری کی تھی۔
1860ء میں سرجوزف وائٹ ورتھ سسٹم برطانیہ میں مشہور ہوا۔ آپ حکومت کے رائل کمیشن کو مشورے دیتے تھے۔ آپ انسٹیٹیوشن آف میکانیکل انجینئرز کے صدر منتخب ہوئے تھے۔
1869ء میں آپ کو سر کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ 1887ء میں آپ کے نام سے اسکالرشپ طالب علموں کو دی جانی شروع ہوئی جو انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔
ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا وقت باغبانی اور کھیتی باڑی میں گزارا کرتے تھے۔ 83 سال کی عمر میں 1887ء میں آپ نے موت کو لبیک کہا۔
پروفیسر واجد نگینوی۔ کراچی

اس ماہ کے لطیفے

ایک سردار جی کو ہاسپٹل کی نرس سے محبت ہوگئی' پر انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ انہیں یہ کیسے بتائیں' کافی دن وہ یہی سوچتے رہے' آخر کار انہوں نے لو لیٹر لکھنے کا سوچا اور ہمت کرکے خط لکھ لیا۔ خط میں لکھا تھا۔
"آئی لو یو سسٹر!"
سمیرہ افضل۔ اٹک

تصدیق

جج نے گواہ سے پوچھا۔
"آخر تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو کہ چوری ملزم نے ہی کی ہے؟"
گواہ جو مسلسل جرح سے گھبرا گیا تھا' گھبراہٹ میں بولا۔
"مم..... میں خود اس کے ساتھ تھا' جج صاحب!"
پروین رمضان۔ جلالپور پیروالہ

خوشبو

قرآنی دعائیں

"ہم پر رحم فرما"

"اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک جو خطائیں ہوجائیں ان پر گرفت نہ کر! اے میرے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے' اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم پر نہ رکھ ہمارے ساتھ نرمی کر ہم سے درگزر فرما ہم پر رحم فرما تو ہمارا مولیٰ ہے' کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما"۔
(سورۃ البقرہ آیت 286)

"ہمیں ثابت قدم رکھ"

"اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما' ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہوگیا ہو اسے معاف فرما ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما"۔
(سورۃ آل عمران آیت 147)

"ہمیں معاف فرما"

"اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہمیں معاف کردے اور ہم پر رحم کر تو سب رحمیوں سے رحیم ہے"۔ (سورۃ المومنون آیت 109)

"نیک اولاد عطا فرما"

"اے میرے رب! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا فرما بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے"۔
(سورۃ آل عمران آیت 38)

"ہمیں سیدھا راستہ دکھا"

"ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا"۔ (سورۃ فاتحہ آیت 5 تا 6)
سیدہ نورین۔ کراچی

نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے

"مبارک باد ہے اس شخص کے لئے جو اپنے عیوب پر نظر کرکے دوسروں کی عیب جوئی سے بچا رہا' مبارک باد ہے اس شخص کے لئے جس نے حلال کمائی خدا کی راہ میں خرچ کی' علماء کی اور عقل مندوں کی ہم نشینی اختیار کی اور غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ چلتا رہا' مبارک ہے وہ شخص جو ضرورت سے بچا ہوا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور فضول گفتگو سے پرہیز کرے"۔ (صحیح مسلم)

شعبان کی ولادت مبارک

1- حضرت بی بی زینبؓ (1 شعبان)
2- حضرت امام حسینؓ (3 شعبان)
3- حضرت مولا عباس (4 شعبان)
4- شہزادہ قاسم (7 شعبان)
5- شہزادہ اکبر علی (11 شعبان)
6- امام مہدی (15 شعبان)
ام فروا۔ کراچی

www.Paksociety.com

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ جھوٹ بول کر جیت جانے سے بہتر ہے سوچ بول کر ہار جاؤ۔ (حضرت علیؓ)

☆ مومن کے لئے ہر وہ دن عید ہے جس دن وہ گناہ نہ کرے۔ (حضرت علیؓ)

☆ جب تم کسی دوسرے کے عیب ذکر کرنا چاہو تو اپنے عیب یاد کرو۔ (حضرت ابن عباسؓ)

☆ گلے، شکوے سے زبان کو بند رکھو راحت نصیب ہوگی۔ (شیخ سعدیؒ)

☆ اپنی اولاد کو تیراندازی، گھڑسواری اور تیراکی کی تعلیم دو اور انہیں تاکید کرو کہ دوسروں کی بے آبروئی نہ کریں۔ (حضرت عمرؓ)

☆ اے لوگوں اللہ کا ذکر کرو اس میں شفا ہے اور عیب جوئی نہ کرو اس میں بیماری ہے۔ (حضرت عمرؓ)

سونیا خان۔ بھکر

فرمان علیؓ

"تم اچھا کرو اور زمانہ تم کو برا سمجھے یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بجائے اس کے کہ تم برا کرو اور زمانہ تم کو اچھا سمجھے۔"

ماہ نور۔ کراچی

قبرستان

بچہ "دادی آپ نے کون کون سے ملک گھومے ہیں؟"

دادی "بیٹا پاکستان، ہندوستان، تاجکستان"۔

بچہ بھرپور اشتیاق سے پوچھنے لگا "اب کہاں گھومیں گی؟"

"بیٹا قبرستان" دادی کے بجائے دادا نے فوراً جواب دیا۔

حنا علی۔ ملتان

سزا

ٹیچر "میں تمہاری حرکتوں سے تنگ آ گیا ہوں اب بتاؤ تمہیں کیا سزا دوں"

بچہ "سر وہ جو آخری سیٹ پر بچی بیٹھی ہے اس کے ساتھ کلاس سے باہر نکال دیں"۔

رابعہ۔ اسلام آباد

نیکی

ایک سردار نے ڈوبتے ہوئے بچے کو سمندر سے باہر نکالا مگر کچھ ہی دیر بعد اس نے بچے کو واپس سمندر میں ڈال دیا۔

کسی نے پوچھا یہ کیا کیا؟ تو سردار نے کہا "جی پرانی کہاوت یاد آ گئی تھی نیکی کر دریا میں ڈال"۔

زینب مبشر۔ سیالکوٹ

خوش فہمی

ٹیچر "بتاؤ خوش فہمی کیا ہوتی ہے؟"

بچہ "سر آپ کو مس ارم بلا رہی ہیں۔

ٹیچر نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو کوئی نہیں تھا، ٹیچر نے حیرت سے کہا "مگر یہاں تو کوئی بھی نہیں"۔

بچہ جلدی سے بولا "سر اسی کو تو خوش فہمی کہتے ہیں"۔

حوریہ منزل۔ وہاڑی

وعدہ.....!

وعدہ بھی بڑا عجیب لفظ ہے، اس ایک لفظ پر انسان پوری زندگی گزار دیتا ہے، وعدے کے بارے میں کوئی کچھ کہتا ہے تو کوئی کچھ۔ کچھ لوگ وعدے کے اتنے پکے ہوتے ہیں کہ وعدہ پورا کرنے کے لئے جان بھی دے دیتے ہیں جبکہ کچھ لوگوں کے لئے وعدہ اک مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، ایسے لوگ وعدے نبھانے کے لئے نہیں بلکہ توڑنے کے لئے کرتے ہیں،

پتہ نہیں لوگ وعدے توڑتے کیوں ہیں؟ شاید دوسروں کے جذبات سے کھیل کر وہ تسکین محسوس کرتے ہیں۔

وعدے کا اک نام امید ہے اور کہتے ہیں کہ "امید پر دنیا قائم ہے" لوگ سمجھ جانے کے باوجود وعدوں پر اعتبار کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی میرے ساتھ بھی کسی نے وعدہ کیا تھا۔ زندگی بھر ساتھ رہنے کا لیکن! پتہ نہیں اس کی کوئی مجبوری تھی یا وہ بھی محض میرے جذبات سے کھیل رہا تھا، پھر بھی میں زندگی بھر اپنے وعدے کی خاطر اس کا انتظار کروں گا۔

"ہم وفا کرتے رہے وہ جفا کرتے رہے
اپنا اپنا فرض تھا، دونوں ادا کرتے رہے"

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

خوشبو

☆ صبر میں کوئی مصیبت نہیں اور رونے میں کوئی فائدہ نہیں۔ (ابوبکر صدیقؓ)

☆ مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔ (حضرت علیؓ)

☆ اپنے دشمنوں سے بھی محبت رکھو کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے سورج کو نیک اور بد دونوں پر چمکاتا ہے۔ (حضرت عیسیٰؑ)

☆ ناراضی کے خیال سے حق بات دوستوں کو نہ بتانا حق دوستی نہیں۔ (مجدد الف ثانیؒ)

☆ دوسروں کا بوجھ اٹھانا عابدوں کی عزت کا تتمہ ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆ عقل مند ہمیشہ غم و فکر میں مبتلا رہتا ہے۔

☆ عالم وہی ہے جس کا اپنے علم پر عمل ہو۔ (حضرت علیؓ)

☆ انسان کے پاس ایک ایسی قوت ہے جو مستقبل میں جھانک سکتی ہے پر اس وقت بے دار ہوتی ہے جب حواس خمسہ سو رہے ہوں اور دماغ مشاہدات کی مداخلت سے آزاد ہو۔ (حضرت امام جعفرؒ)

دھنک ناز۔ کراچی

ہم سے پوچھیئے

☆ عورت سب سے زیادہ کس چیز سے خوف کھاتی ہے؟

o حسین ترین عورت سے۔

☆ خواتین کو کم عقل کیوں سمجھا جاتا ہے؟

o اس لئے کہ وہ مردوں کی تمام حماقتوں سے واقف ہوتی ہیں۔

☆ عورت، مرد کے مقابلے میں اپنا خیال بار بار کیوں بدلتی ہے؟

o مرد خیال کئے بغیر، عورت جو بدل لیتا ہے۔

☆ شادی کے موقع پر موسیقی کا انتظام کیوں ہوتا ہے؟

o دولہا کو یقین دلانے کے لئے کہ آج خوشی کا موقع ہے۔

☆ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد آپ کس سے شادی کریں گے؟

o اپنی بیوی کی بہن سے تاکہ نئی ساس سے نجات مل جائے۔

بسمہ علی۔ سکھر

کچھ لوگ

☆ حسین یادوں کی طرح ہوتے ہیں جنہیں یاد کر کے دل خوش ہو جاتا ہے اور جن کو بھلانا ناممکن ہے۔

☆ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں، دل ان کی روح میں سمٹ جانے

www.Paksociety.com

کے لئے بے چین رہتا ہے۔

☆ دعاؤں کی طرح ہوتے ہیں ابھی ہم سجدے میں سر جھکاتے ہیں کہ وہ اشکوں کی طرح ہماری آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں۔

☆ خطوط کی طرح ہوتے ہیں جنہیں بار بار پڑھ کر بھی دل نہیں بھرتا اور دل چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے آس پاس رہیں۔

☆ اور کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں اگر وہ ہمارے ساتھ ہوں تو اندھیرے میں بھی راستہ مل جاتا ہے۔

شمائلہ ملک۔کراچی

کردار

ایک صاحب گائے خریدنے منڈی گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک ہی جیسی دو گائے لئے کھڑا ہے دونوں گائے میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا ایک ہی قد کاٹھ ایک جیسا رنگ اور ایک ہی جیسی صحت یوں لگتا تھا کہ جیسے دونوں جڑواں ہوں' ان صاحب نے دام پوچھے تو مالک نے کہا "ایک کے 10 ہزار روپے اور دوسری کے 20 ہزار روپے"۔ ان صاحب کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے قیمت کے اس فرق کی وجہ پوچھی مالک نے کہا "صاحب جی! آخر کردار کی بھی تو کوئی قیمت ہوتی ہے"۔

رکیہ بلال۔کوئٹہ

مقام شکر

"کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے ہاں کام کاج یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی؟" ایک صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔

"جی ہاں...... صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا"۔ بھاری نے جواب دیا "ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے"۔

رابعہ شیخ۔رحیم یار خان

قابل دید

ٹیچر نے کلاس روم میں دیکھا کہ پچھلی بینچ پر بیٹھا ہوا ایک لڑکا کبھی منہ چلا رہا ہے اور کبھی عجیب عجیب شکلیں بنا رہا ہے۔ "اے فائز!" ٹیچر نے اسے پکارا۔ "یہاں سامنے آؤ اور جو کچھ تمہارے منہ میں ہے مجھے دے دو"۔ "کاش میں ایسا کر سکتا ٹیچر" فاخر نے کراہتے ہوئے کہا۔ "میرے منہ میں تو چھالے ہیں"

ریحانہ۔ملتان

آنسو

☆ جہنم کی آگ کو وہی آنسو بجھا سکتے ہیں جو وقت سحر ایک مومن کی آنکھ سے ٹپکیں۔

☆ جس طرح پھول کا حسن خوشبو' دل کا حسن یاد' زندگی کا حسن آس اور انسان کا حسن اخلاق ہے اسی طرح آنکھوں کا حسن آنسو ہیں۔

☆ کبھی کبھی انسان زیادہ دکھوں کے باوجود ایک آنسو نہیں بہا سکتا اور کبھی یہ آنسو خوشی کے اظہار کے لئے آنکھوں سے چھلک پڑتے ہیں۔

☆ آنسو وہ انمول موتی ہیں جن کے آگے ہر چیز ماند پڑ جاتی ہے یہ پتھر دل انسان کو بھی موم بنا سکتے ہیں۔

☆ تمہیں اس دن پر آنسو بہانا چاہئے جو نیکی کے بغیر گزر گیا۔

صائمہ۔کراچی

☆☆☆☆☆

☆☆☆

www.Paksociety.com

میرے

"رمضان المبارک"

اسلام کا مبارک مہینہ قریب آ رہا ہے
خوشیوں کا یہ زمانہ پھر آ رہا ہے
دنیا کے مسلمانوں کا یہ اہم زمانہ
چاند دیکھتے ہی مبارک بادیوں کا چلے آنا
لوگ چھتوں پر چاند ہیں دیکھنا چاہتے
شور تو بہت ہے خود بھی دیکھنا چاہتے
باہر وقتِ سحری صدائیں سنیں گے
کس شوق سے سحری کھانے اٹھیں گے
بار بار نگاہیں گھڑی پر پڑیں گی
سحری کے وقت کو پابند کریں گی
اذان سنتے ہی کھانا ہے ختم کرنا
کس شوق سے وضو کرنا اور نماز پڑھنا
دل سے دعائیں کرنا عبادت ہی ہے

فرخ سلطانہ

غزل

ہماری آنکھ میں گر اشک بھر آئے تو کیا ہوگا
گلہ ان کا سمجھ کر وہ بگڑ جائے تو کیا ہوگا
بھری محفل میں یادِ رفتہ تنہا کر گئی اے دل!
اگر تنہائیوں میں یہ چلی آئے تو کیا ہوگا
اب عادی ہو گئے ہیں اس قدر ہم بے نیازی کے
یہی عادت اگر ان کی بدل جائے تو کیا ہوگا
ہمیشہ کی طرح پھر دل کو سمجھا کر چلے ہیں ہم
یہ ان کو دیکھ کر بے تاب ہو جائے تو کیا ہوگا
لبوں پر سانس اٹکی ہے' نظر ہے منتظر امتیاز
ہمارے بعد وہ تشریف بھی لائے تو کیا ہوگا

ایس امتیاز احمد

غزل

اجڑے ہوئے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں
ہر شخص کے اپنے اپنے نصیب ہوتے ہیں
کوئی جا کے جہاں میں نہیں ہے آتا
خوف کے سائے کتنے مہیب ہوتے ہیں
خیالوں میں آ کے جو مٹتے نہیں کبھی...
وہ کتنے پیارے میرے حبیب ہوتے ہیں
تھک ہار کے سو جاتا ہوں' آخر کار
جذبے زندگی کے کتنے قریب ہوتے ہیں
جب بھی آئے گا گزرے دنوں کا خیال جاوید
زاویے حسن کے بھی پھر کتنے عجیب ہوتے ہیں

محمد اسلم جاوید

زندگی

کبھی کبھی زخم زندگی میں ایسے ملتے ہیں
جن سے ہر لمحہ لہو رستا ہے

www.Paksociety.com

مگر سینے کی اجازت نہیں ملتی
اور کبھی حاکم وقت کی حکومت میں
ہمیں کاٹ بھی دیا جاتا ہے
مگر کسی کو بتانے کی اجازت نہیں ملتی
اور کبھی جو زخم میں پنہاں درد طوفان مچاتا ہے
مگر! اُسے باہر آنے کی اجازت نہیں ملتی
پھر بھی اگر جو کوئی
ہمت و جرات کر ہی لیتا ہے
پھر اس کو زندگی بھر زنداں سے باہر آنے کی
اجازت نہیں ملتی
شاید! حاکم وقت کو یہ ڈر ہوتا ہے
کہ ان کے نکلتے ہی ہمیں دھر لیا جائے گا
مگر وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں
کہ ان سے بڑا بھی ایک حاکم وجود رکھتا ہے
جو ان کے کسی کو قید کر لینے پر بھی
سب خبر رکھتا ہے، سب نظر رکھتا ہے

صائمہ ناز

بھلا کیسے

ممکن ہوئی کیسے
تیری میری جدائی.....؟
وہ مدھ بھری باتیں
مہکی ہوئی راتیں
تیری قربتوں میں
گزری ہوئی شامیں
بھلا..... کیسے.....
بھلا..... کیسے.....

وہ سب بھول کر
جدائی آڑے آ گئی
انا کے بیچ اپنی
رسوائی آڑے آ گئی
اور.....
جدائی.....
جیت گئی.....

سمیرا غزل حکمت اللہ صدیقی

کینوس

خدا کرے کہ تو جب بھی
کینوس پر رنگ بکھیرے
رنگوں کا قطرہ قطرہ جی اٹھے
اور میرے عکس میں ڈھل جائے
تو چاہے نہ بھی بنانا میری تصویر
خود بخود میرا چہرہ بن جائے
تو مجھ کو رنگوں سے سجا کر زندہ کر دے
میری تصویر میں جینے کی امنگ پیدا کر دے
میں ذرا ہاتھ بڑھا کر تجھے چھونا چاہوں
تیری رنگوں کی دنیا میں جینا چاہوں
میں تجھے دیکھ کر رب سے یہ دعا مانگوں
میں تو بس تیرے ہی سنگ رہنا چاہوں
یوں ہی تصویر سے مصور کا رشتہ جڑ جائے

کامران شمشاد قائمخانی

غزل

معاشرے میں بڑا مقام تھا میرا

سب کے لئے حکم پیغام تھا میرا
جب سے تو میری زندگی میں آیا ہے
میری ہوئی بڑی رسوائی ہے
وہ بھی چھوڑ گیا اب مجھ کو
جو ذاتی غلام تھا میرا
اغیار کے ہاتھوں میں کھیل کر تو نے
کچل ہی ڈالا تھا ہر ارماں میرا
اب جو نیا احساس تم میں جاگا ہے
جان لو کہ یہ اعتماد تجھ پر دھاگا ہے

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

آوارگی

اے آوارگی
جائیں کہاں
وہ جس کی ہے آرزو
جسے ڈھونڈا ہے ہر سو
ملے گا کہاں
اس کا نشاں
آوارگی.....
یہ گلیوں کے پھیرے
بھٹکتے رہنا نگر نگر شام سویرے
یہ وحشتوں کا سلسلہ کبھی رکے گا کہ نہیں
یہ بادِ جنوں ٹھہرے گی کہاں
ملے گا چین کہاں
آوارگی..... اے آوارگی

روحان دانش

غزل

مجھے کچھ یاد آ گیا وہ کچھ بھولتا گیا
احساس کی کئی منزلوں سے میں گزرتا چلا گیا
میرے دل کی اداسیاں بڑھنے لگیں جب
تو جام پہ جام میں پیتا چلا گیا
بدلیں گے کبھی حالات میرے بھی
اسی سوچ کے سہارے میں جیتا چلا گیا
ہو جاؤں گا مضطرب یہ سوچ کر میں
رُکا نہیں تیرے شہر سے گزرتا چلا گیا
میری سادگی نے مجھ کو آگے بڑھنے نہیں دیا
اور میرے سامنے زمانہ بدلتا چلا گیا
بڑھنے لگی جو عامر فرقہ واریت مسجد میں
تو مسجد سے نکلا اور میں مندر چلا گیا

عامر عزیز

غزل

چل ساجن میرے چل چلیں
چنے پھول سارے چل چلیں
خوشبو، رنگ، نظارے سارے
آ بھرنے دامن چل چلیں
نغمہ زندگی گنگنانے، قدم جمانے
گیت لبوں پر سجائے چل چلیں
دیکھو منتظر ہے ایک جہاں ہمارا
محبت سانس میں اتارے چل چلیں
خواب آنکھوں میں سجائے تھام لو ہاتھ
محبت فاتح عالم سب جانیں، چل چلیں

www.Paksociety.com

ہم آزاد پنچھی زیست بسر کرتے
چاند کے پار انجم آ چل چلیں

انجم خان

غزل

کہاں تمنا کہاں سے چلتا تھا
میں دیا تھا مجھے تو جلنا تھا
غم ہی غم زندگی میں تھے لیکن
دور تک ان کا کوئی حل نہ تھا
تھی سب ہی کے لئے حیات اس کی
میری خاطر تو اک پل نہ تھا
میں تھا سورج جہانِ خواہش کا
اور بہرحال مجھ کو ڈھلنا تھا
مل گیا جب مجھے کوئی دشمن
میرے ماتھے پر کوئی بل نہ تھا
میری راہیں جدا تھیں اوروں سے
اور اکیلے سفر میں چلنا تھا
مسکراتا غموں میں بھی میرا
دکھ کی چھاتی پہ مونگ دلتا تھا
جانے والا چلا گیا لوگو
میرا انجام ہاتھ ملنا تھا
سب نے روکا بہت بہاروں کو
میں وہ گل تھا خزاں میں پلنا تھا
میرے چھوٹے سے دل میں عالم تھا
اور میں دریا دلوں کو کھلتا تھا
میں سحر کا چراغ تھا ساجد
مجھ کو شب تا بہ سحر جلنا تھا

سید ساجد شفیع

محبت مل نہیں سکتی

ہمیشہ محبت مل نہیں سکتی
یہ تم اکثر مجھ سے کہتے تھے
اور میں ضد میں آ جاتی
تم سے خفا ہو جاتی
کہ ایسا کیسے ممکن ہے؟
جب دلوں میں سچائی ہو
تو محبت میں جدائی کیسے ممکن ہے؟
تم ہنس کر میری باتوں کو ٹال جاتے تھے
اور آج اک مدت ہوئی تم سے دور ہوئے
میں نے جانا کہ تم سچ کہتے تھے
ہمیشہ محبت مل نہیں سکتی

نورین ملک

غزل

تمہارے عکس کو آنکھوں میں ہم تصویر کر لیتے
ذرا جو تم ٹھہر جاتے۔ کوئی تدبیر کر لیتے
تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ سے یوں چھوٹ جائے گا۔
اگر مجھ کو خبر ہوتی اسے زنجیر کر لیتے
سنہرے خواب تھے میرے تیری جھیل سی آنکھوں میں
ہم ان میں ڈوب جاتے اور پھر تعبیر کر لیتے
بچھڑتے وقت چہرے پر جو صدیوں کی اداسی تھی
اگر ہم ہوش میں ہوتے اسے تحریر کر لیتے

ناصر عباس

کچھ یادیں

اک ادھورا نام ہے

میری مٹی ہوئی یادوں میں
دھندلا سا اک چہرہ ہے
سوئی ہوئی سی ان آنکھوں میں
بے نام سا چہرہ
جو اکثر آتا ہے یاد باتوں میں
یہ سب کیوں یاد آتا ہے
کھو جاتی ہوں جب خیالوں میں
کچھ سوچ کر آنکھیں بھر آتی ہیں
برسات کی بھیگی راتوں میں
حقائق اکثر وہ نہیں ہوتے
نظر آتا ہے جو کچھ خوابوں میں

فرزانہ شوکت

غزل

سنا ہے تیرے دل میں میری چاہ سمائی ہے
یہ تو جرمِ محبت ہے اس میں تو بہت رسوائی ہے
لمحہ بھر کے لیے جو تیری چاہ میں میں مسکرائی تھی
اس خوشی کی قیمت میں نے اشکوں سے چکائی ہے۔
یہ جو میرے لبوں پہ ہیں یہ ہے ان کا اپنا پن
میری چتا کے لیے آگ خود انہوں نے سلگائی ہے
میری خوشی کے لیے کیا کیا نہ سہا تو نے اے دوست
تیری تصویر میں نے بھی اپنے من میں سجائی ہے
اب جدا کیسے کریں گے ہمیں یہ زمانے والے
جہاں تیرا نام آیا وہیں میں نے جبیں جھکائی ہے

سحر انجم

غزل

انا کے زعم تو کم نہیں ہوتے
ذات کے خم ختم نہیں ہوتے
خلش اندر کہیں مچلتی ہے!
پچھتاوے ہیں کہ کم نہیں ہوتے
زمیں کا فرض ادا نہیں کرتے
حق لیکن ختم نہیں ہوتے
اک خلاء دل اور روح کے اندر
فاصلے ہیں کہ کم نہیں ہوتے
خوشیاں بانٹتے ہیں اپنوں میں
جان! تقسیم غم نہیں ہوتے
میری دھرتی کی ہے تاریخ گواہ
رہنما ہو تو کم نہیں ہوتے

حمیرا علی

غزل

حاصلِ قلب و جان رکھے ہیں
یاد کے پاسبان رکھے ہیں
اپنی دنیا کی دلبری کے لیے
ہجر کے سائبان رکھے ہیں
پاؤں رکھتا زمین پہ ہولے سے
درد کے آسمان رکھے ہیں
رہگذاروں کی آبرو بن کر
دھوپ نے بادبان رکھے ہیں
گننا چاہو تو آ کے تم گن لو
دل میں روشن نشان رکھے ہیں
زندگی حرارتوں کے لیے

www.Paksociety.com

ابر نے آستان رکھے ہیں
حوصلے کس قدر کنول کے ہیں
پانیوں میں مکان رکھے ہیں
ایم زیڈ کنول

I miss you

چھوٹا سا اک جملہ ہے
کتنا پیارا لگتا ہے
دل میں خوشیوں کے نجانے
کتنے پھول کھلاتا ہے
کچھ دنوں کی دوری کے بعد
جب دل سے چاہنے والا
شوخی سے.....
دھیرے سے.....
یہ کہتا ہے
آئی مس یو
تب یہ کہنے والا.....
کتنا پیارا
کتنا اچھا لگتا ہے
نگہت اکرم

غزل

شکستہ دل کو نئے اضطراب مت دینا
جو سہہ نہ پائیں ہمیں وہ عذاب مت دینا
ہوں جن کے دل بھی سیاہ اور رنگ پھیکے ہوں
ہمیں خدا کے لیے وہ گلاب مت دینا
دِکھا کے خواب حسین چاہتوں کے رنگ لیے
میری حیات کو تم وہ سراب مت دینا
لگا کے پھول سجا کر خواہشوں کی دنیا
میری نگاہوں کو تم وہ خواب مت دینا
وہ جس کی دید نگاہوں کو شرمسار کرے
مجھے خدا کے لیے وہ شباب مت دینا
غزل کی آنکھوں میں بستی ہے اجنبی دنیا
جو اس کو خوار وہ شراب مت دینا
حلمی غزل

نظم

کوئی دیوار رہنے دو
فقط اظہار رہنے دو
سفر میں ساتھ چل کر بھی
ہمیں اس پار رہنے دو
نہ آنکھوں میں سماؤ تم
نہ ہم کو خاک ہونے دو
ہمیں اشعار میں لکھو
مگر نہ گنگناؤ تم
کتابوں میں کہیں رکھ کر
ہمیں پھر بھول جاؤ تم
سنو تم سے یہ کہنا ہے
سفر میں دھول ہونے تک
کوئی بھی بھول ہونے تک
مجھے تم مانگ لینا بس
دعا مقبول ہونے تک!
صابر اصغر علی

.....☆☆☆.....

www.Paksociety.com

صالحہ محمود

سنڈیسے

کرن امیر بہادر ..... کراچی

السلام وعلیکم صالحہ آپی! سلام کے بعد میں معافی چاہتی ہوں کہ میں نے دسمبر کے شمارے میں لکھا کہ میں ایک کہانی بھیجنا چاہتی ہوں مگر نہ بھیج پائی۔ وجہ کچھ مسائل تھے مگر اب اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دل مطمئن ہے اور آپی اب کے بار ایک ناول بھیج رہی ہوں پلیز! ضرور شائع کیجیے گا اور میرا حوصلہ بڑھائیے گا اور آپی! ناول میں کوئی غلطی ہو تو معاف کر دیجیے گا کیونکہ پہلا ناول ہے نا اس لئے اور ردا ڈائجسٹ اور تمام رائٹرز کی میں کیا تعریف کروں، وہ تو اپنی تعریف آپ ہیں، اور آپی! ردا کے توسط سے میں تمام قارئین سے التجا کرتی ہوں کہ پلیز آپ سب میری امی اور میرے لئے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حج بیت اللہ اور روضہ مبارک کی زیارت کرنا نصیب فرمائے، جلدی (آمین) آپی یہ میری بہت بڑی خواہش ہے۔ آپی آپ بھی مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا (شکریہ) اور آپی ردا کے لئے میری خاص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ردا ڈائجسٹ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے (آمین) ویسے آپی میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنا مکمل انٹرویو ردا میں شائع کریں تاکہ ہم جیسے لوگ بھی آپ کے بارے میں جان سکیں اور آپی میرا ناول ضرور شائع کیجیے گا اور آپی میں اپنا بھی انٹرویو بھیجنا چاہتی ہوں اگر آپ کی اجازت ہو تو پلیز، ضرور بتائیے گا شکریہ۔ اپنا بہت خیال رکھئے گا، اللہ حافظ۔

انعم خان ..... ہری پور ہزارہ

السلام وعلیکم صالحہ آپی اینڈ نورین آپی! کیسی ہیں آپ؟ ردا کے تمام اسٹاف کو میرا سلام پلس دعا۔ صالحہ آپی میں اس خط کے ساتھ آپ کو اپنے ناول کی ایک اور قسط بھیج رہی ہوں باقی اقساط بھی انشاء اللہ ساتھ ساتھ ارسال کرتی رہوں گی۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ جلد ہی مکمل اقساط آپ کو بھیجوں مگر کچھ گھریلو مصروفیات ہیں، ساتھ یونیورسٹی جانا ہوتا ہے، کچھ اسائنمنٹ وغیرہ تیار کرنی ہیں، مڈٹرم بھی آنے والے ہیں سو فی الحال ایک ایک کر کے قسط بھیجوں گی۔ امید ہے آپ میری تھوڑی مصروفیت کا اندازہ کرتے ہوئے مینج کر لیں گی۔

باقی سندیسے میں تو میں بہنوں کے تبصرے وغیرہ پڑھتی ہوں لیکن ظاہری بات ہے سب کے خط بھی تو شامل نہیں ہوتے، پلیز بتائیے کہ اوور آل میری کہانی کا رسپانس کیسا آ رہا ہے۔

صالحہ آپی! اب جولائی میں میرے لاسٹ سیمسٹر ہیں پلیز میرے لیے دعا کیجیے گا کہ اللہ پاک اس مرتبہ بھی مجھے کامیاب کرے (آمین)

باقی ردا ہر لحاظ سے پرفیکٹ جا رہا ہے۔ آپ کا، شازیہ مصطفیٰ، نائلہ طارق اور سباس گل کا سلسلہ وار

www.Paksociety.com

ناول بہت زبردست ہے اور بڑی عمدگی سے سبھی آگے بڑھ رہے ہیں۔ نئی رائٹر بہنیں بھی ماشاءاللہ بہتر سے بہترین لکھ رہی ہیں۔ اچھا صالحہ آپی! اب اجازت چاہوں گی اللہ آپ کو صحت دے سلامت رکھے (آمین) دعاؤں کی طالب۔

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین ——— کراچی

پیاری جان سے عزیز قابل محترم صالحہ آپی السلام وعلیکم! میں ردا ڈائجسٹ پچھلے دو سال سے پڑھ رہی ہوں اس میں سرورق سے لے کر آپ کی صحت تک ہر segment بہت خوبصورت اور perfect ہوتا ہے اور ساری writers بہت محنت اور لگن سے ہمارے لئے اتنی خوبصورت کہانیاں لکھتی ہیں جن سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ آپ کا اپنائیت بھرا انداز تحریر رائٹرز کی حوصلہ افزائی سے مجھ ناچیز کو بھی قلم اٹھانے کا حوصلہ دیا۔ امید ہے میرے اس خط کو سندیسہ میں ضرور شامل کریں گی۔ اپنی ایک تحریر بھیج رہی ہوں امید ہے اس کی خامیوں کو دور کر کے "ردا" میں ضرور شرف قبولیت بخشیں گی اور مجھ جیسی طفل مکتب کو ردا کے سائے میں جگہ دیں گی۔ اللہ آپ کو صحت و کامیابی سے نوازے آپ کے لئے پوری ردا کی ٹیم کے لئے ڈھیر ساری دعائیں اور آپ سے التجا ہے کہ کوشش کیجیے گا کہ زندگی میں وہ شخص آپ کو ہمیشہ مسکراتا ہوا ملے ——! آپ جسے روز آئینے میں دیکھتی ہیں ——!

نایاب حسین ——— واہ کینٹ

السلام وعلیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ اس بار میں اپنی تحریر "فیصلہ دل کا" عید کے حوالے سے بھیج رہی ہوں۔ امید ہے عید نمبر پر ضرور جگہ ملے گی۔ شائستہ زاہد کو شادی کی بہت بہت مبارکباد۔ آپی پلیز اگر لیٹر لیٹ ملا کرے تو پھر صرف تحریر کی وصولی کا سندیسے میں ضرور بتا دیا کریں۔

۔اس کے علاوہ یہ کہوں گی کہ اللہ پاکستان کو سلامت رکھے اور آج کل ہم جن مشکلات سے گزر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ جلد از جلد پاکستان کو ان مشکلات سے نکالے اور ہمیں ہمارے اعمال درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آخر میں ردا کے لئے دعا کہ ردا دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے (آمین)

فرانہ عمر دراز ——— کراچی

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! صالحہ آپی، ردا اسٹاف اینڈ قارئین! اللہ تعالیٰ سے آپ سب اور اپنے پیارے ملک کے لیے خیر و عافیت کی دعا مانگتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔ ملک کے آج کل جیسے حالات چل رہے ہیں ہر کوئی پریشان ہے گھر سے نکلتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے فوجی جوانوں کو اتنی طاقت عطا فرمائے کہ وہ اپنے ملک کو امن کا گہوارہ بنا سکیں، آمین۔ ردا ہر بار کی طرح اس بار بھی بہت خوبصورت لگا اس چلچلاتی گرمی میں ردا کا دیدار کسی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے کم نہیں لگا ورنہ آج کل تو لوڈ شیڈنگ نے سب کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ خیر اب بات ہو جائے ردا کی تو میں سب سے پہلے بات کروں گی "رگ جاں سے جو قریب تھے" کی۔ اس میں مجھے ردی بہت پیاری لگتی ہے اس سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے لگتا ہے وہ ہمارے آس پاس ہی رہتی ہے ردی کی اشمل کے ساتھ شادی ہونا اچھا نہیں لگا، اگر ارسلان سے ہوتی تو اچھا تھا لیکن اگر سب ہماری سوچ کے مطابق ہونے

www.Paksociety.com

لگے تو کہانی آگے جانے کے بجائے جلد ہی ختم ہو جائے، اشمل کا رویہ بھی ردی کے ساتھ بہت برا ہو گیا ہے چلو دیکھتے ہیں آگے کیا، کیا ہوتا ہے۔

"کبھی عشق ہو تو پتہ چلے" ناول بھی زبردست چل رہا ہے۔ حرمانے تو شہران کو سدھارنے کی ٹھان لی ہے سچ بہت حرہ آتا ہے سب کے سامنے پٹر پٹر بولنے والا شہران، حرما کے سامنے چپ کا روزہ رکھتا ہے تو اب دیکھو حرما کا شیبا کو ایڈمشن دلوانے کے فیصلے پر شہران کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔ دوسری طرف حمدان اور اریشماء ان دونوں کے بیچ دیکھتے ہیں تیمور اپنی جگہ بنا پائے گا یا نہیں یا پھر حمدان ان دونوں کے درمیان سے ہٹ جائے گا یا تیسرا شخص یعنی روحیل سکندر اپنی بیٹی کو اس کی خوشیاں یعنی حمدان سے اس کی شادی کر دیں گے یا پھر کہانی کوئی نیا ہی موڑ لے گی، چلو یہ تو ٹیکسٹ منتھ پتہ چل ہی جائے گا۔

"اعتبارِ عشق" واقعی اسے ہی سچی محبت کہتے ہیں کہ ایک کو تکلیف ہو تو دوسرے کو دور رہتے ہوئے بھی پتہ چل جاتا ہے جیسے عینی کو پتہ چل گیا۔ واقعی آج کل عینی اور تیس جیسے کردار ملنا مشکل ہیں۔ اب تو کنول بھی ٹھیک ہو رہی ہیں بس سباس جی اب تو عینی کو واپس لے آئیے اس کے بغیر حرہ نہیں آ رہا۔

"سانس، سڑک اور سکوت" واہ جی ثبیت تو لگتا ہے سدھرنے والا نہیں ہر وقت طنز کرنا اس کی عادت بن چکی ہے پر لگتا ہے عاشر کی دوبارہ انٹری اور سارہ کا اس کے ساتھ ہونا اسے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ سدرہ کا سارہ کے ساتھ جو رویہ ہوا اور اس پر ثبیت کا ردعمل اس سے لگتا ہے دونوں کے ملن میں اب دیر نہیں لگے گی۔ زینب اور عاطف کی بھی انشاء اللہ اگلی قسط میں شادی ہے۔ کیوں نائلہ جی کیا میں صحیح بول رہی ہوں یا نہیں! "اس دل میں بسے ہو تم" بھی ٹھیک چل رہا ہے، معاف کیجیے گا انعم جی پر کچھ ماہ سے حرہ نہیں آ رہا۔ دکھ ہی دکھ نظر آ رہا ہے ہر کوئی پریشان ہے بس آپ جلدی سے اس میں کوئی انجوائے منٹ، مذاق شامل کیجیے تاکہ پہلے کی طرح حرہ آ سکے۔

اس کے علاوہ مکمل ناول، ناولٹ اور افسانے سب ہر بار کی طرح پرفیکٹ تھے سب اچھا لکھ رہی ہیں اس لیے ایک کی تعریف کرنا زیادتی ہو گی۔ اس کے علاوہ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بیسٹ آف دی بیسٹ تھے۔ اب اجازت چاہوں گی۔ میری دعا ہے کہ ردا یونہی اپنی کامیابیوں کا سفر جاری رکھے آمین۔

رابعہ خان ——— کراچی

پیاری صالحہ آپی السلام وعلیکم! امید ہے کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گی ردا ڈائجسٹ میرا فیورٹ رسالہ ہے اور میں 6th کلاس سے ردا کا مطالعہ کرتی آ رہی ہوں۔ "تم جو مل گئے ہم کو" میری پہلی تحریر تھی نجانے کہاں سے مجھے بھی لکھنے کا شوق ہو گیا اور میں نے بھی قلم اٹھانے کی جسارت کر لی اور آپ کا بھی بہت شکریہ کہ آپ نے میری تحریر کو اپنے ڈائجسٹ میں جگہ دی، اس کے علاوہ شازیہ مصطفیٰ اور نائلہ طارق کے سلسلے وار ناول میرے فیورٹ ناولز ہیں اور شازیہ مصطفیٰ کے سبھی سلسلے وار ناولز میرے فیورٹ ہیں۔ اس کے علاوہ ردا کے سبھی مستقل سلسلے زبردست ہیں۔ اب اجازت چاہوں گی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

———☆☆☆———

www.Paksociety.com

ثریا اقبال

کچن

ویجی ٹیبل ود چیز

اجزاء۔

آلو	½ کلو
املی کا گودا	2 کھانے کے چمچ
شملہ مرچ	ایک کپ (کیوب کاٹ لیں)
بند گوبھی	ایک کپ (کیوب کاٹ لیں)
ٹماٹر	ایک کپ (کیوب کاٹ لیں)
گاجر	ایک کپ (کیوب کاٹ لیں)
بے بی کارن	ایک کپ (چھوٹے ٹکڑے کرلیں)
کاٹیج چیز	ایک کپ
ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچ
تیز پات	3,2 عدد
دہی	4 کھانے کے چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
میتھی دانہ	ایک چائے کا چمچ
کلونجی	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	½ چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب۔تیل گرم کریں' پھر اس میں زیرہ' کلونجی' ثابت زیرہ' میتھی دانہ اور تیز پات ڈال کر کڑکڑائیں اس کے بعد ادرک لہسن ڈال کر فرائی کریں۔اب ویجی ٹیبل اور دہی شامل کریں پھر نمک' لال مرچ پاؤڈر اور ہلدی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں' دھیمی آنچ پر پکائیں۔اس کے بعد املی کا گودا شامل کریں اچھی طرح بھون لیں' اب کاٹیج چیز شامل کر کے اچھی طرح مکس کریں' گرم گرم پیش کریں۔

فرائیڈ فش

اجزاء۔

فش فلیٹ	ایک کلو
میدہ	½ کپ
پیپریکا پاؤڈر	1/4 چائے کا چمچ
کالی مرچ	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب۔میدہ میں نمک' کالی مرچ اور پیپریکا ڈال کر پانی کی مدد سے مناسب گاڑھا پیسٹ بنالیں' تیل گرم کریں اور فش کے قتلوں کو میدہ کے مکسچر میں ڈپ کر کے فرائی کریں۔

کچن کڑاہی

اجزاء۔

چکن	½ کلو
ٹماٹر	3 سے 4 عدد (چوپڈ)
پیاز	ایک عدد (چوپڈ)
ہری مرچیں	4 عدد
کٹی کالی مرچ	1/4 چائے کا چمچ
ادرک پیسٹ	½ چائے کا چمچ
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب۔ٹماٹر کا چھلکا اتار لیں' ایک کڑاہی میں چکن ادرک لہسن اور نمک ڈال کر ڈھک دیں اور ہلکی آنچ پر اس وقت تک پکائیں جب تک کہ چکن کا پانی خشک ہوجائیں اور چکن آدھی گل جائے' اب اس میں تیل' ٹماٹر' ہری مرچیں اور پیاز شامل کر کے دوبارہ ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں' جب چکن گل جائے تو بھون کر کالی مرچ ڈال کر سرو کریں' ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

دال دہی

اجزاء۔

دال (ارہر)	ایک کپ
دہی	ایک کپ
لیموں	ایک عدد
ادرک لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	½ گڈی
ہری مرچ	3 عدد
ثابت زیرہ	½ چائے کا چمچ (بھون کر پیس لیں)
ہلدی	½ چائے کا چمچ

بگھارنے کے لئے۔

ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچ
پیاز	ایک عدد (چھوٹی)
لہسن	3 جوے
ہری مرچ	2 عدد
ثابت لال مرچ	5,6 عدد
تیل' گھی	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب۔دال کو دھو کر دو گھنٹے بھگو دیں' پھر دو کپ پانی ڈال کر پکنے کے لئے رکھ دیں' ابال آنے پر آنچ ہلکی کر دیں اور ایک چمچ تیل بھی ڈال دیں جب دال تقریباً گل جائے اور پانی قدرے خشک ہو تو اتار کر ٹھنڈا کرلیں۔بلینڈر میں دہی' دال' ہرا دھنیا' ہری مرچ' ادرک' لہسن' سفید زیرہ (پسا ہوا)' ہلدی اور ایک لیموں کا رس شامل کرلیں اور بلینڈ کرلیں' پھر آدھا کپ پانی ڈال کر پکنے دیں دال ہلکی گاڑھی ہوجائے تو اتار لیں۔گھی گرم کریں اور بگھار کی تمام اشیاء ڈال کر لائٹ براؤن کرلیں اور دال بگھار لیں' ہرا دھنیا سے گارنش کریں اور بگھارے ہوئے چاول' اچار اور پاپڑ کے ساتھ سرو کریں۔

چاکلیٹ موس

اجزاء۔

ڈارک چاکلیٹ	125 گرام (چوپ کرلیں)

www.Paksociety.com

فریش کریم	ایک کپ
چینی	2 کھانے کے چمچ
انڈے	4عدد

(زردی اور سفیدی علیحدہ کرلیں)

ترکیب۔ سب سے پہلے چاکلیٹ کو ڈبل بوائلر میں پگھلالیں' پھر انڈے کی زردیاں شامل کر کے اچھی طرح پھینٹ لیں۔ کریم کو پھینٹ کر اس میں چینی اور چاکلیٹ مکسچر شامل کرلیں' انڈے کی سفیدیاں علیحدہ خوب پھینٹ کر آمیزے میں شامل کر کے اچھی طرح مکس کریں' فریزر میں رکھ کر جمالیں اور فریش کریم کے ساتھ پیش کریں۔

اسٹرابیری آئس کریم

اجزاء۔

اسٹرابیری	ایک ٹن (وزن 16 اونس)
پاؤڈر ملک	2 کپ (پانی میں گھول کر گاڑھا پیسٹ بنالیں)
اسٹرابیری ایسنس	½ چائے کا چمچ
چینی	3 کھانے کے چمچ یا حسب ذائقہ
کنڈینسڈ ملک	½ کپ
فریش کریم	ایک کپ

ترکیب۔ سب سے پہلے کنڈینسڈ ملک فریش کریم' دودھ اور چینی کو ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں' پھر آدھے گھنٹے کے لئے فریج میں رکھ دیں' اسٹرابیری اور اسٹرابیری ایسنس کو بلینڈر میں ڈال کر عمدہ پیسٹ بنالیں' اب اسٹرابیری اور دودھ کے مکسچر کو ملا کر اچھی طرح مکس کریں' اب ایک ایئر ٹائٹ بکس میں ڈال کر فریزر میں رکھ دیں کرسٹل بننے لگیں تو ایک بار پھر پھینٹ لیں اور دوبارہ جمنے رکھ دیں۔ ویفرز' بادام اور پستے کے ساتھ پیش کریں۔

آلو کا حلوہ

اجزاء۔

آلو	½ کلو
دودھ	½ کلو
دودھ	1/4 کپ
چینی	حسب ذائقہ
سبز الائچی	4عدد
زعفران	ایک چٹکی
عرق گلاب	ایک کھانے کا چمچ
بادام' پستہ' چاندی کے ورق	حسب پسند
تیل' گھی	حسب ضرورت

ترکیب۔ آلوؤں کو ابال کر چھیل لیں اور ہاتھ سے اچھی طرح مسل لیں' زعفران کو عرق گلاب میں بھگو دیں' ایک برتن میں گھی گرم کریں اور الائچی ڈال کر کڑکڑائیں۔ اب آلو کا بھرتہ اور دودھ اور چینی ڈال کر اچھی طرح بھونیں' رنگت سنہری ہونے لگے' دودھ خشک ہوجائے اور تیل علیحدہ ہوجائے تو زعفران ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں' اب ڈش میں نکال کر پستہ' بادام چھڑکیں اور چاندی کے ورق سے گارنش کریں۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

سنگھار

رنگت نکھاریئے

☆ نمک ملے پانی سے منہ دھونے سے رنگ نکھر آتا ہے۔ بادام کی گریاں بغیر چھلے کسی مٹی کے کھردرے برتن پر رگڑیں اور ان میں تھوڑی سی بالائی ملا کر چہرے پر ملیں ایک گھنٹہ بعد کسی اچھے صابن سے منہ دھولیں' بادام روغن کو پانی میں پھینٹ کر چہرے پر لیپ کرنے سے رنگ نکھرتا ہے۔

☆ زیتون کے خالص تیل میں چند قطرے لیموں کا رس ملا کر چہرے پر مساج کریں۔ شہد نیم گرم پانی میں ملا کر روزانہ پئیں۔

☆ انڈے کی سفیدی میں چنے کی دال باریک پیس کر کریم بنالیں اور چہرے پر ملیں' دس منٹ بعد چہرہ دھولیں۔

☆ شکر کے شربت میں لیموں کا رس نچوڑ کر پینے سے رنگ نکھرتا ہے۔

☆ رات کو سونے سے پہلے دودھ میں زیتون کا تیل ڈال کر پینے سے رنگ نکھرتا ہے۔

☆ لیموں کے عرق میں ملتانی مٹی پیس کر چہرے پر لیپ کریں۔

☆ گلسرین میں آدھا لیموں کا رس نچوڑ کر چہرے پر ملیں' آدھے گھنٹے بعد بیسن سے منہ دھولیں۔

☆ بالائی میں چند قطرے لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لگائیں ہر روز گاجر کا جوس پئیں۔

☆ خوراک میں پھلوں کا استعمال زیادہ کرنے سے بھی انسان کے چہرے پر رونق آجاتی ہے۔

☆ پانی زیادہ پینے سے بھی چہرہ شاداب رہتا ہے۔ بیسن میں دودھ یا بالائی ملا کر اسے آہستہ آہستہ کچھ دیر چہرے پر رگڑیں' چند منٹ بعد منہ دھولیں صابن کا استعمال نہ کریں' چہرہ ملائم اور خوبصورت ہوجائے گا۔

☆ لیموں کا رس آدھی چھٹانک' سفید گلسرین ایک چھٹانک' گلاب کا عرق آدھا چھٹانک' ہائیڈروجن پر آکسائیڈ اور بورک پاؤڈر آدھا آدھا ماشہ ان سب اشیاء کو یک جان کر کے کسی صاف شیشی میں محفوظ کرلیں اور رات کو سوتے وقت منہ دھو کر خشک کر کے چہرے پر لگائیں اور صبح منہ دھولیں یہ رنگت نکھرنے کے علاوہ منہ کی خشکی بھی دور کردے گا۔

☆ انڈے کی سفیدی ایک چمچہ' لیموں کا رس ایک چمچہ' بادام روغن چند قطرے ان سب کو خوب اچھی طرح ملالیں اور اسے چہرے پر ملیں' خشک ہونے پر نیم گرم پانی سے منہ دھولیں' رات کو منقی کے چند دانے لیموں کے رس میں بھگو دیں اور صبح نہار

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers

If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at

0336-5557121

منہ کھالیں۔انار کا جوس رنگ نکھارتا ہے۔

☆ پپیتے کا چھلکا جلد پر رگڑ کر لگانے سے جلد کا رنگ نکھر جاتا ہے اور چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

☆ دودھ پینے سے جلد ملائم اور سفید ہوتی ہے۔

☆ پالک جلد کی رنگت نکھارتی ہے اس کے علاوہ گرم پانی جسم کی رنگت قائم رکھنے میں ایک زبردست معاون ہے۔

☆ آم رنگ نکھارتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے۔

☆ زیتون کا تیل، بادام روغن، گلسرین تینوں کو ہم وزن لے کر رات کو سوتے وقت روزانہ چہرے پر مالش کریں اور صبح منہ صابن سے دھولیں۔۔

☆ کھیرے کا رس نکال کر چہرے پر لگا کر اسے سوکھنے دیں، باقاعدگی سے ایسا کرنے سے چہرے کی جلد صاف ہو جاتی ہے۔

☆ روغن بادام میں شہد ملا کر چہرے پر لگانے سے خشک اور بے رونق جلد تر و تازہ ہو جاتی ہے اس محلول کو چہرے پر لگا کر 20 منٹ کے بعد چہرہ دھولیں۔

☆ پسی ماش کی دال میں تھوڑا سا بادام روغن یا زیتون کا تیل اور پانی ملا کر چہرے پر ملنے سے چہرہ نکھر آتا ہے۔

☆ آدھا پاؤ دودھ میں دو عدد لیموں کا رس نچوڑ لیں جب دودھ اچھی طرح پھٹ جائے تو اس کو چھان کر پانی علیحدہ نکال کر ایک بوتل میں ڈالیں اس پانی کی مقدار کے برابر اس میں عرق گلاب شامل کرلیں اس لوشن کو رات سونے سے پہلے چہرے پر لگائیں اور صبح منہ دھولیں۔

☆ ایک پیالی گرم پانی میں تین ماشے شہد ڈالیں اور اس میں ڈیڑھ تولہ دودھ ڈال کر مکس کرلیں اس محلول کو روئی یا اسفنج کی مدد سے چہرے پر لگائیں پندرہ منٹ بعد تازہ پانی سے منہ دھولیں۔

☆ دو بڑے چمچے دودھ میں ایک چھوٹا چمچہ نمک ڈال کر حل کریں اور رات کو سوتے وقت روئی کی مدد سے چہرے پر لگائیں۔صبح اٹھ کر منہ دھولیں۔

☆ لیموں کا ایک ٹکڑا دودھ میں بھگو دیں، ایک گھنٹہ بعد اسے چھان لیں اور چہرے پر لگائیں، شہتوت کے درخت کے پتے سے کچھ کانٹے لے کر دودھ کے ساتھ پتھر پر گھس لیں، اس کا لیپ روزانہ رات کے وقت چہرے پر لگائیں۔

☆ رات کو سونے سے پہلے دودھ روئی کی مدد سے چہرے پر لگائیں پانچ منٹ تک دودھ میں روئی بھگو بھگو کر چہرہ صاف کریں، پھر پندرہ منٹ تک اسے یونہی رہنے دیں۔ پندرہ منٹ بعد تازہ پانی میں ایک چمچہ دودھ ڈال کر چہرہ دھولیں اس سے جلد سفید اور ملائم ہو جائے گی۔ روزانہ ایک ٹماٹر کا گودا اور انڈے کی سفیدی دونوں اچھی طرح مکس کر کے چہرے پر لیپ کریں پندرہ منٹ بعد تازہ پانی سے چہرہ دھولیں۔

☆ کچا دودھ لے کر اس میں تھوڑا سا بیسن اور ایک چٹکی ہلدی شامل کرلیں یہ لیپ پندرہ منٹ صبح اور پندرہ منٹ کے لئے شام کو چہرے پر لگائیں۔

☆☆☆☆☆

www.Paksociety.com